صرف احمدی احباب کے لیے

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (الحج: 25)

اور اُن کو پاکیزہ کلام کی طرف ہدایت کی جائے گی اور ان کو خدا کے طریق کی طرف ہدایت کی جائے گی

# ادب المسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام

## آپ حضرت کے محسنات شعر

### اردو، فارسی اور عربی زبان میں

در کلام تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست

تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے

كَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ

تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے

(الہام حضرت اقدسؑ)

# فہرستِ موضوعات

# انتساب

**خاکسار کی یہ کوشش میری والدہ مرحومہ سارہ بیگم حرم خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نام ہے۔**

اول اس لیے کہ میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ کاش وہ میری ہوشمندی کے زمانہ تک زندہ ہوتیں تو میں چھوٹی موٹی خدمت اور ہلکے پھلکے پیار سے ان کا دل گرماتا اور ان کے لیے چند خوشی کے لمحات پیدا کرتا۔

ایسا تو نہیں ہو سکا اور وہ اس زمانے سے بہت قبل اپنے محبوب حقیقی کے پاس چلی گئیں۔

مگر مَیں خیال کرتا ہوں کہ شائد میری تمنا کے صدق کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بخشی ہے کہ میں ان کی محبوب ہستی اور آقا کے کلام کے حسن وخوبی کی تلاش کی اس کوشش کو ان کے نام سے منسوب کروں۔ اور پھر ایسا ہو کہ آپ اپنے بیٹے کی اس خدمت کو مادری فخر اور عاجزی کے ساتھ اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحفۃً پیش کریں۔

دوسرے درجہ پر یہ انتساب اس لیے بھی موزوں ہے کہ میرے ننھیال کی روایات اور میرے نانا محترم مولانا عبدالماجدؓ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ میری والدہ صاحبِ علم وادب خاتون تھیں اور خصوصاً فارسی زبان کا علم اور شعری ادب کا عالمانہ فہم اور ذوقِ سلیم رکھتی تھیں۔

دو روایات سناتا ہوں:

اوّل یہ کہ میرے نانا محترم نے اپنی بیٹی کی جواناں مرگ رحلت کے غم میں ان کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نکاح میں آنے کے بعد جب ان کی رخصتی کا وقت آیا تو آپ ماں باپ کی جدائی اور ایک دور دراز اجنبی منزل کی طرف روانہ ہونے پر بہت مضطرب تھیں۔ اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے نانا محترم نے ان کے کان میں سعدیؒ کا یہ شعر اپنے نام کی تبدیلی کے ساتھ بار بار سنایا تو آپ کا اضطراب دور ہوا:

تا نہ پنداری کہ تنہا می روی
دیدۂ ماجدؔ و دل ہمراہِ تست

ترجمہ: یہ گمان نہ کرو کہ تم تنہا جا رہی ہو۔ ماجدؔ کا دیدہ ودل تمہارے ساتھ ہے۔

یہ شعر سعدی کی شہکار غزلوں میں سے ایک ہے جو محبوب ہستی کی جدائی اور فراق کے مضمون میں معروف ہے۔

آپ کے فارسی ادب کے عارفانہ ذوقِ سلیم کی تصدیق میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی یہ تحریر بھی ہے جو آپ نے میری والدہ کی وفات پر ان کے ذکر میں لکھی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک مرتبہ اپنے خط میں لکھا کہ ''میں اپنی زندگی کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں'':

بر آستانِ آں کہ ز خود رفت بہرِ یار
چوں خاک باش و مرضئ یارے دراں بجو

آپ حضرت اقدس کے شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تو خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کر جو خدا تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کو کھو چکا ہو۔ پھر اس کے دروازے پر مٹی کی طرح بے خواہش ہو کر گر جا اور اس طرح سے خدا کی رضا حاصل کر''

اور فرماتے ہیں: ''بخدا اس نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا کر دیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں خاک ہوئی پڑی ہے۔''

اور دعا دیتے ہیں: ''اے راحم خدا تو اس گری ہوئی کو اُٹھا لے اور اس پر پوری طرح سے راضی ہو جا''۔ آمین
(الفضل 23 جون 1933)

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عارفانہ شعری ادب کا ایسا گہرا فہم اور ذوقِ سلیم اس انتساب کی دوسری مناسبت ہے۔

خدا کرے کہ یہ کوشش ان کے ذوقِ شعر و ادب کے معیار سے قریب تر ہو۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا حنیف احمد

9 ررمضان المبارک 1428 ہجری

22 ستمبر 2007

# اظہارِتشکر

اوّل تو خاکسار کی طرف سے ہمارے پیارے باری تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ہے کہ اُس نے صرف اپنے بے پایاں احسان کے تحت یہ توفیق دی ہے کہ خاکسار باوجود کم علمی کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کے محاسن پیش کر سکے۔

فالحمدللہ۔الحمدللہ۔والحمدللہ علی ذالک۔

اس عنایت خاص کے تشکر میں خاکسار اپنی ذات کو بے انتہا کم درجے پر رکھتے ہوئے بہت عاجزی سے اپنے آقا کے اشعار ہی کو پیش کرسکتا ہے جو بہر وجوہ خاکسار پر اطلاق پاتے ہیں۔

اپنی کم علمی اور محدود استعداد کی بنا پر

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

اور اللہ تعالیٰ کے خالص احسان اور عنایت کی بنا پر ہے۔

نگاہِ رحمت جاناں عنایت ہا بمن کردست
وگرنہ چوں منے کے یا بد آں رشد و سعادت را

ترجمہ: محبوب کی نگاہ رحمت نے مجھ پر بڑی عنایتیں کی ہیں ورنہ مجھ جیسا انسان کس طرح اس رشد وہدایت کو پاتا۔

اس خدمت کے معاونین میں وہی دونام ہیں جنہوں نے خاکسار کی کتاب تعلیم فہم القرآن کی تیاری میں بہت خدمت کی تھی۔

اوّل میجر ریٹائرڈ سعید احمد صاحب ابن چوہدری محمد بوٹا صاحب مرحوم ہیں۔

دوم چوہدری محمد ادریس صاحب ابن مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مرحوم مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ہیں۔

ان دونوں اصحاب نے میرے علمی مسودے کو خوشخط کیا اور پھر بہت محنت اور لگن سے لفظاً لفظاً PROOF READING کی۔یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام تھا۔اللہ تعالیٰ اِن کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے محبت کو قبول کرے اور آخردم تک اس کو بڑھاتا چلا جائے۔آمین۔خاکسار ان دونوں کا بہت شکرگزار ہے اور ان کے لیے دعا گو ہے۔یہ امر بہت قابل تحسین ہے کہ محترم میجر ریٹائرڈ سعید احمد صاحب نے اس کتاب میں درج شدہ آیات قرآنیہ کا انڈیکس بھی بہت محنت سے تیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزاء دے۔

آخر پر مگر اہمیت کے اعتبار سے تین دوست اور بھی ہیں۔اول: طاہر احمد مختار مربی سلسلہ، دوم: محمد یوسف شاہد صاحب مربی سلسلہ اور تیسرا نام محترم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب نائب ناظر اشاعت کا ہے۔

ان سب اصحاب نے بہت ہی محنت اور محبت سے کتاب کے مسودہ کی Proof Reading اور اس کی Setting بھی کی۔

خاکسار ان سب اصحاب کا بہت شکرگزار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے محبت کو قبول فرمائے۔آمین ثم آمین

والسلام خاکسار

مرزا حنیف احمد

# پیش لفظ

حضرت اقدسؑ کا شعری کلام تین زبانوں (اردو۔ فارسی۔ عربی) میں تخلیق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان زبانوں کے سرمایۂ ادب کی لفظی اور معنوی خوبی کی تلاش اور نشاندہی کے لیے ان تینوں زبانوں کے ادب کا وسیع اور تفصیلی علم اور ادبی علوم یعنی علم معانی اور بیان اور فن صنائع اور بدائع سے متعارف ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ وہ ریاض اور علوم ہیں جن کی مدد سے محاسن کلام کی تعیین اور تحقیق ہوتی ہے اور شعر کے لفظی اور معنوی حسن و جمال کی شناخت میں مدد ملتی ہے۔

تاہم، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شعری حسن و جمال کو دل و دماغ میں قبول کرنا اور ایک جمالیاتی اور معنوی لطف اٹھانا دراصل ایک ذوقی قابلیت ہے جو کہ بہت حد تک ایک خداداد استعداد ہے۔

اس شعرفہمی کی استعداد کو کسی جمالیاتی فلسفہ اور لسانی اصطلاحات کے حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطرتی صلاحیت ہے جس کو ذوقِ سلیم بھی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ موجود ہو تو صاحب ذوق لفظ و معانی کے حسن و جمال کی ہر تجلی اور ہر انداز کو پہچان لیتا ہے۔ سمجھ لیتا ہے اور لطف اُٹھاتا ہے۔

یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ جن نابغۂ شعرو ادب نے الفاظ و معانی میں گل کاریاں کی ہیں وہ سب ایسے تھے کہ ان کو اپنی گل افشانیوں کے لئے کسی فنی اور فلسفیانہ علمِ ادب و انشاء کی راہ نمائی نصیب نہیں تھی۔ اس کے باوجود ان کے کلام میں تمام محاسنِ کلام کی اقدار جلوہ نما ہوتی ہیں۔ حالانکہ شعوری طور پر ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ ادبی صنعت گری پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی تخلیقاتِ ادب کے مطالعہ اور تجزیہ پر بنیاد رکھ کر اور ان کو دلیلِ راہ بنا کر ہی علومِ ادب اور فن شاعری کے دستور اور قواعد مرتب کیئے گئے ہیں۔

اس بیان میں غالب کو بھی سن لیں۔

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالؔب
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

ترجمہ: میں تو اپنے معیار ادب پر خوش نہیں تھا۔ مگر شعر نے خود خواہش کی ہے کہ وہ میرے فن میں شمار ہو۔
مطلب یہ ہے کہ شعر سے فنِ شعر پیدا ہوتا ہے۔ فنِ شعر سے اشعار کی تخلیق نہیں ہوتی۔

ان حقائق کے باوجود ادبی علوم سے متعارف ہونا اور مطالعۂ ادب کی وسعت کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ ادبی

استعدادوں کو صیقل کرنے کی یہی راہ ہے۔

اس ضمن میں عرض کرتا ہوں کہ گزشتہ پچیس ، تیس سال سے جبکہ خاکسار نے اپنے ذوقِ ادب کا رُخ حضرت اقدس کے کلام کی طرف موڑا ہے اور اس سے ایک محبت کا رشتہ قائم کر کے اس کی مقدور بھر خدمت کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت سے علوم ادبیہ کے حصول کی اور ان تینوں زبانوں کے اُس سرمایۂ ادب کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے جو حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر کے تحت آتے ہیں۔

اس لیے علوم شعریہ سے مکمل طور پر ناواقف بھی نہیں اور اساتذۂ ادب کے محاسنِ کلام کی پہچان کا مقدور بھر شعور رکھتا ہوں:

دراصل یہ ایک معذرت ہے اپنے محبوب علیہ السلام کی جناب میں اور سچی بات بھی یہی ہے کہ یہ کوشش ایک علمی شاہکار کے طور پر نہیں کی جارہی۔ یہ ایک اظہارِ محبت ہے جو خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ادبِ عالیہ سے ہے۔

یقین ہے کہ کم قیمت ہونے پر بھی آپ حضور اپنی کمال شفقت سے اس تحفے کو قبول فرمائیں گے۔ بفضلہٖ تعالیٰ

عرفی شیرازی نے میرے دل کی بات کی ہے:

امید ہست کہ بیگانئ عرفیؔ را
بدوستئ سخن ہائے آشنا بخشند

امید ہے کہ عرفی کے بیگانہ پن کو اپنے دوست کے اشعار سے محبت کی وجہ سے قابلِ درگذر سمجھا جائے گا۔

# چند یادیں ۔ وجہ افتخار و شکر

میرے بڑے بھائی خلیفۃ المسیح الرابعؒ بہت اعلیٰ درجہ کے شاعر اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ بھائی ہونے کا رشتہ تو تھا ہی مگر مشترک ادبی رجحان ہونے کی بنا پر بھی ہم دونوں کا ایک تعلق تھا اور اکثر اوقات شعر و سخن کا تذکرہ رہتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ چند غزلیں ایسی بھی تھیں کہ اگر ایک مصرعہ ان کا ہے تو دوسرا خاکسار کا اور بہت مرتبہ میرے اشعار کی تعریف بھی کیا کرتے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ سب تحریریں محفوظ نہیں رکھ سکا۔

ایک مرتبہ خاکسار نے ایک ہلکا پھلکا مقالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فارسی شاعری پر جامعہ احمدیہ کی مجلس میں پڑھا تھا اور اس کی نقل حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ آپ نے اس مضمون کو بہت پسند کیا اور فرمایا کہ تمہاری تحریر عالمانہ ہے اس خدمت کو مکمل کرو۔ یہ تمہارے قلبی رجحان کے مطابق ہے اور پھر بہت مرتبہ استفسار کرتے رہے کہ حنیف کا کام کہاں تک پہنچا ہے؟

افسوس ہے کہ جب ''ادب المسیح'' کا کام مکمل ہوا تو آپ اپنے محبوب حقیقی کے پاس جا چکے تھے۔ آپ کے ادبی اور دینی منصب کے اعتبار سے حضرت اقدس کے کلام کے محاسن کی بیش قدر قیمت کو سمجھنا آپ ہی کا منصب تھا۔

تاہم میرے لئے یہ امر وجہ افتخار ضرور ہے کہ آپ کی نظر میں خاکسار اس خدمت کو سرانجام دینے کے قابل تھا۔ ان سب یادوں سے یہ تو ثابت ہے کہ ''ادب المسیح'' کی تکمیل میں آپ کی تمنا اور دعا شامل تھی۔

ایک مرتبہ آپ کی یاد میں کسی شاعر کا ''سلام'' میری نظر سے گزرا تو میں نے بھی برجستہ چند اشعار ''سلام'' کے عنوان سے کہہ کر آپ کی خدمت میں بھجوائے تھے۔

یاد پڑتا ہے کہ اس کا مطلع کچھ اس طور سے تھا

صبا جو گزرے تو اس گلی میں تو ان کو میرا سلام کہنا
بہت محبت سے بات کرنا بطرزِ صد احترام کہنا

اور مقطع کیونکہ مجھے پسند آیا تھا اس لئے خوب یاد رہا

ہمارے آنسو کو عشقِ مہدی میں آبِ زمزم کا نام دینا
ہمارے دل کو خدا کی الفت میں ایک بیت الحرام کہنا

آپ حضرت نے میرے سلام کو بہت محبت سے قبول کیا۔خوش قسمتی سے آپ کا خط محفوظ رہ گیا ہے۔تبرکاً پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمده ونصلي على رسوله الكريم

پیارے برادرم حنیف احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پیار بھرا پر خلوص دلچسپ خط ملا۔جزاکم اللہ تعالیٰ

آپ کی نظم بہت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔اس میں استادی رنگ پایا جاتا ہے۔ ماشاءاللہ۔امید ہے کسی پرچے میں شائع ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو اپنی بے حد رحمتیں عطا کرے۔آصفہ بیگم محبت بھرا سلام کہتی ہیں۔بچوں کو ہمارا پیار دیں۔

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الرابع

حضرت کی وفات کے بعد خاکسار نے زیادہ توجہ اپنی تصنیف ''تعلیم فہم قرآن'' کی طرف کر دی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کتاب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے وقت میں تیار ہوگئی اور آپ نے اس خدمت کو بہت ہی محبت سے قبول کیا اور بہت ہی قابل قدر اور پر معارف خط کتاب کے تعارف میں تحریر فرمایا۔**فجزاك الله خيرا**

خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس سے ذکر کیا کہ خاکسار ''ادب المسیح'' کے عنوان سے حضرت اقدس کے تین

زبانوں میں شعری کلام کے محاسن کے عنوان سے کچھ خدمت گزاری کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ نے اس ارادے کو بہت پسند فرمایا اور جب تک یہ کام مکمل نہیں ہو گیا میری ہمت افزائی کے طور پر آج تک یہ استفسار کرتے رہے کہ ''ادب المسیح'' کب مکمل ہو گی۔ میں بھی اپنی کوشش کے ساتھ دعا کے لئے عرض کرتا رہا۔ حتّٰی کہ اس کی تکمیل ہوئی اور خاکسار نے آپ حضرت کی خدمت میں کتاب کا پہلا پروف ارسال کر دیا۔

اس کے جواب میں آپ حضرت کا خط تبرکاً پیش خدمت کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم
وعلٰی عبدہ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

پیارے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی نئی کتاب ''ادب المسیح'' کا مسودہ ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ میں نے تو اس کی صرف چند جگہیں ہی دیکھی ہیں۔ ماشاء اللہ ادبی اور علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے اچھا مجموعہ ہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام مختلف حوالوں سے اکٹھا کیا ہے اور وضاحت کے لیے بھی آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ہی نثری کلام کو پیش کیا ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ میں چونکہ بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا اس لیے آپ اشاعت سے پہلے اسے نظارت اشاعت کو دکھا دیں تا کہ وہ تفصیل سے دیکھ کر اس پر اپنی رائے دے سکیں۔ اللہ آپ کی صحت اور عمر میں برکت دے اور تمام نیک مرادیں پوری فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور

خلیفۃ المسیح الخامس

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کوشش کو نظارت اشاعت کی طرف بغرضِ تبصرہ ارسال کیا گیا۔ ناظر صاحب اشاعت کی طرف سے جو تبصرہ ہوا ہے وہ بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

''حضور کے ارشاد کی تعمیل میں خاکسار نے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب کی تصنیف ''ادب المسیح'' کا مسودہ اول سے آخر تک پوری توجہ سے پڑھا ہے۔حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ تصنیف اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک علمی شاہکار ہے اور اس کی اشاعت جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

محترم صاحبزادہ صاحب نے اپنی تصنیف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے شعری کلام کا ان تینوں زبانوں کے اساتذہ فن کے شعری کلام سے موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ کیا موضوعات کے لحاظ سے اور کیا فن کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

''دَرکلامِ تُو چیزیست کہ شعراء را درآں دخلے نیست''

برحق ہے۔

اس تصنیف میں کوئی بات سلسلہ کے معتقدات، علم کلام اور روایات کے خلاف نہیں ہے۔

والسلام

خاکسار سید عبدالحی'' ۲۰/۱۱/۲۰۰۸

بہت ہی منصفانہ تبصرہ ہے مگر بہت ادب سے عرض کرتا ہوں خاکسار کی کوشش کی روحِ رواں کا ذکر نہیں کیا گیا۔یعنی یہ کہ حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر قرآن کریم کے موضوعات ہونے کی بنا پر اول ہر موضوع پر قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اقدارِ ادب کو بھی حسب توفیق و استعداد پیش کیا گیا ہے۔اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت اقدس کا ادب قرآنی اقدارِ ادب کے اتباع میں ہے۔

یہ گزارش اس غرض سے کی گئی ہے کہ قارئین کی اس طرف توجہ رہے۔کیونکہ یہی کتاب کی روحِ رواں ہے۔

یہاں تک تو ادب المسیح کے تعلق میں چند علمی اور روحانی عظمت اور مقدرت رکھنے والی ہستیوں کی پسند کا ذکر ہے اور خاکسار ان سب کا شکر گزار ہے۔مگر جس ہستی کے تفصیلی تبصرے کی گزارش کی گئی تھی وہ ہمارے پیارے خلیفۃ المسیح الخامس تھے۔آپ کا بیان تاخیر سے تیار ہوا۔اس لئے اس مقام پر پیش کیا جا رہا ہے۔

فارسی کا محاورہ ''دیر آید درست آید'' یعنی جس کام میں تاخیر ہو جائے وہ بہتر ہو جاتا ہے۔ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں۔مگر اس کے حقیقی معنی سیدی کے موخر بیان سے کھلے ہیں۔

سیدی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعری کلام کا ایک ایسا طائرانہ جائزہ لیا ہے جس سے آپ کے کلام کے حسن و خوبی کو بھی بیان کیا ہے اور اس کلام کی تخلیق کے مقاصد کو بھی ظاہر کیا ہے۔

بہت مختصر، جامع اور عالمانہ ادبی زبان میں اپنی ان خصوصیات کے ساتھ یقیناً ایک شہکار تبصرہ ہے۔ اور کسی بھی ادبی علمی مجلس میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی تک حضرت اقدس کے شعری کلام پر کچھ کام نہیں ہوا۔ اگر کچھ ہے تو ایک خاکسار کی خدمت ہے اور دوسرے آپ کا اس خدمت کو چار چاند لگانا ہے۔

سیدی! خاکسار ایک علمی اور ادبی بات کر رہا ہے۔ آپ کا یہ تعارف آپ کو اور مجھے بھی زندہ کر گیا ہے۔ خدا کرے کہ اس کی جناب میں بھی مقبول ہو۔ آمین

خاکسار

مرزا حنیف احمد

## ''ادب المسیح'' کا تعارف بزبان حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو النّاصر

لندن
5-3-2009

پیارے ماموں (مرزا حنیف احمد صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اپنی نئی کاوش جو اس زمانے کے بے بہا اور قیمتی ترین خزانے کے چند ہیرے جواہرات دکھانے کے لئے کی اور جس کا نام آپ نے ''ادب المسیح'' رکھا ہے، مجھے بھجواتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کروں۔ اس سے پہلے میں نے آپ کو اس بارے میں ایک مختصر خط لکھا تھا جو مصروفیات کی وجہ سے کتاب کو سرسری دیکھ کر لکھا تھا۔ جس پر نہ مجھے تسلی ہوئی نہ آپ کو۔ جس کا آپ نے اظہار کیا اور آپ کا یہ اظہار بھی مجھ پر احسان ہے کیونکہ اسی وجہ سے میں نے کتاب کو جستہ جستہ دیکھنا شروع کیا۔

جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام اور ادب کا تعلق ہے اس بارے میں ایک عاجز انسان کی رائے کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو وہ کلام ہے جس کو کائنات کے خدا نے خود آپ کے منہ سے کہلوایا اور پھر آپ کو الہاماً فرمایا کہ

''کلام افصحت من لدن رب کریم''

جس کا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہو۔ اس کی خوبصورتی تو بیان کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ رائے نہیں دی جا سکتی۔ آپ نے تو اس کلام کے چند موتیوں کی چمک دکھانے کی کوشش کی ہے اور جیسا کہ الہام سے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق فرمائی کہ کوئی دنیاوی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چاہے جتنا بڑا ہی صوفی شاعر یا لکھنے والا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے کلام کا محور ہی فنا فی اللہ کا اعلیٰ ترین معیار اور عشق رسول کی انتہا ہے۔ جس پر آپ کا یہ مصرعہ مہر ثبت کرتا ہے کہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم

آپ نے خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا خوب سمجھا کہ

**فاتبعونی یحببکم اللّٰہ......**

اور پھر جب یہ محبت اللہ کے حضور قبولیت کا درجہ پاتی ہے تو آسمان سے آواز آتی ہے۔

**ھذا رجل یحب رسول اللّٰہ**

اور پھر آپ کو وہ مقام مل جاتا ہے جو اپنے آقا و مطاع کی غلامی میں سب سے بڑا مقام ہے اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

**اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ اوْلَادِی** (تذکرہ۔صفحہ 325)

اللہ اللہ کیا پیار کا اظہار ہے اس زمین و آسمان کے خالق و مالک کا آپ سے، جس کا اظہار آپ خود بھی یوں فرماتے ہیں

گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

پس جو شخص عشق خدا اور عشق رسول میں مخمور ہو اور جس نے **بمنزلۃ اولادی** کا رتبہ پایا ہو۔ اس کا مقابلہ وادیوں میں بھٹکنے والے کیا کریں گے چاہے جتنا بھی صوفیانہ رنگ رکھتے ہوں۔ آپ نے خود بھی یہ موازنہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے۔ موازنہ تو صرف ہر سطح پر آپ کی برتری ثابت کرنے کے لئے ہے۔ آپ کی شعر و شاعری کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ آپ نے خود اس طرح بیان فرما دیا ہے کہ

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

پس بات وہی ہے کہ ہر ہر لفظ میں توحید کا قیام، عشق رسول اور اللہ تعالیٰ کی دنیا پر برتری ثابت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکانا اور رسولؐ کے جھنڈے تلے جمع کرنا ہی آپ کی نظم و نثر کا مقصد تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے تمام دنیا کو یہ پیغام دینے کا اعلان کروایا کہ

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر

میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

اور پھر وہی بات کہ یہ پانی اللہ اور اس کے رسول کے عشق میں مخمور ہونے کی وجہ سے آپ کی ذات کی شکل میں اتارا گیا اور یہاں سے پھر ادب سے بہت آگے جا کر عشق و محبت کے اسلوب شروع ہو جاتے ہیں جس کی آخری منزل توحید باری تعالیٰ کا قیام ہے۔ آپ کے آقا و مطاع فرماتے ہیں

**لا اُحْصِی ثناءً علیک انت کما اَثْنَیْتَ علی نفسک**

میں تیری ثناء کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تیری ثناء وہی ہے جو تو نے خود کی۔

اور غلام کہتا ہے

یَـا مَـنْ اَحَـاطَ الـخَـلْـقَ بِـالْاٰلاء
نُثْـنِـی عَـلَیْکَ وَ لَیْـسَ حَوْلُ ثَنَـاءِ

اور پھر فرمایا

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

بہر حال جوں جوں کتاب دیکھی گو جستہ جستہ ہی سہی لیکن جس شعر یا کلام پر بھی نظر پڑی اس نے توجہ تو کھینچنی ہی تھی کیونکہ یہ کلام ہی امام الزمان کا ہے۔ لیکن ساتھ ہی آپ کے لئے بھی دعا نکلتی ہے کہ اس کو اس صورت میں یکجا کر کے اس خوبصورت کلام کا جو گلدستہ بنانے کی کوشش کی ہے (اور جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں آپ کی کتاب سے ہی لی ہیں) یہ احمدی ادبی اور علمی حلقوں میں تو یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی ہی لیکن مجھے امید ہے غیر بھی دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ یہ گلدستہ جو آپ نے بنایا ہے پورے چمن کو تو نہیں دکھا سکتا لیکن ہر صاحب ذوق کو اپنی اپنی علمی، ادبی، ذوقی اور روحانی حالت کے مطابق اس چمن کے حسن اور خوبصورتی کا تصور قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور پھر مجھے یقین ہے کہ ایک پاک دل اس چمن کی سیر کرنے کی کوشش کرے گا۔

گو دیر سے ہی سہی لیکن دو علمی، ادبی اور روحانی شاہکاروں کا مجموعہ پیش کر کے آپ نے جماعتی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزاء دے۔ آپ کی عمر و صحت میں برکت ڈالے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفة المسیح الخامس

# چند گذارشات

سب سے اوّل اس کتاب کے عنوان ''ادب المسیح'' کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دراصل خاکسار نے یہ عنوان اپنے پیارے ماموں پروفیسر ابوالفتح عبدالقادرؓ سے اخذ کیا ہے۔

آپ عربی فارسی اور اردو میں اور اگر انگریزی زبان کو بھی شامل کر لیں تو ان چاروں زبانوں پر عالمانہ طور پر قدرت رکھتے تھے۔ دینی علوم اور تاریخ اسلام کے عالم اور اپنے وقت کے جیّد علماء سے علمی اور ادبی تعلق تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شبلی نعمانی سے دوستانہ رسم وراہ تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلامِ نظم ونثر کے عاشق اور ایک اعتبار سے حافظ بھی تھے اور آپ کو صحابی ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا تھا۔

آپ کی خواہش تھی کہ حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ پر علمی اور تحقیقی کام کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے بہت محنت اور ریاض بھی کیا تھا۔ حضرت اقدسؑ کے اَن گنت ادبی نظم ونثر کے شاہکار اقتباسات آپ نے زبانی یاد کر رکھے تھے اور اس خدمت کی بجا آوری کے لیے آپ نے اپنی نوکری کا وقت ختم ہونے سے دو، تین سال قبل ہی نوکری سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس شوقِ تحقیق وتصنیف کو آپ نے ''ادب المسیح'' کا نام دے رکھا تھا۔

افسوس ہے کہ ملک کے بٹوارے کی بدامنی اور مشکلات نے آپ کو اتنی مہلت نہ دی کہ دلجمعی سے یہ خدمت بجا لا سکتے۔ وگرنہ سچی بات تو یہی ہے کہ اس خدمت کا حقیقی منصب آپ ہی کا تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ ان تینوں زبانوں کی نظم ونثر پر ادیبانہ قدرت اور تبحر علمی اور حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ کا وسیع مطالعہ آئندہ کیسے اور کب یکجا ہوگا۔ اور حضرت اقدس کی ادبی شان کو بیان کرنے کی خدمت کما حقہ کیونکر سرانجام ہوگی۔

میں آپ کی محبت بھری یاد میں آپ کے عنوان کو اختیار کر رہا ہوں اور آپ کے شوق کو پورا کرنے کی بساط بھر کوشش کر رہا ہوں۔ میرے ادبی شوق کا حضرت اقدس کے ادب کی طرف رخ پھیرنے میں آپ کی شفقت اور صحبت کا بہت دخل ہے۔

رَبِّ اغفر و ارحم و انت خیر الراحمین

دوسری گذارش اس کتاب کے موضوع کے تعلق میں یہ ہے کہ اصطلاحاً ''ادب'' کے لفظ کی تعریف میں نظم اور نثر دونوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ گوان دونوں کی جداگانہ طور پر ایک متعین ادبی ہیئت اور ساخت ہے اور جداگانہ اقدار حسن بھی ہیں۔ مگر کتاب کے عنوان کی نسبت سے ضرورت پیش آئی کہ وضاحت کر دی جائے کہ اس عنوان سے مراد

حضرت اقدس علیہ السلام کا صرف شعری ادب ہے۔یعنی آپ کا اردو، فارسی اور عربی زبان کا شعری کلام۔

نظم اور نثر کے محاسن کی نشاندہی کے لیے ہیئت کے اعتبار سے اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف اقدارِ ادب اور پیمانے بنائے گئے ہیں۔

نثر میں وزن اور صوتی آہنگ کا نہ ہونا اور اظہار مطلب میں زبان کی علامتی نوعیت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھانا نثر کی خوبصورتی شمار ہوتی ہے۔اس کے برعکس شعر میں ان عناصر کا فقدان شعر کے حسن وخوبی کو کھودیتا ہے۔یہی اختلاف ان دونوں اصناف ادب کو باہم دگر ممتاز کرتا ہے۔تاہم محاسن کلام کی دیگر تمام اقدار کا ان دونوں اصناف میں جلوہ گر ہونا یکساں طور پر لازم ہوتا ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو ایسی نگارش ''ادب'' نہیں کہلاتی۔

موضوع یا مواد کے اعتبار سے خیال کی عظمت اور نفاست اور ہیئت کے اعتبار سے الفاظ کی حسین ترتیب اور انتخاب جس کے امتزاج سے تاثیر اور ابلاغِ کامل کی قابلیت پیدا ہوتی ہے دونوں اصناف ادب کی روح رواں ہوتے ہیں۔

جیسے شعر ان عناصر کی غیر موجودگی میں شعر نہیں کہلاتا ویسے ہی نثر بھی ان اقدار ادبی کی غیر موجودگی میں ایک بے جان الفاظ کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

حضرت اقدس نے اپنی نثر اور شعر میں ان ادبی اقدار کا بکمال حسن وخوبی التزام کیا ہے۔اس لیے ادب المسیح کی عظمت وشان کے بیان میں آپ کے نثری کلام کو شامل نہ کرنا ایک قسم کی ادھوری سی بات ہے۔اور ادھوری بات تو ادھوری ہی ہوتی ہے۔

آپ حضرت کی ادبی شان کے بیان میں ایسا کرنا تو اس اعتبار سے بھی درست نہیں کہ حقیقت میں آپ کے بیان فرمودہ ادب کی خوبی اور عظمت آپ کے نثری کلام ہی کی مرہونِ منت ہے۔

ابلاغِ رسالت کے لیے آپ نے نثر کو اختیار فرمایا ہے۔نظم کو ایک ثانوی نوعِ اظہار کے طور پر قبول کیا ہے۔ یعنی اس طرح سے کہ جو مضمون نثر میں بیان ہو رہا ہے اس کے ابلاغِ کامل کے لیے اشعار میں بھی اس مضمون کو بیان کر دیا گیا ہے۔آپ نے بعثت کے بعد کے وقت میں شاید کہیں ایک آدھ بار کے سوا ارادۃً مشقِ سخن نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء کے دستور کے مطابق آپ کا کوئی مجموعۂ اشعار یا دیوان نہیں ہے۔آپ کی تینوں زبانوں کے درہائے ثمین آپ کی نثری تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

آپ کا یہ فرمان:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

دراصل یہی بیان کررہا ہے جو قبل میں کہا گیا ہے۔یعنی نظم کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاید کوئی انسان نظم کے اثر سے ہدایت پالے۔تاہم آپ کے اس فرمان سے آپ کے اشعار کے ادبی حسن وخوبی پر حرف نہیں آتا۔کیونکہ عظیم المرتبہ ادیب جس صنف ادب کو بھی اظہار خیال کے لیے اختیار کرتا ہے وہ اس میں اپنی ادبی عظمت کو برقرار رکھنے پر قادر رہتا ہے۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می بینم
کرشمہ دامنِ دل می کشدکہ جا اینجا ست

ترجمہ:محبوب کے چہرے سے اس کے قدموں تک، میرا دل ہر مقام پر یہ گمان کرتا ہے کہ اصل حسن کا جادو تو یہاں چل رہا ہے۔

اس مقام پر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ الٰہیات کے مضامین کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک عنوان سے اس میں ثبوتِ ہستئ باری تعالیٰ وملائکہ اورانبیا کا صدقِ بعثت بیان ہوتا ہے۔دوسرے عنوان سے محبوبِ حقیقی کی محبت اورعشق کی واردات اوروصال کی کیفیات بیان ہوتی ہیں۔ادبی اسلوب کے اعتبار سے مشرقی ادب میں یہی دستور ہے کہ وارداتِ عشق اور کیفیاتِ ہجروو صال کے بیان کے لیے شعر کی صنف ہی اختیار کی جاتی ہے۔نثر کا اسلوب وارداتِ قلبی کی گہرائی اور احساس کی شدت کو بیان کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔یوں کہہ لیں کہ وہ احساسات جو انسان کی روح میں جنم لیں اور قلب پر وارد ہوں ایک ایسا اسلوب بیان چاہتے ہیں جس کے معانی میں لامتناہی وسعت ہوتا کہ وہ قلبی واردات کی گہرائیوں اورمحبوب کے حسن و جمال کا اظہار کر سکے۔

شاید حضرت کا گاہ بہ گاہ شعر کو اختیار کرنے کا یہی راز ہو۔

کہیں غالب یہی بات تو نہیں کہہ رہا:۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

اس شعر کے ایک معنی تو معروف عام ہیں۔ہمارے مضمون کے تعلق میں اس شعر میں یہ بیان ہوا ہے کہ قلبی احساسات اور وارداتِ عشق کو شعر ہی میں بیان کیا جا سکتا ہے۔اور پھر جب کہ دل کے راز شعر میں چھپے ہوں تو جب شعر بیان ہو گیا تو دل کا راز افشاء ہو گیا۔ادبی انتقاد میں اسی عمل کا نام ابلاغِ کامل ہے۔

بہرصورت درست بات یہی ہے کہ حضرت اقدس کی ادبی شان اور عظمت کا عظیم تر حصہ آپ کی نثر میں ہی رونما ہوا ہے۔الٰہیات اور محبتِ الٰہی کے دقیق مضامین کو بے انتہا خوبصورت اور سادہ الفاظ میں بیان کرنا۔اور

اس کے ساتھ تاثیر کے عنصر کو اس طور پر قائم رکھنا کہ قاری کو صرف دماغی اور عقلی عرفان ہی حاصل نہ ہو بلکہ ہر فقرے کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے قلب کی کیفیت بدلتی جائے اور کلام ختم ہونے پر وہ صرف صاحب عرفان ہی نہ ہو بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا بھی ہو۔ یہ ایک ایسی قدرتِ کلام ہے جو خدا تعالیٰ نے کسی بھی مہذب زبان کے ادیب کو اِس شان اور اِس قدر فراخ دلی سے نہیں دی۔

سچ تو یہ ہے کہ اردو زبان جو اپنی حیات کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی اور بلوغت کے مقام تک نہیں پہنچی تھی۔اس کے اظہار کی طاقت کو بالغ مقام تک پہنچانے میں حضرت اقدس کی نثر نے اردو زبان پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔کوئی وقت ایسا آئے گا کہ بڑے بڑے ادیب اور دانشور اس احسان کا تجزیاتی جائزہ لے کر اس حقیقت کو قبول کریں گے۔

ہم کہنا تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری کتاب کے عنوان ''ادب المسیح'' سے مراد صرف آپ کا شعری کلام ہے۔مگر اچھا ہوا کہ بات دور نکل گئی اور ہمیں آپ کی نثری شان کو بھی چند الفاظ میں بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ویسے بھی یہ حدیثِ دلبراں ہے ''افسانہ از افسانہ می خیزد'' تو ہونا ہی تھا۔اور ابھی بہت ہوگا۔

حضرت اقدس کے فارسی کلام کی نسبت سے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آپ کا ایک اور مجموعۂ فارسی اشعار بھی ہے جو کلامِ فرّخ کے نام سے معروف ہے۔(آپ بعثت سے قبل ''فرّخ'' تخلص فرماتے تھے)۔یہ وہ کلام ہے جو آپ نے منصب ماموریت پر فائز ہونے سے قبل تخلیق فرمایا ہے۔

اس وقت ہم اُس کلام کے محاسن کو پیش نہیں کر رہے کیونکہ اس کوشش میں ہمارے پیش نظر صرف آپ کا وہ کلام ہے جو ''درثمین'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔تاہم 'کلام فرّخ' کے ادبی تجزیہ کو کسی اور وقت اور کسی اور صاحب قلم کے سپرد کرتے ہوئے ہم چند ایک باتیں اس کلام کی خصوصی نوعیت کے بارے میں کہنا چاہتے ہیں۔

اوّل خصوصیت یہ ہے کہ چند ایک موضوعاتِ شعر جن کو اختیار کرنے سے قبل منصب امامت پر فائز ہونا ضروری تھا۔کلامِ فرّخ کے باقی تمام شعری موضوعات وہی ہیں جو کہ درثمین فارسی میں اختیار کیے گئے ہیں۔یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ جس پیغام خداوندی کو پہنچانے کے لیے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔آپ حضرت کے قلبی اور ذہنی رجحانات بعثت سے قبل بھی وہی تھے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلام فرخ میں حمد باری تعالیٰ،نعت رسول،محبتِ الٰہی اور اسلام کی صداقت کے سوا اور کوئی موضوعِ شعر اختیار نہیں کیا گیا۔یہ آپ کے کیفیات قلبی کے صدق کا ایک محکم ثبوت ہے۔

یہ ایک ایسا محکم ثبوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذیل کے فرمان میں بیان کیا ہے۔

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (یونس:17)

ترجمہ: ان کفار سے کہہ دے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں بسر کی ہے۔

یہاں پر عمر سے مراد وقت نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرتؐ کے وقت میں بہت سے لوگ ہوں گے جنہوں نے ایک عمر اپنی قوم کے ساتھ گزاری ہوگی۔ یہاں پر ''عُمُرًا'' سے مراد آپ کے اطوار حسنہ اور قلبی رجحانات ہی ہو سکتے ہیں جو آپ کی صداقت پر دلیل بن سکیں۔

دوسری نوعی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ دونوں مجموعہ ہائے کلام میں موضوعات متحد ہیں مگر کلام فرخ کے مطالعہ کے بعد ہر صاحب ذوق سلیم اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کلام میں تاثیر اور جذب کی وہ خوبی نہیں جو کہ آپ کے بعثت کے بعد کے کلام میں تجلیاتِ محبوبِ حقیقی اور اس کے قرب و وصال نے پیدا کی ہے۔

یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ جیسے درجہ بدرجہ آپ حضرت کی روحانی ترقی ہوئی اسی انداز سے آپ کے کلام نے بھی نشوونما حاصل کی یہاں تک کہ وہ اپنے حقیقی منصب تک پہنچ گیا۔ آپ کے کلام میں اِس انقلاب کا ظاہر ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ ایک وقت کے بعد مورد تجلّیات الٰہیہ تھے اور آپ کا کلام وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی (النجم: 4) کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ جیسے حضرت اقدسؑ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی اس کا کوئی نطق اور کوئی کلمہ اپنے نفس اور ہوا کی طرف سے نہیں۔ وہ تو سراسر وحی ہے جو اس کے دل پر نازل ہو رہی ہے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

جیسے فرمایا:

حکم است آسماں بزمیں میرسانمش

گر بشنوم نگویمش آں را کجا برم

ترجمہ: آسمان کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں، اگر میں اسے سنوں اور لوگوں تک نہ پہنچاؤں تو اس کو کہاں لے جاؤں۔

من خود نگویم اینکہ بلوحِ خدا ہمیں است

گر طاقت ست محو کن آں نقشِ داورم

ترجمہ: میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوحِ محفوظ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو خدا کے لکھے ہوئے کو مٹا دے۔

اور یہ شعر تو مَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی تفسیر ہے۔

فرماتے ہیں:

کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست

ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد

ترجمہ: جو شخص اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا اُس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

حضرت اقدس کے شعری ادب کی خصوصی عظمت اور منفرد شان کے بارے میں حضرت اقدس کا عظیم الشان الہام بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آپ کا کلام انسانیت کی طرف خدا تعالیٰ کا ایک پیغام ہے۔اور اس کلام کی عظمت میں کسی شاعر کو حصہ نہیں دیا گیا۔

در کلام تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست۔

کَلامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ (تذکرہ صفحہ 508۔ مبطوعہ 2004ء)

ترجمہ: تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ر۔خ جلد 22 صفحہ 106)

آپ حضرت کے کلام کا دیگر شعراء سے تقابلی موازنے کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ محاسن کلامِ حضرت اقدس کی نشاندہی اور آپ کے کلام کے دیگر اساتذۂ ادب کے کلام سے تقابلی موازنہ کے سلسلے میں چند ایک وضاحتیں کرنی بہت ضروری ہیں۔

اوّل یہ کہ اس امر سے تو سب اصحاب علم و ادب واقف ہیں کہ جب کبھی ادبی تخلیقات کا باہم دگر تقابل اور موازنے کا وقت آتا ہے تو یہ احتیاط لازمًا برتنی پڑتی ہے کہ متقابل ادب پاروں کا موضوعِ سخن ایک ہی ہو۔

اصنافِ شعر میں ہر صنفِ شعر کا ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف اور متعین طرز بیان ہے۔مشرقی ادب میں تو یہ دستور ایک محکم ادبی قانون کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ ''اسلوب'' یعنی طرزِ بیان میں مفرد الفاظ اور تراکیب الفاظ، استعارات اور تشبیہات اوّل تو لفظًا مختلف اور مقرر ہوتی ہیں۔اگر ایسا نہ بھی ہو تو یہ بات مسلّمہ ہے کہ ہر صنفِ شعر کے استعارات اور تشبیہات معنًا مختلف مطالب رکھتی ہیں۔

یہ اختلاف اور امتیاز موضوعاتِ شعری کے مختلف ہونے کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ایک ہی ترکیبِ لفظی

یا استعارہ۔ حمد و ثناءِ باری تعالیٰ کے بیان میں وہی مطلب بیان نہیں کرتا جو کہ غزل کے عنوان کے تحت بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح سے نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے آدابِ بیان ہیں کہ اس کے الفاظ کا انتخاب اور طریقِ اظہارِ خیال دیگر اصناف شعر کے اسالیب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ مدحیہ قصائد کا اسلوب اور نعت کا اسلوب ہر اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ نعت کا عنوان کاملۃً صداقت پر مبنی ہوتا ہے اور حفظِ مراتب کا تقاضا کرتا ہے۔ عرفی نے کس قدر با ادب بات کی ہے۔

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

ترجمہ: عرفیؔ! تیز قدم نہ چلو۔ یہ نعت کا لالہ زار ہے کوئی صحرا نہیں ہے۔ یہاں پر چلنا تو تلوار کی دھار پر چلنا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا وہ اسلوب نہیں ہوسکتا جو شاہانِ ایران کی مدح سرائی کا ہوتا ہے۔

ان آدابِ نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بیان کرنے کے بعد عرفیؔ نے ایک ایسی مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو فارسی ادب میں زندہ و جاوید رہے گی۔ میں اس کو بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ربطِ کلام کو قربان کر دینا بھی ایک ربط ہوتا ہے۔

کہتا ہے:

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
لیلیٰ حدوثِ تو و سلمیٰ قِدم را

یعنی رسول اکرم کی شان ایسی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناقہ پر دو محمل باندھ دیے ہوں۔ ایک میں آپ انسان ہونے کی حیثیت سے ''لیلیٰ'' کی طرح بیٹھے ہوں اور دوسرے میں خدا تعالیٰ کے بے انتہا قرب کی وجہ سے آپ ''سلمیٰ'' کی طرح سے سوار ہوں۔

عربی ادب میں لیلیٰ اور سلمیٰ کے نام محبوب کے لیے علامتی اشارے ہیں۔ اور عرفیؔ کہتا ہے کہ ہمارے پیارے رسول میں دونوں علاماتِ محبوبی جمع ہوگئی ہیں۔ یعنی آپ کے انسان کامل ہونے کا حسن و جمال جو حدوث کا

جلوہ ہے۔

اورآپ کے نبیٔ اوّل وآخر ہونے کا منصب جو کہ خدا تعالیٰ کی صفت قِدَم کی تجلی ہے۔ جیسے فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح اور جسم کے بین بین تھا۔

اس شانِ قدم کو حضرت اقدسؑ نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

روحِ اُو در گفتنِ قولِ بلیٰ اوّل کسے

آدمِ توحید و پیش از آدمش پیوندِ یار

ترجمہ: قول ''بلیٰ'' کہنے میں آپؐ کی روح سب سے اوّل ہے۔ آپ آدم توحید ہیں اور آدم کی تخلیق سے قبل ہی آپ کا خدا تعالیٰ سے پیوند تھا

عرض یہ کر رہا تھا کہ موضوعات کے اختلاف سے اسلوب بیان کا تبدیل ہونا اور اس اختلاف کی مطابقت میں ابلاغ کے مراحل طے کرنا ایک اہم دستور سخن وری ہے اس بیان میں عرفیؔ کو سنا ہے تو انیسؔ کو بھی سن لیں۔ کتنا خوبصورت بیان ہے:

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا

یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا

فہم کامل ہو تو ہر نالے کا عنواں ہے جدا

مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا عنواں ہے جدا

اس موضوع کو اختیار کرنے کا اوّل مقصد تو یہ تھا کہ ابتدا ہی میں بیان کر دیا جائے کہ حضرت اقدس کے اشعار کا دیگر شعراء کے اشعار سے تقابل اُن موضوعاتِ شعری کے تحت ہی ہوگا جو کہ حضرت اقدس نے اختیار فرمائے ہیں اور یہی انصاف بھی ہے۔

یہاں تک تو بات اشعار کے تقابلی موازنے کی ہوئی ہے۔ مگر اس موضوع کے اختیار کرنے کا دوسرا مقصد جو کہ دراصل اس موضوع کی جان ہے وہ ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

محاسنِ کلام حضرت اقدس کی نشاندہی میں ہمارے لیے جو چراغِ راہ اور کسوٹی ہوگی وہ قرآن کریم کے فرمودات ہوں گے۔ کیونکہ حضرت اقدس کے اختیار کردہ شعری موضوعات دراصل قرآن کریم کے موضوعات

ہیں۔اور یہ حقیقت تو سب مانتے ہیں کہ قرآن کریم زبان کا معجزہ ہے اور اپنی فصاحت اور بلاغت کو صرف بیان ہی نہیں کرتا بلکہ اس کو ادبِ عالیہ قرار دیتا ہے۔جیسے فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ (الزمر:24)

ترجمہ:اللہ نے سب سے بہتر کلام نازل کیا ہے

فرمایا: هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ (النحل:104)

حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''پس عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن کے لفظ سے فصاحت اور بلاغت کے سوا اور کیا معانی ہو سکتے ہیں۔ خاص کر جبکہ ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اس کی نظیر پیش کرو تو بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے اور ''مبین'' کا لفظ بھی اس کو چاہتا ہے۔''

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم ان فرمودات کے ساتھ اپنی ادبی شان کو مستحکم کرنے کے لیے ایک اعلانِ عام کرتا ہے کہ اس ادبِ عالیہ کے مقابل پر اگر کسی ادیب کا یارا ہے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ مقابل پر آئے اور جنّ و انس مل کر بھی کوشش کریں تو وہ اس کلام کا مقابل اور مثل پیش نہیں کر سکتے۔فرمایا:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ (البقرة:24)

ترجمہ: اگر تم اس کے بارہ میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا تو تم اس جیسی کوئی سورت لے آؤ۔

فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ (بنی اسرائیل :89)

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو بھی اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

اور بِمِثۡلِهٖ کہہ کر ان فرمودات میں یہ بھی بیان کر دیا کہ تقابل اور موازنہ کے لیے لازم ہے کہ موضوع کلام ایک ہی ہو۔

حضرت اقدس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس بات کا ثبوت بھی پیدا کر لینا چاہیے کہ جن کمالات ظاہری اور باطنی پر قرآن شریف

مشتمل ہے انہی کمالات پر وہ کلام بھی اشتمال رکھتا ہے جس کو بطور نظیر پیش کیا گیا ہے۔‘‘
(براہین احمدیہ، ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 474 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

’’قرآن کریم اپنے اعجاز کے ثبوت میں وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ (البقرۃ:24) کہتا ہے۔ یہ معجزات روحانی ہیں۔ جس طرح وحدانیت کے دلائل دیے ہیں۔ اسی طرح پر اس کی حکمت، فصاحت، بلاغت کی مثل لانے پر بھی انسان قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا: قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ (بنی اسرائیل :89)
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم میں جہاں پر خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت اور صفات کو دیگر خداؤں کے مقابل پر پیش کر کے دعوت مقابلہ دی ہے۔ جیسے فرمایا: ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ (النمل:61) وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی صداقت کے اثبات میں دلائل و براہین دیے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا: کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ (المجادلۃ:22) اور وہاں پر اپنے کلام کی ادبی برتری اور عظمت کو بیان کر کے قرآن کے مضامین میں ادب پیش کرنے کی دعوت مقابلہ بھی دی ہے اور اپنے ادب کو ادبِ عالیہ قرار دیا ہے۔ دراصل یہی تین عنوانات ہیں جن میں قرآن کریم دعوت مقابلہ دیتا ہے۔ دیگر تمام مضامین انہی کے ذیل میں آتے ہیں۔

ان گذارشات سے اوّل تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن موضوعات پر خدا تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے وہ حقیقت میں ادبِ عالیہ ہے اور دوم یہ کہ جو بھی قرآنی موضوعات پر کلام پیش کرے گا اس کلام کے حسن و خوبی کو پرکھنے کے لیے جو کسوٹی ہوگی وہ ان موضوعات پر قرآن کریم کے فرمودات اور اُس کا اسلوب بیان ہوگا۔ اور اسی پیمانے پر ہم حضرت اقدسؑ کے کلام کے حسن و جمال کی ناپ تول کریں گے اور یہ جائزہ لیں گے کہ آپ نے کس حد تک اتّباع قرآن و حدیث کا حق ادا کیا ہے۔

اس مقام پر میں نہایت درجہ عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدس کی بیان کردہ تفسیر قرآن کے مطالعہ کے وقت سے میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ قرآن کریم نے جو ادبِ عالیہ کے معیار اور اقدار بیان فرمائے ہیں ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کروں تا کہ اس طور سے زمینی اور آسمانی ادب کا ایک تقابلی موازنہ ہو جائے۔ مگر اب جبکہ ادب المسیح پر گذارشات پیش کرنے کا وقت آیا ہے تو یہ خیال راسخ ہو گیا کہ یہ دونوں موضوعات باہم پیوست اور یک جان ہیں۔ اس لیے ان کو ایک ہی وقت میں بیان کرنا بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس نقطہ نظر کے ساتھ یہ کوشش

ہوگی کہ انتقادادب کے بنیادی موضوعات یعنی تعریف ادب اور محرکات تخلیقِ ادب کا ایک تقابلی جائزہ لیا جائے کہ ان موضوعات پر قرآن کریم یعنی آسمانی ادب اور زمینی ادب کی اقدار و معیار میں کس مقام تک باہم اتفاق ہے اور اس سفر کے کس دوراہے پر دونوں ادبی تخلیقات کی منزل مقصود مختلف ہو جاتی ہے۔

ایسا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب تک کسی ادب کے مقاصدِ تخلیق اور اس کی ترجیحات کا علم اور اس سے قلبی موافقت نہ ہو تو اس ادب کی حقیقی عظمت اور شان کا شعور حاصل نہیں ہوسکتا۔ غالبؔ نے یہی بات کتنی سادہ زبان اور کس قدر حسن و جمال کے ساتھ بیان کی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی شعر کی لذّت سامع کے قلبی جذبات سے پیدا ہوتی ہے۔

اس بیان کے تسلسل میں ایک وضاحت اور بھی کردوں کہ قرآن کریم کی ادبی اقدار کو پیش کرنے میں ہم اوّل تو حضرت اقدس کے تفسیری معنوں سے راہ نمائی حاصل کریں گے اور آپؑ کے اختیار کردہ فرمودات قرآن پیش کریں گے۔

حق بات تو یہی ہے کہ قرآن کریم کی تفہیم اس ہستی ہی کو زیب دیتی ہے جس نے یہ کہا ہے۔

علمِ قرآن علمِ آں طیّب زباں
علمِ غیب از وحیِ خلّاقِ جہاں

ترجمہ: قرآن پاک کا علم اُس پاک زبان کا علم اور الہام الٰہی سے غیب کا علم

ایں سہ علمم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند

ترجمہ: یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں۔

اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کے باوجود اس امر سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن کریم اور مرسلین باری تعالیٰ کا ادبِ عالیہ ہونا اور دیگر ادبی تخلیقات سے برتر ہونا، انہی اقدار ادب پر موقوف ہے جو اس زبان کے ادب میں مسلّم اور جاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ امتزاجِ لفظ و معانی جس سے ادبی حسن و خوبی پیدا ہوتی ہے ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ان ہی کے اسالیب ادب اور اساتذۂ شعر کے مقابل پر حضرت اقدس کے ادب پاروں کے محاسن کو بیان کرنا بھی ازبس ضروری ہوگا جن زبانوں میں حضرت اقدس کا کلام وارد ہوا ہے (یعنی اردو، فارسی اور عربی)۔

گذارشات کے ضمن میں چند وضاحتیں یہ بھی ہیں کہ ہم نے موضوعاتِ شعر کی مطابقت میں قرآن کریم کے چنیدہ فرمودات کو پیش کیا ہے۔اس انتخاب کی حقیقی ضرورت یہ تھی کہ ہم نے کوشش کی ہے کہ صرف وہی فرموداتِ قرآن پیش کیے جائیں جن کی تفسیر میں حضرت اقدس نے کچھ بیان کیا ہے۔یہ عمل اس لیے ضروری تھا کہ ایسا ہو کہ ہمارا استدلال ادبی مستند ہو جائے اور اس چناؤ اور اختصار کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعری قرآن کریم کے موضوعات ہیں۔اور قرآن کریم میں ان موضوعات کے تحت لاتعداد فرمودات ہیں اور ان سب کو بیان کرنے کی یہ کوشش متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث کا صرف ترجمہ اور بعض مقامات پر آپ کے مشہور عام اخلاق واطوار کو پیش کیا ہے۔عام طور پر ایسے بیان کے حوالوں کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

حضرت اقدس کے فرمودات کا حوالہ بھی آپ کی تفسیرِ قرآن سے دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آیات کی تفسیر اس کتاب کے اقتباسات سے دی جارہی ہے تو اس صورت میں آپ کی تفسیر کا حوالہ ہی کافی سمجھا گیا ہے۔

آیات قرآنیہ کا لفظی ترجمہ اس لیے پیش نہیں کیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر آیات کا تفسیری ترجمہ کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کو کافی سمجھا ہے۔

اِن سب گذارشات کی روشنی میں ہمارا دستور عمل یہ ہوگا کہ:۔

اول: ہماری تلاش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے زیرِنظر موضوع کو کس طور پر بیان فرمایا ہے۔

دوم: یہ تلاش ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور کس طور پر بیان فرمایا ہے۔

سوم: یہ جائزہ لیا جائے گا کہ حضرت اقدس نے ان دو ماخذوں کا اتّباع کس حسن وخوبی سے کیا ہے۔

چہارم: اور آخر پر ان تینوں زبانوں کے مسلّمہ شعراء کے کلام سے حسب توفیق تقابلی اشعار پیش کیے جائیں گے۔**بفضلہٖ تعالیٰ**

میں یہ خوب جانتا ہوں کہ اس ترتیب سے بہتر ترتیب بھی ہوسکتی تھی۔مگر ہر خادم اپنی استعداد کے مطابق ہی خدمت کرسکتا ہے۔

اس صورت میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　　تو دانی حسابِ کم وبیش را

میں نے اپنا تمام سرمایہ خدمت میں پیش کردیا ہے۔تو ہی جانتا ہے کہ یہ کافی ہے کہ ناکافی۔

# ادب اور اس کی تعریف

اگر ''ادب المسیح'' کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اقدس کے شعری ادب کے محاسن بیان ہوں تو اس نسبت سے ہماری کوشش کے عین مطابق ہوگا کہ اوّل لفظ ''ادب'' کے معانی اور تعریف میں کچھ بیان کیا جائے۔
یہ بیان اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم نے محاسن ادب حضرت اقدس اور تمام مرسلین کی نشاندہی کے لیے قرآن کریم کے بیان کردہ ادبی محاسن کو معیار اور کسوٹی کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ابتدا ہی میں یہ امر واضح ہو جائے کہ زمینی ادب اور آسمانی ادب یعنی ''ادب المرسلین'' کی تعریف اور تعیین میں کس حد تک اتفاق ہے اور کتنا اختلاف۔ یہ جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ادب مرسلین اور قرآن کریم کا ادب ایک منفرد نوعیت کا ادب ہے۔ اس لیے جب تک دیگر مکاتیب ادب اور اس منفرد مکتبِ ادب کے مقاماتِ اتحاد اور اختلاف واضح نہ ہو جائیں اس وقت تک محاسن کلام حضرت اقدس کی حقیقی شان اجاگر نہیں ہو سکے گی۔
تاہم اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اصولی طور پر ہر زبان کا ادب اپنی ادبی اقدار اور اسالیب کی پاس داری کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ جہاں پر زبان ایک ہوگی وہاں پر اسالیب اظہار خیال ہم رنگ اور ایک ہی ہوں گے۔ قرآن کریم نے جب عربی زبان بولنے والوں کو دعوت مقابلہ دی اور فرمایا فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تو اس کا مطلب یہی تھا کہ عربی زبان میں اس کے اسالیب کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے موضوعات میں اس سے بہتر کلام پیش کرو (جیسا کہ ''مِنْ مِّثْلِهٖ'' سے واضح ہے)۔ مگر اس اتحاد و یگانگت کے باوجود اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جب کسی ادیب کے محرکاتِ تخلیقِ ادب عام روش سے ہٹ کر ایک مخصوص اور منفرد نہج اختیار کر لیتے ہیں اور اپنا مطمحِ نظر اور مقصود بدل لیتے ہیں تو اس کی ادبی نگارشات بھی یقینی طور پر ممتاز نوعیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس صورت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ اوّل ان اقدار ادب کا بیان ہو جو ہر زبان کے ادب کی مشترک میراث ہے اور پھر یہ جائزہ لیا جائے کہ قرآن کریم اپنی ادبی اقدار کو کیسے بیان کرتا ہے اور پھر ان محرکاتِ تخلیقِ ادب پر بات ہو جن کی بنا پر ان دونوں ادبی اقدار کی نوعیت مختلف اور ممتاز ہو جاتی ہے۔
جیسا کہ ہم نے قرآن کریم اور مرسلین باری تعالیٰ کے ادب کو آسمانی ادب اور دیگر ادبیات کو زمینی کہا ہے۔ تو زمینی ادبیات کے اعتبار سے ''ادب'' کی چند لفظی تاریخ اور تعریف اس طور سے بیان کی جاتی ہے۔
ابتداءً لفظ ''ادب'' کی تعریف ان گنت معنوں میں کی جاتی رہی ہے۔ اپنے عربی اصل کے پیش نظر ہر خُلق

کی خوبی کوادب کہا گیا ہے۔ چنانچہ آداب مہمان نوازی اوراکرام ضیف کوبھی ادب کہتے ہیں۔تعلیم وتدریس کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔یعنی ادیب معلّم ہے اورادب سے مراد تعلیم وتدریس ہے۔اس طور پرتمام علوم خواہ وہ معاشرتی ہوں یا سائنسی ان کا پڑھنا سیکھنا ''ادب'' کے دائرے میں آجاتا ہے۔

مگرایک عرصہ گذرنے پراصحاب علم وادب نے یہ احساس کیا کہ اگرادب کا دائرہ کارالفاظ اوران کے معانی تک محدودرہے تو لفظ کے معانی ہمیشہ ایک نہیں ہوتے۔لفظ کبھی تو اپنے حقیقی معنوں کو بیان کررہا ہوتا ہے اورکبھی مجازی معنوں کو۔یعنی معانئ مستعار کوجیسا کہ لفظ ''چاند'' ہے کہ حقیقی معنوں میں نظامِ شمسی کا ایک سیارہ ہے۔مگر مجازی معنوں میں محبوب یادلپسند ہستی ہے۔

اس شعور کی بناپرعلمی اورادبی دنیانے معاشرتی اورسائنسی علوم کوعلم کہنا اختیارکیا۔یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ سائنسی تحقیق کے لیےلازم ہے کہ لفظ کےایک ہی محقّق اورمستقل معنی ہوں تا کہ تحقیق کا عمل ایک متعین راہ پرگامزن رہے۔

شعروسخن کی دُنیامیں لفظ کا ایسا جموداور یک رنگی قبول نہیں ہے کیونکہ شعر کا حقیقی موضوع واردات قلب کا ایک حسین بیان واظہار ہے۔عشق اورمحبت کی کیفیات کے بیان میں تو دل کے جذبات دریاسمندر سے بھی گہرے ہوتے ہیں اورحسن کی ہزار در ہزارتجلیات ہوتی ہیں۔اس ہجوم رنگ و بوکو دولفظوں میں سمجھنے کے لیے لفظ کی دلالتوں کووسیع کرنالازم ہوتا ہے۔اس لیےاگرلفظ ایک ہی معنی کے اظہار میں جم جائے اوردم سادھ لےتو بات نہیں بنتی۔اس صورت میں یا تو عشق ومحبت اورحسن و جمال کی گوناں گوں تجلیات اورقلب کی نہاں درنہاں کیفیات کو بیان کرناترک کردینا ہوگا یا پھرلفظ کے معانی اوراشارے کواتنی وسعت دینی ہوگی جتنی کہ جذبات اور خیال کی وسعت ہے۔لفظ کی اس وسعت معانی کواصطلاح میں مجازی معانی یامعانی مستعار کہتے ہیں۔غالبؔ نےٹھیک کہاہے:۔

بقدر شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

گواس شعرمیں غزل کی تکنیکی حدودو قیود کا ذکر ہے۔مگر دراصل جس تنگی کا غم غالبؔ کو ہے وہ لفظ کی معنوی وسعت کا فقدان ہے۔

## حضرت اقدس کا یہ فرمانا:

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکروسپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سےجس سے ہو یہ کاروبار

یہ بھی دراصل لفظ کی کم مائیگی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ میں طاقت اظہار نہیں ہے۔ وگرنہ قلبی شعور کے اعتبار سے آپ حضرت کو احسانات خداوندی کا کامل عرفان تھا۔

آپ حضرت نے لفظ کی اسی کم مائیگی کا اظہار عربی زبان میں ثناء باری تعالیٰ کے مضمون میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

یَا مَنْ اَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْاٰلَاءِ
نُثْنِیْ عَلَیْکَ وَ لَیْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

ترجمہ: اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

دراصل لفظ کو جمالیاتی اقدار کے اظہار کے قابل بنانے اور قلبی کیفیات کے بیان میں کامیاب کرنے ہی کا نام ''ادب'' ہے۔

انیسؔ نے اس محنت اور ریاض کو بہت خوبصورت بیان کیا ہے:۔

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا عنواں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

یہاں پر لفظ ''معنی'' خیال اور جذبے کے معنوں میں ہے۔ یعنی یہ کہ خیال اور جذبے کے اظہار اور ابلاغ کے لیے الفاظ کے پھولوں کو کیسے ترتیب دوں تاکہ خیال اور الفاظ باہم مل کر حُسن کاری کریں۔

شاید عابد علی عابدؔ اس مسئلے کو واضح تر انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

لفظ کے روپ میں ڈھلتے نہیں وہ افسانے
جو مرے چشمِ تخیل میں بپا ہوتے ہیں
لفظ کے پردۂ زرتار میں خوبانِ خیال
کبھی مستور کبھی پردہ کشا ہوتے ہیں

بات کچھ طویل ہوگئی ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ لفظ کے حقیقی معنوں کی حد بندی نے ادیبوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے قلبی اور جذباتی خیالات کے اظہار کے لیے لفظ کی معنوی دلالتوں میں وسعت پیدا کریں۔ اس کوشش نے ادب میں علم مجاز کی تخلیق کی ہے اور لفظ کے معانی میں استعارہ۔ کنایہ۔ تشبیہات اور علامات کی مدد لے کر لفظ کو بے انتہا معنوی وسعت دی ہے۔ اور اس قابل بنایا ہے کہ وہ حُسن کاری کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام مہذب زبانوں کے اہلِ نظر اور نقادوں نے لفظ ''ادب'' کی تعریف میں ایک ہی ایسی قدر بیان کی ہے جو ادبی دنیا میں مقبول عام اور مسلم ہے۔ یعنی یہ کہ خیال اور مشاہدات کو احساسات اور جذبات کو حسین الفاظ میں بیان کرنا ''ادب'' ہے۔ چنانچہ بیان نثر میں ہو یا نظم میں ''ادب'' کے مقام تک پہنچنے کے لیے اس میں لفظی اور معنوی حسن و جمال کا ہونا شرط اوّل ہے اور شرط آخر بھی۔

ادب میں حسن، لفظ اور معانی کے ارتباط اور تناسب سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ربط اور تناسب ایک شعوری لذّت بھی پیدا کرتا ہے اور اپنے آہنگ کے ساتھ تختۂ گل کی طرح سے رنگ و روپ بھی بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم ادبیہ کا موضوع محاسن کلام کی تلاش اور تعیین ہے۔ علم معانی اور علم بیان علم صنائع و بدائع اسی محور کے گرد گھومتے ہیں اور علاماتِ حسنِ بیان کی نشاندہی میں مدد اور معاون ہوتے ہیں۔

آخر الامر یہ ہے کہ لفظ و معنی میں حسن تخلیق کرنا ہی وہ قدر ہے جو کہ ''ادب'' کی تعریف کو متعین کرتی ہے۔ اور اُس کو دیگر انسانی علوم اور دانش وری کے بیان سے ممتاز کرتی ہے۔

شاید غالبؔ نے لفظ و معانی کے انتشارِ رنگ و بو سے پریشان ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ شعر میں یہ انتشار قبول ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہر لفظ میں بہار کا جلوہ گر ہونا لازمی ہو۔ (یعنی حُسن کا) کہتا ہے:

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

''ادب'' کی تعریف کا یہ ایک ایسا بنیادی عنصر ہے جس کو تمام مہذّب زبانوں کے ادیب اور نقاد قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارتباط اور مناسبت کو بہت پرحکمت انداز میں بیان فرمایا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے حسن کو تناسب سے پیدا کیا ہے۔ فرماتا ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ (الانفطار: 8) یعنی اوّل قدم پر تخلیق ہے اور پھر ترتیب اور تعدیل ہے۔ ادب میں بھی تخلیق کے یہ تین ہی عناصر اور مراحل ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''حسن تناسبِ اعضاء کا نام ہے۔ جب تک یہ نہ ہو ملاحت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فرمائی ہے۔ فَعَدَلَكَ کے معنے تناسب کے ہیں کہ نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے''۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 201۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

حضرت اقدس نے ''نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے'' فرما کر ادبیات کو بھی اس اصل الاصول کے تحت کر دیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے قرآن کریم اور ادب مرسلین کو آسمانی ادب اور دیگر ادبیات کو زمینی کہا ہے۔ تو اس مقام تک آسمانی ادب اور زمینی ادب کی تعریف وتعبیر میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ دونوں ادب پاروں میں یہ قدر مشترک ہے اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ ادب حقیقت میں لفظ ومعانی میں جمالیاتی عنصر کو اُجاگر کرنے کا نام ہے اور ادب خواہ آسمانی ہو یا زمینی اپنی سحر کاری اور جذب میں ایک سا ہی ہوتا ہے۔ اور حسن کی دونوں تجلیات قلب ونظر کو شکار کرتی ہیں۔ گو محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال کی تجلی میں دیگر تمام تجلیاتِ حسن سمو جاتی ہیں۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ اس حادثے کا بیان ہی ادب کا منصب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ادب پاروں کو ''ادب'' کا نام نہیں دیا بلکہ اس سے بہت بہتر معانی کے حامل لفظ کو (جو کہ درحقیقت ادب کی جان ہے) اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودات کو احسن الحدیث اور احسن القصص کہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت اور شان ہے کہ اس نے ایسے لفظ کو قبول نہیں کیا جو اپنے معانی اور مطالب کے اظہار میں ایسا اختلاف اور وسعت رکھتا ہو کہ اس کے ساتھ نفسِ مضمون کا ایک مستقل رشتہ قائم نہ ہو سکے۔ (جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ لفظ ''ادب'' ایک مختلف المعانی علامت ہے)۔ اس لیے قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت سے بعید تھا کہ وہ ایک مخصوص معانی کے اظہار کے لیے ایک ایسے پراگندہ خیال لفظ کو اختیار فرماتا جس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں اختلاف ہو۔

قرآن کریم نے اپنی ادبی شان بیان کرنے کے لیے 'حسن' کا لفظ اختیار کیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام کو حسین کہا ہے بلکہ 'سب سے اوّل اپنی ذات کو حسنِ کامل' کہا ہے۔

فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (طٰہ:9)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کے لیے تمام اسمائے حسنہ ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:181)

ترجمہ: تمام حسین نام اللہ ہی کے ہیں۔ اُس کو انہی ناموں سے پکارو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تخلیق کو حسین قرار دیا ہے۔

فرمایا:

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (السجدۃ:8)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے اپنی تمام مخلوق میں حُسن قائم کیا ہے۔

اور فرمایا:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ (المؤمنون:15)

ترجمہ: پس برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے زیادہ حسین تخلیق فرمانے والا ہے۔

اور انسان کو خصوصیت سے حسین کہا ہے۔

فرمایا:

وَصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ (المؤمن:65)

ترجمہ: اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور نہایت حسین صورتیں بنائیں

اور پھر فرمانِ عام ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حسن کو اختیار کرو۔

فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (البقرۃ:196)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند کرتا ہے۔

اور خاص طور پر اپنے قول کو حسین بناؤ۔

فرمایا:

وَقُلۡ لِّعِبَادِىۡ يَقُوۡلُوا الَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ (بنی اسرائیل:54)

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کریں جو زیادہ حسین ہو۔

اور فرمایا:

وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا (البقرۃ:84)

ترجمہ: لوگوں سے حسین طریق پر بات کرو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم لفظ حسن اور اس کے مشتقّات سے بھرا ہوا ہے۔ یہی اس کی شان اور منصب ہے کیونکہ جس ہستی کی طرف وہ بلاتا ہے وہ حقیقی معنوں میں حسن اوّل اور حسن آخر ہے۔ اور قرآن اس حسن ازل اور لم یزل کی تجلّی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شناخت اس کی صفات سے ہوتی ہے اور گذشتہ کے فرمودات خداوندی سے یہ امر واضح ہے کہ ہر صفت اور ہر تجلّی میں جو قدر مشترک ہے وہ حسن ہے۔ اور یہ بھی کہ جہاں بھی حسن کی تجلّی ہوگی وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہوگا۔ انہی معنوں میں فرمایا ہے:

قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ اَيًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى (بنی اسرائیل:111)

ترجمہ: ان سے کہو کہ خواہ تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے۔ حقیقت یہی ہے کہ تمام حسین نام اُسی کے ہیں۔

اس حقیقت کو حضرت اقدس نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا — بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا — کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف — جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں — ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

خُوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی — ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا

**چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے**

**ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسُوئے خمدار کا**

چاند میں محبوبِ حقیقی کے حسن کا عکس دیکھنا۔ مگر کامل عکس نہ ہونے کو ''کچھ کچھ'' کہہ کر بیان کرنے سے چاند کی بھی عزت قائم رکھی اور محبوبِ حقیقی کی عظمت کو بھی بیان کر دیا۔ بہت ہی بلیغ بیان ہے۔ حسن کا پَرتو کبھی کامل نہیں ہوسکتا۔ مگر پَرتو ہونے کے اعتبار سے اس کی ایک شان ضرور ثابت ہے۔ اور حسین آنکھ کا حسن کامل کی طرف اشارہ کرنا۔ اور خمدار زلفوں کا محبوبِ حقیقی کی طرف ہاتھ بڑھانا ایک دلفریب ادبی صنعت گری ہے۔

فارسی زبان میں فرماتے ہیں:۔

اے دلبر و دلستان و دلدار — واے جانِ جہان و نُورِ اَنوار

اے میرے دلبر محبوب اور دلدار اور اے جانِ جہاں اور نوروں کے نور

لرزاں زِ تجلّیت دل و جان — حیراں زِ رخت قلوب و ابصار

جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں۔ قلوب اور نظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں

**حسنِ تو غنی کند زِ ہر حُسن — مہرِ تو بخود کشد زِ ہر یار**

تیرا حسن ہر حسن سے بے نیاز کر دیتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لاتی ہے

**حسنِ نمکینت ار نہ بودے — از حُسن نہ بودے ہیچ آثار**

اگر تیرا نمکین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام و نشان نہ ہوتا

از بہرِ نمائشِ جمالت! بینم ہمہ چیز آئینہ دار

تیرے جمال کی نمائش کے لیے میں ہر چیز کو آئینہ سمجھتا ہوں

ہر برگ صحیفۂ ہدایت ہر جوہر و عرض شمع بردار

ہر پتّا ہدایت کا صحیفہ ہے اور ہر ذات و صفت تجھے دکھانے کے لیے مشعلچی ہے

ہر نفس بتو رہے نماید ہر جاں بدہد صلائے ایں کار

ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے ہر جان بھی اسی بات کی ہی آواز دیتی ہے

ہر ذرّہ فشاند از تو نُورے ہر قطرہ براند از تو انہار

ہر ذرہ تیرا نور پھیلاتا ہے۔ ہر قطرہ تیری توصیف کی نہریں بہاتا ہے

یہاں تک تو ''ادب'' کی تعریف میں ایک ایسی قدر کو بیان کیا گیا ہے جو زمینی اور آسمانی ادب میں قدرِ مشترک ہے۔ مگر ادب میں صرف لفظ ہی حُسن پیدا نہیں کرتا بلکہ جن معانی پر لفظ دلالت کر رہا ہوتا ہے وہ بھی ادبی حُسن کاری میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور اسی اختلاط اور ارتباط ہی سے حسن کی تخلیق ہوتی ہے۔

اس لیے جیسا کہ لفظ کی معیّن نشست و برخواست کے قیام کے لیے اقدار حسن متعین کی گئی ہیں اسی طور پر معانی کی بلندی اور پستی کو اہم قدرِ ادبی قبول کر کے اس کی نشاندہی میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اور اصحاب نقد و نظر نے ان دونوں عناصر کے بارے میں تفصیلی مبحث اٹھائے ہیں اور ادب میں ہیئت اور مواد کی تعیین کی کوشش کی ہے۔

ان اصولی اقدار ادب کی تفصیل میں ذیلی طور پر اور بھی بہت سی اقدار ادب ہیں جن کا قیام ادبِ عالیہ کی تخلیق کے لیے ازبس ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں ان عناصر ادب کی تفصیلی پردہ کشائی کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم چند ایک اقدار ادب ایسی ہیں جن کا بیان زیرِ قلم موضوع سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔

اوّل: یہ قبول کیا گیا ہے کہ ادبِ عالیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ آفاقی مضامین اور مواد کا حامل ہو۔ یعنی وہ ہر انسان کی فطرتی اور قلبی جذبات اور تمناؤں کی عکاسی کرے۔

دوم: یہ کہ مشاہدات صدق پر مبنی ہوں۔ صدق کا عنصر ادبی تخلیق میں جزو اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن کا بیان ہو یا قلبی کیفیات کا اظہار اس میں ادبی حسن و جمال پیدا کرنے کے لیے لازم ہے کہ مشاہدات اور جذبات حقیقت پر مبنی ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ کلام ایک دیو مالائی افسانہ ہوتا ہے اور قلب و نظر کو مسخر نہیں کرتا۔

اسی بنیاد پر تیسری ادبی قدر ہے جس کو تاثیر کا نام دیا گیا ہے۔ ادب میں تاثیر لفظ و معانی کے حسن و جمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ادبِ عالیہ کی پہچان اس کی تاثیر ہی پر قائم ہے تو بالکل درست ہوگا۔ کیونکہ

ادب کی غائت اور مقصود ابلاغِ کامل ہی ہے۔ اور ابلاغ مؤثر کلام ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ابلاغ ایک ایسا عنصر ہے جس کو حاصل کرنا تمام ادبی تخلیقات کا مطلوب اور منشاء ہوتا ہے۔

گذشتہ میں تو ادب کی دو بنیادی اقدار کا زمینی اور آسمانی ادب میں تقابل ہوا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جو چند ایک مزید اقدار ادب بیان ہوئی ہیں (یعنی۔ ادب کا آفاقی ہونا۔ ادب کا صدق پر مبنی ہونا اور ادب کا مؤثر ہونا)۔ ان کی نسبت سے قرآن کریم کیا فرماتا ہے۔

قرآن کریم نے محاسن کلام کے موضوع پر بہت سے مقامات میں نشاندہی کی ہے اور اقدارِ حسنِ کلام بیان کی ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ قرآن کریم اپنے دعاوی کی دلیل خود ہی پیش کرتا ہے۔ اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ سب سے حسین کلام ہے۔

ہم اختصار کے طور پر دو مقامات کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک مقام پر تو اصولی اور قدرے مختصر بات کی ہے۔ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (ابراھیم:25،26)

حضرت اقدس ان آیات کے ترجمہ و تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

'کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال۔ یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت کی مانند ہے۔ جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اس کی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو'۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں میں قرار دیتا ہے:۔

1۔ اوّل یہ کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ۔ یعنی اصول ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں (صداقت پر قائم ہوں)

2۔ دوسری نشانی کمال کی یہ فرماتا ہے۔ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ یعنی صحیفہ قدرت کا مطالعہ اس کی صداقت کو ثابت کرے اور یہ کہ وہ تعلیم ایمان کے بیان اور اخلاق کے بیان اور احکام کے بیان میں کمال درجہ پر پہنچی ہو۔

3۔تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی تُؤْتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍ یعنی ہر وقت اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنا پھل دیتا رہے۔

یعنی اپنی تاثیرات دکھاتا رہے کیونکہ کلام کا پھل اس کی تاثیر ہی ہوتی ہے۔

یہ تو اقدارِ ادب کا ایک بنیادی اور اصولی بیان ہے۔جس کی ہر شرط کی تفصیل اور تعبیر سے ان گنت ادبی اقدار پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔مگر خاکسار کی ناقص رائے میں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر قدرے تفصیل سے اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے وہ ذیل میں ہے۔فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ (الزمر:24)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ نے بہترین بیان ایک ملتی جلتی (اور) بار بار دُہرائی جانے والی کتاب کی صورت میں اتارا ہے۔جس سے ان لوگوں کی جِلدیں جو اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں لرزنے لگتی ہیں پھر ان کی جِلدیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف (مائل ہوتے ہوئے) نرم پڑ جاتے ہیں۔یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس کے ذریعہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اب دیکھ لیں کہ کس قدر وضاحت سے بیان کیا ہے کہ:۔

1۔ اَللّٰہُ نَزَّلَ۔یعنی موادِ ادب تنزیل ربانی ہو یعنی کامل صدق پر مبنی ہو۔

2۔اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ یعنی لفظ اور معانی کے اختلاط سے ایک حسن پیدا ہوتا ہو۔

3۔ کتابًا یعنی مواد میں ایک تعلیم اور کوئی مطمحِ نظر ہو۔

4۔ مُتَشَابِہًا مَثَانِیَ ۔یعنی مواد باہم متضاد نہ ہو۔اور حضرت اقدس کی تفسیر کے مطابق اپنے اندر معقولی اور روحانی دونوں طور کی روشنی رکھتا ہو۔

5۔ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ

یعنی اس کی تأثیر ایسی ہو کہ ’’اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے......اور وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات

دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے رہتے ہیں........پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دلوں اور بدنوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔یعنی ذکر ان کے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے''۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ادبِ عالیہ کی تعریف میں یہ ایک عظیم الشان بیان ہے۔کسی بھی مہذب زبان کے علم تنقید ادب میں ادبِ عالیہ کی تعریف میں ایسا جامع اور مکمل بیان نہیں ملے گا۔

زمینی ادب اور آسمانی ادب کی اقدار میں ہم نے قرآن کے معیار ادب کو پیش کیا ہے۔اب اس موضوع پر مرسلین باری تعالیٰ کے فرمودات بھی سن لیں۔اوّل منصب تو ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا ہوئے تھے اور جو افصح العرب تھے،فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَّ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

ترجمہ:بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے اور بعض بیان تو جادو کا اثر رکھتے ہیں

اب دیکھ لیں کہ تعریف ادب میں کس قدر جامع اور مکمل فرمان ہے۔ادب کے دو عناصر (یعنی مواد اور ہیئت) کو کس کمال سے دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔اس فرمان کے مطابق آپ کی نظر میں شعر و ادب میں ایک حکیمانہ عرفان ہونا چاہیے۔یعنی اس کا ناطہ انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں کے ساتھ قائم و دائم ہو اور دوسرے قدم پر الفاظ کا حسن و جمال اور ان کی بندش ایسی ہو کہ انسان کو مسحور کر دے۔جوامع الکلم جو آپ کو عطا کیے گئے ان کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرے منصب پر حضرت مسیح موعود کو بھی سن لیں۔

سخن معدنِ درّ و سیم و طلاست
اگر نیک دانی ہمیں کیمیاست

ترجمہ: کلام تو موتی، چاندی اور سونے کی کان ہے اگر اس بات کو سمجھ لیا جائے تو یہی کیمیا ہے

سخن قامتے ہست با اعتدال
فصاحت چو خدّ و بنا گوش و خال

ترجمہ: کلام کی مثال تو ایک خوبصورت جسم کی ہے اور اس کی فصاحت رخسار اور کان کی لو اور تل کی طرح ہے

چو گفتار باشد بلیغ و اتم
اثرہا کند در دلے لاجرم

ترجمہ: جب کلام بلیغ اور اعلیٰ ہو تو ضرور دل پر اثر کرتا ہے

وگر منطقے مہمل است و خراب

چو خواب پریشاں رود بے حساب

ترجمہ: لیکن اگر گفتگو بے معنی اور خراب ہو تو وہ خواب پریشاں کی طرح رائیگاں جاتی ہے

زباں گرچہ بحرے بود موجزن

طلاقت نہ گیرد بجز علم و فن

ترجمہ: زبان اگرچہ طوفانی سمندر کی طرح ہو پھر بھی فصاحت بغیر علم وفن کے نہیں آتی

یہاں پر آپؑ نے اوّل تو اعلیٰ کلام اور سخن وری کی تعریف کی ہے کہ وہ سیم وزر سے بہتر ہے۔ مگر فرمایا کہ اس کی قدر و قیمت اس وقت بنتی ہے جبکہ اس میں ایک ایسا اعتدال اور تناسب ہو جیسا کہ ایک حسین قامت محبوب اور اس کے رخساروں کی سرخی اور اس کے کانوں کے آویزے ہوتے ہیں۔ یعنی الفاظ اور معانی ایک حسین جلوہ دکھا رہے ہوں مگر اس جلوہ آرائی کے باوجود اس تناسب لفظی کا مؤثر ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو شعر و ادب ایک خواب پریشاں کی طرح بے مقصد و مراد ہوتا ہے۔

فرمایا:

و گر منطقے مہمل است و خراب

چو خواب پریشاں رود بے حساب

ترجمہ: لیکن اگر گفتگو بے معنی اور خراب ہو تو وہ خواب پریشاں کی طرح رائیگاں جاتی ہے

اس مقام تک جو بیان ہوا ہے اس سے یہ امور واضح ہوئے ہیں:۔

اول: یہ کہ ''ادب'' لفظ و معانی کے ایک حسین اور ترنم خیز ارتباط کا نام ہے اور یہ بھی کہ شعر میں یہ ربط اس وقت قائم ہوتا ہے جبکہ اس میں انسان کی فطرت کے تقاضوں کی عکّاسی ہو اور وہ ایک فرد کی قلبی کیفیت کا بیان نہ ہو بلکہ وہ انسان کی کیفیت ہو اور انسانیت کی خوشی اور غم کا ایسا اظہار ہو کہ جس کو سن کر صرف لطف ہی نہ آئے بلکہ زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دے۔

اس مقام تک تو تعریف ادب میں آسمانی ادب اور زمینی ادب میں باہم اختلاف نہیں ہے۔ مگر جیسا کہ ابتدا میں اشارۃً کہا گیا تھا کہ یہ دونوں ادب اس اتحاد اور اشتراک کے باوجود اپنی نوعیت میں دو مختلف مکاتیب ادب ہیں اور یہ کہ ان دونوں میں باہم فراق اور اختلافی نوعیت محرّکاتِ تخلیقِ ادب اور ترجیحاتِ ادبی کے باہم دگر ممتاز اور مختلف

ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔اس مضمون میں جو سورۃ الزمر کی تعریفِ شعروادب بیان ہوئی ہےاس میں قرآن کریم نے یہ فرما کر تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (جولوگ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اُن کے رونگٹے اس کے پڑھنے سے کھڑے ہوجاتے ہیں)اس اختلاف کو بیان کردیا ہےاور تخصیص کردی ہے کہ آسمانی ادب کے فہم و ادراک اوراس سے لُطف اٹھانے کے لیے محبت الٰہی اور تعلق باللہ ایک لازمی شرط ہے۔

یہی حقیقت حضرت مسیح موعودؑ کس قدر خوبصورتی سے بیان فرمارہے ہیں:

فارسی میں کہتے ہیں:

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتحِ نمایاں بنامِ ما باشد

ترجمہ: ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا

اور پھر اردو زبان میں کہتے ہیں:

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اِک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

اور فرماتے ہیں:

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

یعنی اوّل قدم پر انسان کی فطرت ''سعید'' ہو اور دوسرے قدم پر اس کے قلب میں خوفِ خداوندی ہو۔

اس وجہ سے آسمانی ادب کی اس اہم نوعیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ آسمانی اور زمینی ادب کے محرکات تخلیق اور ترجیہات ادب کیا ہیں اوران میں اختلاف وتضاد کے موجبات کیا ہیں۔

# آسمانی اور زمینی ادب کے محرکات

گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آسمانی شعر و ادب کی ایک منفرد اور ممتاز نوعیت ہے۔ اس لیے اگر آسمانی شعروادب کو ایک ممتاز اور جداگانہ مکتبِ شعروادب کہا جائے تو یقیناً درست ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مکتبِ ادب میں زانوئے تلمّذ تہ کیے بغیر اس کے حسن وخوبی سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

تاہم اگر فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان ہونے کے ناطے سے اس کے محرکات ادب بھی ان ہی عوامل کا نتیجہ ہیں جو زمینی ادب کے ہیں۔ دید وشنید، قلبی احساس اور دماغی شعور، تلاش اور جستجو یہ سب مشترک محرکات وعواملِ تخلیقِ ادب ہیں۔ دونوں ادب مشاہدات اور احساسات کو قلب ونظر میں قبول کرنے کے عمل سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ان کا چشمۂ حیات بھی مشترک ہونا چاہیے۔ مگر اس وقت یہ معلوم کرنا ہے کہ اس اتحاد کے باوجود وہ کیا عوامل ہیں جن کی عمل داری نے ان دونوں ادبوں میں ایسا اختلاف کیسے پیدا کر دیا ہے کہ ہم ادب آسمانی کو ایک ممتاز اور منفرد مکتبِ شعر کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

دراصل ان دونوں ادبوں کی باہم دگر ممتاز نوعیت ان ادیبوں کی قلبی ترجیحات اور مقاصد زندگی کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور اس بنا پر ہی ان کے مشاہدات اور جذبات کا رخ ایک دوسرے سے مختلف سمت اختیار کر لیتا ہے۔ زمینی ادیب کے مشاہدات اس کے ماحول اور تہذیبی ترجیحات کے عوامل سے جنم لیتے ہیں۔ اس کے جذبات بھی جسمانی لذّت اور شوق کے دائرے میں محصور ہوتے ہیں۔ اس کی اقدارِ حسن و جمال اور اس کی پسند و ناپسند بھی زمینی قیود اور حدود سے پیوست ہوتی ہے۔ وہ زمینی وابستگیوں اور لذّتوں سے باہر نہیں نکلتا وہ اسی میں جنم لیتا ہے اور اسی کی یافت اور نایافت (یعنی حصول اور محرومی) اس کے شعر و ادب کے عنوانات ہوتے ہیں اور اس کے ادب کے تخلیقی محرکات بھی۔ جیسے غالبؔ کا حال ہے کہ اگر عشق کا غم نہیں تو وہ زندگی کے دیگر مصائب میں مبتلا ہے۔

غم اگرچہ جانگسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

آسمانی ادیبوں کے مشاہدات اور جذبات یا دائرہ تخلیق ادب اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اوّل ایسے کہ ان کی ترجیحاتِ زندگی زمینی نہیں ہوتیں گو وہ اس زمین کے باسی ہوتے ہیں اور اسی زمین کے باسیوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں مگر وہ اس اعتبار سے سرزمین کے باسی نہیں بھی ہوتے کہ وہ زمینی محبتوں اور لذّتوں کی تمنا نہیں رکھتے۔

وہ محبوبِ حقیقی کے عشق کا جیتا جاگتا نشان بن کر آتے ہیں اس لیے ان کے ادب کی اساس زمینی محبتوں اور لذتوں کو ترک کرنا اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے وصال کی لذت سے انسان کو آشنا کرنا ہوتی ہے۔

آپ کی بعثت اور کلام کا یہ مقصد فارسی اشعار میں کس قدر خوبی و جمال سے بیان ہوا ہے فرماتے ہیں

بجز اسیریٔ عشق رُخش رہائی نیست　　　بدردِ اُو ہمہ امراض را دوا باشد

اس کے چہرہ کے عشق کی قید کے سوا کوئی آزادی نہیں اور اُس کا درد ہی سب بیماریوں کا علاج ہے

عنایت و کرمش پرورد مرا ہر دم　　　بہ بینی اش اگرت چشم خویش وا باشد

اُس کا فضل و کرم ہر وقت میری پرورش کرتا ہے اگر تیری آنکھیں کھلی ہیں تو تجھے یہ بات نظر آ جائے گی

**بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم　　　بدلستاں برم آں را کہ پارسا باشد**

میں اس لیے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور دلبر کے پاس اُسے لے چلوں جو نیک و پارسا ہے۔

اس مقصد کے بیان کو اردو میں بھی دیکھ لیں۔

مجھے اس یار سے پیوندِ جاں ہے　　　وُہی جنت وُہی دارالاماں ہے
بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے　　　محبت کا تو اک دریا رواں ہے
یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی　　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

اور عربی میں بھی اسی مقصد ادب کا بیان سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

**اَنْتَ الْمُرَادُ وَ اَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِیْ　　　وَ عَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَ رَجَائِیْ**

تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

**اَعْطَیْتَنِیْ کَأْسَ الْمَحَبَّةِ رَیِّقَهَا　　　فَشَرِبْتُ رَوْحَاءً عَلٰی رَوْحَاءِ**

تو نے مجھے محبت کی بہترین مے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

**اِنِّیْ اَمُوْتُ وَ لَا یَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ　　　یُدْرٰی بَذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ**

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز پہچانی جائے گی۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے تصرّفِ خاص سے آسمانی ادیبوں کی تخلیق فرماتا ہے اور اپنی نگرانی میں ان کے قلبی اور نظری رجحانات کی تادیب اور تعدیل کرتا ہے اس لیے محرکات ادب میں ان کے مشاہدات اور جذبات اور ان کی ادبی استعداد اور اکتساب ہنر خالصۃً محبوبِ حقیقی کی منشاء اور حکم کے تحت اور اس کی

نگرانی میں تشکیل پاتے ہیں۔

اس مضمون میں اردو میں فرماتے ہیں

ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند　　شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اِک عظمت سے عار

پَر مجھے تُو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا　　مَیں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار

اس میں میرا جرم کیا جب مجھ کو یہ فرماں ملا　　کون ہُوں تا ردّ کروں حکمِ شہِ ذِی الاقتدار

اب تو جو فرماں ملا اس کا ادا کرنا ہے کام　　گرچہ مَیں ہُوں بس ضعیف و ناتوان و دِلفگار

اورعربی میں فرماتے ہیں

بِمُطَّلِعٍ عَلٰی اَسْرَارِ بَالِیْ　　بِعَالِمِ عَیْبَتِیْ فِیْ کُلِّ حَالِیْ

قسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہےاور قسم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے سینے کے راز سے واقف ہے

لَقَدْ اُرْسِلْتُ مِنْ رَّبٍ کَرِیْمٍ　　رَحِیْمٍ عِنْدَ طُوْفَانِ الضَّلَالِ

بے شک میں ربّ کریم رحیم کی طرف سے طوفانِ ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں

اَبِالْاِیْذَاءِ اَتْرُکُ اَمْرَ رَبِّیْ　　وَ مِثْلِیْ حِیْنَ یُؤْذٰی لَا یُبَالِی

کیا دُکھ دئے جانے سے میں اپنے ربّ کے کام کو چھوڑ دوں؟ جبکہ میرے جیسا آدمی ایذا دئے جانے پر پرواہ نہیں کیا کرتا

اور فارسی میں فرماتے ہیں۔

مامورم و مرا چہ دریں کار اختیار　　رو ایں سخن بگو بخداوندِ آمرم

میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

حکم است ز آسماں بزمیں میرسانمش　　گر بشنوم نگویمش آں را کُجا برم

آسماں کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں۔ اگر میں اُسے سنوں اور لوگوں کو نہ سناؤں تو اُسے کہاں لے جاؤں

من خود نگویم اینکہ بلوحِ خدا ہمیں است　　گر طاقت ست محو کُن آں نقش داورم

میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوحِ محفوظ میں ہی ایسا لکھا ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو خدا کے لکھے ہوئے کو مٹا دے۔

اس حقیقت کے بیان میں قرآن کریم کے بہت سے فرمودات ہیں جو آسمانی ادیبوں یعنی انبیاء علیہم السلام کی ادبی اور روحانی سیرت کی تشکیل کے عوامل ومحرکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

دل تو یہ چاہتا ہے کہ چُن چُن کر قرآن کریم کے وہ جواہر پارے جن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی سیرت کی تشکیل کا دستورعمل بیان کیا ہے ایک ترتیب سے پیش کروں اور اس حقیقت کی وضاحت کروں کہ انبیاءؑ کی روحانی

تربیت اور کمال علم و ادب۔ زندگی کے عوامل اور محرکات سے متاثر ہوکر تشکیل نہیں پاتا بلکہ یہ ایک عنایت خاص کے طور پر عطا ہوتا ہے اور کامل تصرّف الٰہی کے تحت تخلیق ہوتا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر ہم حضرت اقدسؑ کے ادب کو ایک منفرد اور جداگانہ مکتبِ شعروادب کہتے ہیں۔

مگر ہمارا موضوع اس تفصیل کی اجازت نہیں دیتا اس لیے مختصراً چند فرمودات قرآن پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (طٰہٰ:۴۰)

حضرت اقدسؑ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’براہین احمدیہ میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی ایک پیشگوئی ہے و **القیت علیک محبّۃً مِّنی و لتصنع علٰی عَیْنِی** یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں تیری محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالوں گا اور میں اپنی آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کروں گا‘‘۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد۲۲صفحہ۲۳۹)

یہ بہت ہی عالی مرتبہ اور محبت میں ڈوبا ہوا فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ اس فرمان کے بیان میں ایک بہت اچھی بات یہ بھی ہے کہ یہ آیت آپ حضرت اقدسؑ پر الہام ہونے کی وجہ سے اگر اوّل یہ فرمان عمومی تھا تو آپ کے لیے خدا تعالیٰ نے مخصوص بھی کر دیا اور آپ ہی کا ادب اور اس کے عوامل تخلیقی یہاں بیان ہو رہے ہیں۔

اس فرمانِ الٰہی سے یہ بات ثابت ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کی تمام تعلیم و تربیت اللہ تعالیٰ ہی کے تصرّفِ خاص کے تحت ہوتی ہے اور ان کی تمام استعدادیں اور قابلیتیں اللہ کی نگرانی اور اُس کی منشاء کے تحت تشکیل پذیر ہوتی ہیں اور کوئی خارجی محرک اور عمل کارفرما نہیں ہوتا۔

حضرت اقدس نے اس حقیقت کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ بلکہ تقریباً وہی الفاظ اختیار کئے ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کے تھے۔ حق بھی یہ ہے کہ محبوب کے کلام کی رمز کو ایک عاشق ہی سمجھ سکتا ہے۔

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل — مَیں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے — گود میں تیری رہا مَیں مثلِ طفلِ شِیر خوار

نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے — تیرے بِن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبُول
مَیں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

اب دیکھ لیں ''وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ''اور گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار'' کو مقابل پر رکھ لیں تو ایک ہی معنی ابھرتے ہیں یعنی جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر پرورش کرتی ہے اُسی طرح انبیاء کی تمام روحانی اور علمی استعدادیں محبوبِ حقیقی کی نگرانی میں اور اس کی منشاء کے مطابق جنم لیتی ہیں اور آخری شعر بھی اِسی مضمون کو بیان کر رہا ہے کہ آپ حضرت اپنی کوئی بھی ذاتی استعداد اور قابلیت نہیں سمجھتے ہیں اور اپنے علم و ادب کو صرف اور صرف باری تعالیٰ کی عنایت خاص گردانتے ہیں......

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبُول
مَیں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

دراصل حضرت کا اس شعر میں اس طرف اشارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ '' کہا ہے (الاعراف:158)

حضرت اقدسؑ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''متقی کا معلم خدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر اُمیّت غالب ہوتی ہے''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۸۴۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

یہاں تک تو انبیاء کی تعلیم و تربیت اور اکتساب علم و ہنر کے اعتبار سے عمومی فرمان کا ذکر ہوا ہے اب اس ایک تفصیلی بیان کو بھی سُن لیں جس میں اللہ تعالیٰ اُن ذرائع اور انتظام کا ذکر فرماتا ہے جو اُس نے اِس مقصد کے حصول کے لیے اختیار فرمائے ہیں۔

فرماتا ہے: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّھِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا (الجنّ: ۲۷، ۲۸، ۲۹)

حضرت اقدسؑ آیت فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یعنی اللہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں ہونے دیتا مگر ان لوگوں کو جو اس کے رسول اور اس کی درسگاہ کے پسندیدہ ہوں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

''درسگاہ'' کے لفظ سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہاں پر انبیاء کی درسگاہ سے مراد ان کی تعلیم و تربیت اور اندازِ تعلیم ہے۔

باقی ماندہ آیات اور اُن کے معانی یہ ہیں فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا اور اس

رسول کی یہ شان ہے کہ اس کے آگے بھی اور اسکے پیچھے بھی محافظ فرشتوں کی گارد چلتی ہے۔
لِّيَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيۡهِمۡ وَ اَحۡصٰى كُلَّ شَىۡءٍ عَدَدًا ۔ تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ان رسولوں نے اپنے ربّ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اللہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اپنے احاطے میں رکھتا ہے اور ہر چیز کو گن رکھتا ہے۔

یہ وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تلامیذ الرحمان کی درسگاہ کا تفصیلی دستور بیان کیا ہے۔

ان آیات میں اوّل تو یہ واضح کر دیا کہ یہاں پر ’’درسگاہ‘‘ سے انبیاء کی تعلیم و تربیت کا ذکر ہے

دوم یہ بتایا کہ ہم اپنا عرفان خاص بندوں کو دیتے ہیں۔

سوم یہ فرمایا کہ ان ہونہار شاگردوں کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ ابلاغِ رسالت کریں۔ جیسا کہ اس سورت کی آیت میں فرمایا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ (الجن: 24) یعنی میرا تو صرف یہ کام ہے کہ میں اللہ کی بات اور اس کا پیغام پہنچا دوں۔ ’’ابلاغِ رسالت‘‘ کو ایک اور مقام میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَ رَبَّكُمۡ ...(المائدۃ:118) میں نے تو صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی ربّ ہے اور تمھارا بھی ربّ ہے۔

چہارم یہ کہ اس مقصد کے حصول کے لیے فرشتوں کی ایک فوج ان کی مددگار رہتی ہے۔

پنجم یہ کہ ان کی قابلیتیں اور استعدادیں خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوتی ہیں۔ اور

ششم یہ کہ ان سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق نہ ہو۔

ان فرمودات باری تعالیٰ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کے کلام کی تخلیق کے محرّکات اور عوامل اور ان کی ادبی استعدادوں پر اللہ تعالیٰ کا قادرانہ تصرّف ہوتا ہے۔ وہی ان کو ابلاغِ رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے ہمہ وقت ان کی نگرانی کرتا ہے اور ان کی استعدادوں اور قابلیتوں کا خود کفیل ہوتا ہے۔

یہ تفصیلی تصرّفاتِ الٰہیہ اس امر کو بھی ثابت کرتے ہیں کہ ان کے کلام میں کوئی خارجی محرک کارفرما نہیں ہوتا ہے۔ ان کے مشاہدات، احساسات اور جذبات تمام تر خدا تعالیٰ کی درس گاہ کی تعلیم و تربیت اور عطاءِ خاص ہوتی ہے اور یہ کہ وہ محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال اور اس کے بیان کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتے۔

ادبِ مرسلین کی اس کیفیت کو حضرت اقدس نے بہت ہی دلفریب انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم　　　دستش محافظ است زِ ہر بادِ صرصرم

میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

سچ تو یہی ہے کہ ہر درسگاہ کا ہونہار شاگرد اس کا چشم و چراغ ہی ہوتا ہے۔ مرسلین باری تعالیٰ کی شان و عظمت کا اس سے بہتر اور کیا بیان ہوسکتا ہے۔ محبوبِ حقیقی اپنے حسن و جمال کی تجلّی اس چراغ سے کرتا ہے اور اس میں کسی اور کے حُسن کا پرتو نہیں ہوتا۔ وہ اُسی جمالِ اوّل و آخر کا ظہور ہوتا ہے اور صرف اُسی کے جمال کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے مصرعے میں یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ محبوبِ حقیقی کا تصرّفِ خاص اس چراغ کو خارجی محرکات اور تاثیرات سے پاک رکھتا ہے (باری تعالیٰ کے ہاتھ سے اس کا تصرّفِ خاص ہی مراد ہے) یعنی اس چراغ کے نور کی ترسیل بھی محبوبِ حقیقی خود ہی کرتا ہے اور کوئی طاقت اس کی نورافشانی میں حائل نہیں ہوسکتی۔ باری تعالیٰ کی محبت کے ادب کی تخلیق کے عوامل و محرکات اور ان کا صدق و تاثیر۔ ان کے کلام کا حسن و جمال اس سے بہتر کیا بیان ہوسکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ شعر آسمانی ادب کی تخلیق اور تاثیر کے مضمون میں ایک ادبی شاہکار اور ادبی معراج ہے۔

یہ وہ تصرّفاتِ الٰہیہ ہیں جن کے نتیجہ میں مرسلین کے کلام کی یہ کیفیت ہوتی ہے وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی (النجم:5،4) حضرت اقدسؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

> ''لٰہذا ہر بات نبی کی جو نبی کی توجّہ تام اور اس کے خیال کی پوری معروضیت سے اس کے منہ سے نکلتی ہے وہ بلاشبہ وحی ہوتی ہے''۔

اور فرماتے ہیں:

> ''میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں اس پر اشارہ ہے ''وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی'' اس لیے رسول کریمؐ نے جو فرمایا وہ خدا تعالیٰ کا ارشاد تھا'' (دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

کمالِ پاکی و صدق و صفا کہ گم شدہ بود دوبارہ از سخن و وعظِ من بپا باشد

پاکیزگی اور صدق وصفا کا کمال جو معدوم ہوگیا تھا وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وحیِ کبریا باشد

اے بےخبر انسان میری اس بات سے ناراض نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات جو میں نے کہی ہے خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔

**کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد**

جو شخص اپنی خودی چھوڑ کر خدا کے نور میں جاملا۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

یہ وہ فرمودات باری تعالیٰ ہیں جن کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کے کلام کی تخلیق کے محرکات و عوامل اور اُن کی ادبی استعدادیں اللہ تعالیٰ کے قادرانہ تصرّف کے تحت تشکیل پاتی ہیں۔ وہ

اُن کو اپنے دائرۂ لطف اور اپنی نظر سے دور نہیں ہونے دیتا اور یہی اُن کی درس گاہِ ادب ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ. فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: 55،56)

اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

''صدق کی نشست گاہ۔ بااقتدار بادشاہ کے پاس''

ان تصرّفات باری تعالیٰ کے تحت حُسنِ ازل اور جمالِ محبوبِ حقیقی اُن کا ''مشاہدہ'' ہوتا ہے اور محبوبِ حقیقی کا عشق اُن کا ''جذبہ'' آپ حضرت فرماتے ہیں۔

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں　　وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں　　خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں　　وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں

مَیں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں　　یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیائے مادی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

اور فارسی میں فرماتے ہیں۔

خاکساریم و سخن از رہِ غربت گوئیم　　یَعْلَمُ اللّٰہُ کہ بکس نیست غبارے مارا

ہم تو خاکسار ہیں اور فروتنی سے بات کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ہمیں کسی سے عداوت نہیں

مانہ بیہودہ پئے ایں سروکارے برویم　　جلوۂ حسن کشد جانبِ یارے مارا

ہم فضول اس مقصد کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے بلکہ تجلّیٔ حسن ہمیں محبوب کی طرف کھینچے لیے جا رہی ہے۔

اور عربی میں فرماتے ہیں۔

وَ لَسْتُ بِطَالِبِ الدُّنْيَا كَزَعْمِكَ　　وَ قَدْ طَلَّقْتُهَا بِالْاِعْتِزَالِ

اور میں ہرگز طالب دنیا نہیں ہوں جیسا کہ تیرا خیال ہے۔ میں نے تو گوشہ نشینی کے ذریعہ اسے طلاق دے دی ہے۔

تَرَكْنَا هٰذِهِ الدُّنْيَا لِوَجْهٍ　　وَ اٰثَرْنَا الْجَمَالَ عَلَى الْجَمَالِ

ہم نے یہ دنیا ایک چہرے کی خاطر چھوڑ دی ہے اور ہم نے اس کے جمال کو جمالِ دُنیوی پر ترجیح دی ہے۔

وَاِنَّكَ تَزْدَرِیْ نُطْقِیْ وَ قَوْلِیْ　　وَ لَوْ صَادَفْتَهُ مِثْلَ اللَّاٰلِیْ

تو میرے کلام اور میری بات کو حقیر سمجھتا ہے خواہ تُو نے اسے موتیوں کی مانند پایا ہو

یہاں تک تو مرسلین کے مشاہدات اور جذبات کا ذکر ہوا ہے۔ کچھ باتیں اُن کے اکتسابِ فن کے بارے میں ان ہی کی زبان میں بھی ہونی چاہئیں۔

جہاں تک اُن کی ادبی استعدادوں اور اکتسابِ فن کا خدا تعالیٰ کے تصرّفِ خاص کے تحت تشکیل پانے کا عمل ہے وہ تو قرآن کریم کی روشنی میں بیان ہو چکا ہے اب یہ دیکھتے ہیں کہ مرسلین کرام اس بارے میں خود کیا فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے بات تو اُس ہستی کی کرتے ہیں جو حضرت اقدس اور ہم سب کا آقا اور مطاع ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ۔

یہ بات تو معروف عام ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں شعر وسخن کا دور دورہ تھا اور ہر شخص کسی نہ کسی حد تک سخن فہمی اور شعر دانی کا ملکہ رکھتا تھا مگر اُس ماحول میں سب سے اعلیٰ ادبی فصاحت و بلاغت ہمارے آقا اور مطاع کی سمجھی جاتی تھی اور آپ کو ''افصح العرب'' کہا جاتا تھا

آثار میں ہے کہ آپ کی ادبی شان سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہُ نے آپ سے استفسار کیا

''مَنْ اَدَّبَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ''

یعنی اے اللہ کے رسول آپ کی ادبی تربیت کس نے کی ہے۔

اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ عَزَّ وَ جَلَّ''

یعنی یہ کہ مجھے میرے عزّ وجل خدا نے ادب کی تعلیم دی ہے۔

آپ کا یہ فرمان بھی تو ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا کئے ہیں۔

اب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کرتے ہیں اس مضمون میں آپ فرماتے ہیں

چوں حاجتے بود بادیبِ دگر مرا　　　　من تربیت پذیر زِ ربّ مہیمنم!

مجھے کسی اور اُستاد کی ضرورت کیوں ہو۔ میں تو اپنے خدا سے تربیت حاصل کیے ہوئے ہوں۔

اب دیکھ لیں کہ حضرت اقدسؑ کا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا اتحاد اور یگانگت ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے بھی یہی سوال کیا تھا اور جس کے جواب میں آپ نے وہی بات کی جو آپ کے آقا نے کی تھی۔

یہاں پر ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے یہ کہ حضرت اقدس نے اس شعر میں خدا تعالیٰ کے اسماءِ گرامی میں سے مُھَیْمِن کی صفت کو بیان کیا ہے اور مھیمن کے معنی نگران کے ہیں اور یہی بات ''لتصنع علیٰ عینی''

میں بیان ہوئی ہے۔''تا کہ میری نگرانی میں تیری پرورش ہو''

بات سے بات نکل رہی ہے عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس غزل میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنے جذبات کی نوعیت کو بھی بیان کیا ہے کہ وہ ذاتی رجحانات اور اکتساب فن سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایک عطائے ربّانی ہے۔ اور وصالِ باری تعالیٰ کی تجلّیات ہیں۔ جیسے فرماتے ہیں۔

ہیچ آگہی نبود زِ عشق و وفا مرا　　　خود ریختی متاعِ محبت بدامنم

مجھے عشق و وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ تو نے ہی خود محبت کی یہ دولت میرے دامن میں ڈال دی۔

ایں خاکِ تیرہ را تُو خود اکسیر کردۂ　　　بود آں جمالِ تُو کہ نمود است احسنم

اس سیاہ مٹّی کو تو نے خود اکسیر بنا دیا وہ صرف تیرا ہی جمال ہے جو مجھے اچھا لگا۔

ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبّد است　　　خود کردۂ بلطف و عنایات روشنم

یہ میرے دل کی صفائی زہد اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے نہیں بلکہ تو نے مجھے آپ اپنی مہربانیوں سے روشن کر دیا ہے

حضرت اقدسؑ کے اکتساب علم و ہنر اور صیقلِ قلب و نظر کے بارے میں ایک تفصیلی بیان اور بھی سُن لیں۔ آخری دو شعر تو بہت دلفریب اور دلربا ہیں۔ فرماتے ہیں۔

گر نہ او خواندے مرا از فضل وجود　　　صد فضولی کردمے بے سود بود

اگر وہ خود اپنے فضل و کرم سے مجھے نہ بُلا تا۔ تو خواہ میں کتنی ہی کوششیں کرتا سب بے فائدہ تھیں

از نگاہے ایں گدا را شاہ کرد　　　قصّہ ہائے راہِ ما کوتاہ کرد!

اُس نے ایک نظر سے اس فقیر کو بادشاہ بنا دیا اور ہمارے لمبے راستہ کو مختصر کر دیا

راہِ خود برمن کشود آں دلستاں　　　دانمش زِ انساں کہ گُل را باغباں

اس محبوب نے خود اپنا راستہ میرے لیے کھولا۔ میں یہ بات اس طرح جانتا ہوں جیسے باغبان پُھول کو

پُر زِ نورِ دلستاں شد سینہ ام　　　شد ز دستے صیقلِ آئینہ ام

محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

پیکرم شد پیکرِ یارِ ازل　　　کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل

میرا وجود اُس یار ازلی کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من　　　بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من

چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

نورِ حق داریم زیرِ چادرے از گریبانم بَرآمد دلبرے

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے۔

**ہرکہ در عہدم زِمَن ماند جُدا مے کُند بَر نفسِ خود جَور و جَفا**

جو میرے زمانہ میں مجھ سے جُدا رہتا ہے تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

**احــمَــد آخر زماں نامِ من است آخریں جامے ہمیں جامِ من است**

''احمد آخرِ زماں'' میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دُنیا کے لیے) آخری جام ہے۔

جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا ہے تخلیق ادب میں یہی اختلاف ان دونوں ادبوں کی نوعیت کو یکسر بدل دیتا ہے۔ زمینی ادب کی ترجیحات کو زمینی پسند و ناپسند اور یافت اور نایافت میں محدود کر دیتا ہے اور آسمانی ادب کی ترجیحات کو تمام تر محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال کے بیان اور اس کے عشق کے اظہار میں محصور کر دیتا ہے۔

اب دیکھ لیں آپ حضرتؑ نے زمینی ترجیحات سے اور ان کے بیان سے کتنی دوری اختیار کر لی ہے۔ اور کیا عاشقانہ انداز ہے۔ فرماتے ہیں:

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں مَیں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار

اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار

**جس طرح تو دُور ہے لوگوں سے مَیں بھی دُور ہوں ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا راز دار**

اور عربی میں فرماتے ہیں۔ اس کلام کی فدائیت کا نظارا کریں۔

**اَنْــتَ الْــمُــرَادُ وَ اَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِــیْ وَ عَـلَیْکَ کُلُّ تَـوَکُّلِیْ وَ رَجَائِیْ**

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

**اَعْــطَیْتَــنِــیْ کَــأْسَ الْـمَحَبَّةِ رَیْقَهَــا فَشَــرِبْــتُ رَوْحَــاءً عَلٰی رَوْحَـاءِ**

تو نے مجھے محبت کی بہترین مَے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

**اِنِّــیْ اَمُــوْتُ وَ لَا یَــمُــوْتُ مَــحَبَّتِــیْ یُـدْرٰیْ بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِی**

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

اور فارسی میں ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' **(الانعام:163)** کے فرمان کی بہت ہی حسین تفسیر اور اپنے قلب کے حوالے سے واقعاتی تعبیر ہے۔

در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی

دونوں عالم میں تو ہی میرا پیارا ہے اور جو چیز میں تجھ سے چاہتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ ادبی اصطلاح میں جن ادبی اقدار کو ہم ''محرک'' شعر کہتے ہیں وہ ادب مرسلین میں تصرّفات الٰہیہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور یہی وہ ہمہ گیر تصرّفات باری تعالیٰ ہیں جو مرسلین کے کلام کو محبوبِ حقیقی کے پَرتوِ جمال کے حصار میں محصور رکھتا ہے اور اُسی کے حُسن کی تجلیات کے بیان میں اور اُسی کے وصال کی تڑپ اور شوق میں اُن کی نغمہ سرائی ہوتی ہے۔

اور پھر ایسے ہوتا ہے کہ محبوبِ حقیقی بھی اُن کی زبان پر ہر اعتبار سے پاکیزہ کلام جاری کرتا ہے اور اُن مضامین کی تعلیم دیتا ہے جن سے باری تعالیٰ کا حُسن و جمال ظاہر ہو اور اُس کی محبت اور وصال کی تمنا دل میں زندہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (**الحج** 25:)

اور وہ ہدایت دیے جاتے ہیں پاکیزہ کلام کی طرف اور وہ ہدایت دیے جاتے ہیں صاحب حمد و ثنا خدا کے راستے کی طرف۔

زمینی محرکِ ادب تو اپنی کیفیت بدلتا رہتا ہے کبھی کوئی ایک جذبے کے تحت بیان کر رہا ہوتا ہے اور کبھی عین اُس جذبے کے خلاف بیان کرتا ہے۔ کبھی اُس میں جوش اور یقین ہوتا ہے اور کبھی وہ بے یقینی اور شکوک کا شکار ہو جاتا ہے چنانچہ وہ احساس اور مشاہدہ جو محرک ادب بنتا ہے وہ یکساں نتائج پیدا نہیں کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ دنیائے ادب میں ایک سے موضوعات پر بے شمار اظہار خیال ہوتا ہے اور اُس میں بے شمار اختلاف معنوی بھی ہوتا ہے اور اختلاف اسلوب بیان بھی۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ زمینی ادب بے یقینی اور شکوک کا شکار ہوتا ہے ادب میں ایک ایسا عام مشاہدہ ہے کہ ایک طفل مکتب بھی اس بیان کی تصدیق کر سکتا ہے۔ تاہم اساتذۂ شعر کے چند نمونے پیش کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو سکتی ہے۔ حافظؔ شیرازی کہتے ہیں۔

کس نہ دانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست  ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسِ می آید

کوئی نہیں جانتا کہ منزل مقصود کیا ہے، مگر اتنا علم ہے کہ قافلے کی روانگی کا جرس بج رہا ہے

رومیؔ کہتے ہیں۔

گفتند یافت می نشود جستہ ایم ما  گفت آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست

کہا گیا کہ بہت تلاش کے باوجود مقصود نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ جو نہیں ملا اُسی کی تو آرزو ہے

اِسی مضمون میں غالبؔ کہتے ہیں۔

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت  دیکھا کہ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے

اور

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ　　　جب آنکھ کھل گئی۔ تو زیاں تھا نہ سود تھا

محبوبِ حقیقی کے دیدار کی حسرت۔عرفان کامل کی تلاش میں ناکامی۔اور شک وگمان کی کیفیت میں طعنہ ہائے ''نایافت'' زمینی ادب کے غالب عناصر تخلیق ہیں۔اِس بنا پر وہ ادب یقین اور قطعیت کا حامل نہیں ہوتا اور نتیجۃً ایک بے اثر کلام ہوجاتا ہے۔

ادب پاروں کا مؤثر ہونا ادبی اقدار میں ایک اہم ترین قدر ہے۔ایک ایسی قدر جو دیگر تمام اقدار کا مقصود ومطلوب ہوتی ہے۔اگر یہ مفقود ہو تو دیگر تمام اقدار ادب کا قیام ایک کارِلا حاصل ہوتا ہے۔ادبِ عالیہ میں جس قدر کو اسلوب اور ابلاغ کہتے ہیں وہ اپنے آخری تجزیہ میں مؤثر کلام ہی کا نام ہے۔اس مضمون میں غالبؔ کا ایک سادہ اور سلیس مگر عظیم الشان شعر ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا　　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی یہ کہ کلام کی لذّت وشان تو اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ وہ سامع کے جذبات کو زندہ اور مشتعل کرے۔ادبی شاہ پاروں کا ابلاغِ کامل اسی طور سے ہوتا ہے کہ کہنے والے اور سننے والے۔شاعر اور سامع کے رجحانات قلبی اور ذہنی ترجیہات میں باہم یک رنگی اور اتحاد پیدا ہوجائے۔

حضرت اقدس نے بھی اس مضمون کو بہت درد سے بیان کیا ہے۔

اگر از روضۂ جان و دل من پردہ بر دارند　　　بہ بینی اندراں آں دلبرِ پاکیزہ طلعت را

ترجمہ۔اگر میرے جان ودل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تُو اُس میں اُس پاکیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا

**فروغِ نورِ عشقِ اُو زِ بام و قصرِ ما روشن　　　مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را**

اُس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بام وقصر روشن ہیں۔لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو

اس مضمون میں قرآن کریم کے لاتعداد فرمودات ہیں یعنی یہ کہ ہدایت اُسی کو ملتی ہے جس دل میں کوئی کرن محبتِ الٰہی اور خشیت الٰہی کی روشن ہو۔

قرآن کریم میں اوّل قدم پر ہی فرما دیا گیا ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۔یعنی صرف صاحب تقویٰ انسان کو یہ قرآنی ادب پارے تلاشِ محبوبِ حقیقی میں مدد دے سکتے ہیں۔دوسرے مقام پر قرآن کریم کی تاثیر کے بیان میں فرمایا:

تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ (الزمر:24)

حضرت اقدس اس فرمانِ خداوندی کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں** (یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دِلوں پر غالب ہو جاتی ہے اِس لیے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں) وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ قرآن کریم کے ادب پاروں کا دل و دماغ پر اثر اُسی انسان کے ہوسکتا ہے جس کا دل خشیتِ الٰہی سے معمور ہو۔ اور اس کے دل میں محبّت الٰہی کا چراغ روشن ہو۔

حضرت اقدس نے اِس حقیقت کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

فرماتے ہیں:

رازِ قرآں را کُجا فہمد کسے　　　بہرِ نورے، نورے باید بسے!

کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نورِ باطن ہونا چاہیے

نُور را داند کسے کو نُور شد　　　و از حجابِ سرکشی ہا دُور شد

نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو۔ اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو

**ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است　　　اندر و شرطِ تطہّر بودہ است**

یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے پاک ہونے کی شرط ہے

یہ بات تو واضح ہے کہ جس طور سے قرآن کریم خدا تعالیٰ کی محبت اور عرفان کی راہ دکھاتا ہے۔ اُسی طور پر اس کے مرسلین بھی دکھاتے ہیں۔ ان کے مشاہدات اور جذبات ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت اور اس کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور پھر نتیجۃً ان کے کلام کی تمام ترجیحات محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال کا بیان و اظہار ہوتی ہیں۔

خاکسار یہ سمجھتا ہے کہ یہی حقیقت اور ''چیز'' ہے جس کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے کلام کی منفرد نوعیت اور ممتاز کیفیت کو بہت محبت سے آپ کو الہام کیا ہے۔

''در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست۔ كَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ۔''

(ترجمہ) تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔　　　(تذکرہ، ایڈیشن چہارم، صفحہ ۵۹۵۔ مطبوعہ 2004ء)

حضرت اقدس کے کلام کی تخلیق اور ترجیحات شعر کا مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تصرّفات کے تحت پیدا ہونا اور اس کے حکم کے مطابق ابلاغِ رسالت کرنا ہی وہ عنصر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ''چیز یست'' کا نام دیا ہے اور یہی وہ محرّکِ ادب ہے جو تمام مرسلین باری تعالیٰ کو دیا جاتا ہے اور اس عنایتِ خاص میں دیگر ''شعراء'' کو دخل نہیں ہوتا اور اسی بنا پر مرسلینِ باری تعالیٰ کا مکتبِ شعر زمینی شاعروں کے مکتبِ شعر سے ممتاز اور جداگانہ نوعیت کا ہو جاتا ہے۔

آخر پر ہماری گذارشات کی تائید اور تصدیق میں حضرت اقدس کے اس فرمان کو بھی دیکھ لیں جو اس مضمون کی روح کو اس قدر صدق اور یقین سے بیان کر رہا ہے جو کہ ایک مرسل باری تعالیٰ کا ہی منصب ہوسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

> اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں۔ کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لیے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ **میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔**
>
> (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد3 صفحہ 403)

اب ہم اس مقام پر ہیں کہ یہ بیان کریں کہ مرسلین باری تعالیٰ کی اِس منفرد تعلیم و تدریس کے مضامین اور موضوعات کیا ہیں جو کہ اس درس گاہ کا نصاب بنتے ہیں۔ اور جن کے اظہار اور افشا کا حکم بارگاہِ الٰہی سے دیا جاتا ہے۔

☆

# حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر

اس سے قبل میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت اقدس کے محرکاتِ تخلیقِ ادب اور آپ کی ادبی ترجیحات کی ممتاز نوعیت کی بنا پر آپ کا ادب ایک منفرد اور جداگانہ مکتبِ ادب ہے۔

اس امر کے شواہد پیش کرنے کے بعد ہم اس مقام تک پہنچے ہیں کہ آپ کے اختیار فرمودہ موضوعات ادب کو بیان کریں۔ دراصل یہ ترتیب تو ادبی دستور اور روایت کے تحت اختیار کی گئی ہے وگرنہ حقیقت تو یہی ہے کہ ادیب کے تخلیقی محرّکات کا علم دراصل اس کے ادب پاروں سے ہی ہوتا ہے۔ یعنی یہ علم اور شعور کہ اس کے ذہنی رجحانات کیا ہیں۔ اور اس کو کن وارداتِ قلبی نے ایک خیال اور جذبے کو الفاظ کا قالب دینے پر مجبور کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ادیب کے موضوعاتِ شعر ہی اس کے قلب و نظر کا راز فاش کر رہے ہوتے ہیں۔

یہی حقیقت جس کو بیان کرنا مجھے مشکل معلوم ہو رہا ہے غالبؔ نے کس قدر سادہ اور سہل انداز میں بیان کر دی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ  شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اگر اس شعر کے وزن سے صرفِ نظر ہو سکے تو ''انتخاب'' کی جگہ موضوعات کا لفظ رکھ دیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادیب کے محرّکاتِ ادب اور ترجیحاتِ قلبی کا علم ان موضوعات سے ہوتا ہے جن کو وہ اختیار کرتا ہے۔ ایک اعتبار سے ''انتخاب'' بھی ایک نوعیت کی ''تخلیق'' ہی ہوتی ہے کیونکہ دونوں عمل اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

اتنا کچھ کہنے کے باوجود ہماری ترتیب میں زیادہ ردّ و بدل کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ہم نے حضرت اقدسؑ کے محرکات ادب کے بیان میں آپ کے کلام کا وہ موضوع قدم قدم پر پیش کر دیا ہے جو آپ کے شعری موضوعات کی جان اور روح رواں ہے اور ایک ایسا نقطہ مرکزی اور محور ہے جس کے گرد آپ حضرتؑ کے تمام شعری موضوعات طواف کرتے ہیں۔

(۱) یعنی واحد و حید خدا کی محبت کا قیام اور ابلاغِ رسالت۔

(۲) آپ کے کلام کی یہ نوعیت کہ وہ خالصۃً اور کلیۃً محبتِ الٰہی اور اس کے حصول کے آداب کے اظہار میں بیان ہوا ہے اور محبوبِ حقیقی کی طرف سے 'تنزیل' کے طور پر ایک پیغام خداوندی ہے۔ دنیائے ادب میں ایک ایسی منفرد شان اور خوبی ہے کہ شاید اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام میں آپ کے کلام کی ایسی تعریف و مدحت بیان کی ہے۔

الہام حضرت اقدسؑ

"در کلام تو چیز یست کہ شعراء را در آں دخلے نیست"

(تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شاعروں کو نصیب نہیں ہوئی)

لفظ "کلام" کو کسی شاعر کی ایک آدھ غزل یا نظم کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اس لفظ کو اُسی موقع پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ کسی شاعر کے تمام مجموعۂ کلام اور اِفاضاتِ شعری کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں کسی ایک زبان کی قید بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے خاکسار کی دانست میں "چیز" کہہ کر اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے تمام کلام کی روح رواں ہے اور جس نے آپؑ کے کلام کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی محبوبِ حقیقی کی محبت میں تسلیم ورضا اور ابلاغِ رسالت باری تعالیٰ کرنا۔

محاسن کلام کی مکمل پاسداری کے ساتھ آپ کے کلام کی یہ خصوصیت دنیائے ادب میں ایک منفرد اور ممتاز خوبی ہے۔ مغربی ادیبوں کو تو یہ سعادت نصیب ہی نہیں ہوئی۔ مگر مشرقی اور اسلامی ادیبوں میں بھی کوئی شاعر ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی ادبی اور شعری تخلیقات کا محور کاملۃً محبت الٰہی کے مضامین کو بنایا ہو۔

حمد وثناء باری تعالیٰ اور نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ایسے موضوعات ہیں جو مشرقی ادب میں مقبول عام ہیں۔ مناجات کا موضوع بھی ایک حد تک مقبول ہے اور جستہ جستہ اشعار محبتِ الٰہی اور وصالِ باری تعالیٰ کی تمنا میں مل جائیں گے۔ خواہ وہ مجاز اور استعارہ کی راہ سے ثابت ہوتے ہوں۔

ابلاغِ رسالت کا موضوع تو ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ یہ کام تو ایک مرسل باری تعالیٰ ہی کو کرنا ہوتا ہے مگر اگر کسی قدر محبتِ الٰہی کے بیان کا سرمایۂ ادب دستیاب ہے تو وہ فارسی زبان میں ہے۔ دراصل فارسی زبان کے ادیبوں نے ہی یہ کوشش کی ہے کہ وہ زمینی قیدو بند سے آزاد ہو کر فنا پذیر اقدارِ حسن و جمال اور عشق ومحبت سے بلند تر حسنِ ازل اور محبوب لم یزل کی طرف پرواز کرے مگر فارسی ادب میں کوئی ایسا شاعر نہیں ملے گا جو کامل طور پر حریم قدس کا باسی ہو اور اسی بارگاہ سے اس کو قابلیت اور استعداد عطا ہوئی ہو اور وہ اُسی نور کا پرتو ہو جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا فانی فی اللہ اور عاشق رسولؐ اسلامی ادب کے آسمان پر کبھی طلوع ہی نہیں ہوا تھا۔ کسی کو محبوبِ حقیقی اور محبوب خدا کا ایسا وصال نصیب نہیں ہوا تھا کہ اس کی انتہاء میں یہ کیفیت ہو کہ محبوب اور محبّ اور عاشق اور معشوق میں امتیاز مشکل ہو جائے اور یہ صورت ہو جائے۔

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

ترجمہ:۔ میں تُو ہوگیا ہوں اور تُو میں ہوگیا ہے میں جسم ہوگیا ہوں تُو جان ہوگیا ہے (یہ اس لیے ہوا ہے) تا کہ کوئی (بعد میں) یہ نہ کہہ سکے کہ میں اَور ہوں اور تُو اَور ہے۔

دراصل تمام مرسلین باری تعالیٰ کا یہی مرکزی موضوع ہوتا ہے اور اسی محور کے گرد ان کا کلام طواف کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو انبیاء اور مرسلین کے کلام اور دیگر شعراء کے کلام میں ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ ''چیز'' ہے جو الہام حضرت اقدسؑ میں بیان ہوئی ہے۔

دوبارہ سن لیں۔

''در کلامِ تو چیزیست کہ شعراء را درآں دخلے نیست''

ترجمہ:۔ تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جو دیگر شاعروں کو عطا نہیں ہوئی

یہ جو کہا گیا کہ محبتِ الٰہی اور احکام الٰہی کی ترسیل کے مضامین کو مُستقلاً اختیار کرنے میں حضرت اقدسؑ کی ایک منفرد اور ممتاز ہستی ہے اس سے صرف یہ مراد ہے کہ دنیوی شعراء کے مقابل پر ایسا ہے۔

وگرنہ حق تو یہ ہے کہ اس منفرد نوعیت کا کلام تو تمام انبیاء اور مرسلین کا مجموعی ورثہ ہے اور ایسا وراثتی انعام ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر آدم ثانی یعنی حضرت اقدسؑ تک درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا ہے۔

حضرت ایوبؑ کی گریہ وزاری اور حضرت داؤدؑ کے مزامیر اور حضرت سلیمان کی امثال اور غزل الغزلات اور اُس سے بڑھ کر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم ۔ یہ سب ادبی شاہکار ہیں۔ اپنی ہیئت میں آج کے شعری اسلوب سے قریب تر بلکہ شعر ہی ہیں۔

شعر کی تعریف میں مخصوص اوزان اور بحور کی قید اور ارکان افاعیل کی ایجاد بعد کی ہے۔ اساتذہٴ شعر وادب نے بھی اس شرط کو ہر مقام پر قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ قرآن کریم تو اس شرط کو یکسر قبول نہیں کرتا۔ قرآن کا ایک اپنا زیر وبم اور آہنگ ہے جو بہت دل پذیر ہے۔ قرآن کریم جہاں پر عقلی استدلال اور علمی تعلیم وتدریس بیان فرماتا ہے وہاں نثر کا انداز ہے اور یہی نثر کا منصب ہے۔ اور جس مقام پر باری تعالیٰ اپنی ذات وصفات کی عظمت وجلال اور اپنا حسن وجمال بیان فرماتا ہے۔ وہاں پر اس کا طرز بیان شعری اسلوب پر ہے کیونکہ قلب وروح کی تسخیر اور عشق کے جذبے اسی سے زندہ ہوتے ہیں یہی وہ اسلوب ادبِ عالیہ ہے جس وجہ سے وہ بے مثل ہونے کا مدّعی ہے۔

زُمرۂ انبیاء کے کلام کے موضوعات کی یہ بنیادی خصوصیت درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی ہمارے آقا اور مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کامل نور اور حُسن و جمال کیساتھ جلوہ نما ہوتی ہے اس کامل تجلّیءِ نور کے بیان میں حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہرِ انورے

ہر رسول سچائی کا سورج تھا۔ ہر رسول روشن آفتاب تھا

ہر رسولے بود ظلّے دیں پناہ ہر رسولے بود باغ مُثمرے

ہر رسول دین کو پناہ دینے والا سایہ تھا اور ہر رسول ایک پھلدار باغ تھا

آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متّحد در ذات و اصل و گوہرے

وہ سب ایک سیپی کے سو موتی ہیں۔ جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں

اوّل آدمؑ آخرِ شاں احمدؐ ست اے خنک آں کس کہ بیند آخرے

اُن میں پہلا آدمؑ اور آخری احمدؐ ہے۔ مبارک وہ جو آخری کو دیکھ پائے

**انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے**

تمام نبی روشن فطرت رکھنے والے ہیں۔ مگر احمدؐ اُن سب سے زیادہ روشن ہے۔

اب دیکھ لیں سب انبیاء آفتاب صدق یعنی محبوبِ حقیقی کے مظہر ہوتے ہیں اور دین اور روحانیت ان کے موضوعات ہوتے ہیں اور ان عنوانات میں وہ سب مشترک اور ہم زبان ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے لیکر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مثیل اور مہدی آخر زمان تک قائم و دائم رہتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ محبوبِ حقیقی کی ذات وصفات اور اس کے عشق کے بیان میں آنخضرتؐ کے فرمودات دیگر انبیاءؑ سے روشن تر اور خوب تر ہیں۔

آپ حضرتؑ نے اردو میں ہی اس مضمون کو بہت پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اُس کا ہے مُحَمَّدؐ دل بر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے

اس پر ہر اک نظر ہے **بدر الدّجٰی** یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے

وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثناء یہی ہے

محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول اکرمؐ کے اساسی موضوعات پر ہمارے پیارے امام آخر زمان کا یہ کلام بھی سُن لیں اور مشاہدہ کریں کہ ان موضوعات سے ان کا کیسا اتحاد جسم و جان ہے۔ محبتِ الٰہی کے بیان میں فرماتے ہیں:

پُر زِ نورِ دلستاں شد سینہ ام شد ز دستے صَیقلِ آئینہ ام

محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

پیکرم شُد پیکرِ یارِ ازل کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل

میرا وجود اُس یار ازلی کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا

**بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من**

چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

**نورِ حق داریم زیرِ چادرے از گریبانم برآمد دلبرے**

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر مرے گریبان میں سے نکلا

**اَحْـمَـدِ آخر زماں نامِ من است آخریں جامے ہمیں جامِ من است**

''احمد آخر زماں'' میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دنیا کے لیے) آخری جام ہے

اور عشقِ رسول اکرمؐ کی کیفیت کو بھی مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں:

ہم چنیں عشقم بروئے مصطفٰے دِل پَرد چوں مُرغ سوئے مُصطفٰے

ایسا ہی عشق مجھے مصطفٰے کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفٰے کی طرف اُڑ کر جاتا ہے

تا مرا دادند از حسنش خبر شد دلم از عشقِ اُو زیر و زبر

جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

محو روئے او شد است ایں روئے من بوئے او آید زِ بام و کوئے من

یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں　　　　من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں

از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

اس مقام تک تو یہ بات ہوئی ہے کہ حضرت اقدسؑ کے کلام کی تخلیق کاملۃً وکلیۃً الٰہیات کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہے اور ان مضامین کا مرکزی نقطہ اور محور محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول اکرمؐ ہے۔ یعنی آنحضرتؐ کے نائب کے طور پر ابلاغ کرنا۔ مگر جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تھا کہ حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ شعری تمام تر قرآن کریم کے موضوعات ہیں۔ اس لیے ہم مختصراً دو بنیادی فرمودات قرآن پیش کرتے ہیں۔ اوّل تو وہ فرمانِ خداوندی ہے جو ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام : 164،163)

حضرت اقدس ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اُن کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میری جدّ وجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لیے ہے۔ اور اس راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا ربّ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے''

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

''یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا میں گم اور محو گئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض اللہ کے لیے ہوگئی تھی۔''

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ...الی الآخر　　　(محمّد: 20)

''کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ کلمہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود اور مقصود خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ''اللہ'' کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے''

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کرلیں کہ قرآن کریم کا وہ موضوع جس پراس کی تعلیم کی اساس ہے وہ محبتِ الٰہی ہی ہے۔اب ایک ارشادِخداوندی ابلاغِ رسالت کے موضوع پربھی سن لیں۔اللہ تعالیٰ سورۃ ھود میں فرماتا ہے:

کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ (ھود: 3,2)

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ...الی الآخر (ھود: 4)

حضرت اقدسؑ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے **الّا تعبدوا الّا اللّٰہ**....خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو‘‘

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’چونکہ یہ **تعبّدِ تام** کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کرسکتا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں‘‘

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

(**ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ .......**) کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

’’یعنی خدا کی طرف رجوع کرو‘‘ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ سب ارشاد قرآنی ابلاغِ رسالت کے مضمون میں ہے کہ اس موضوع کے مطابق ابلاغِ رسالت ہو۔

اس مقام تک تو موضوعات کلام حضرت اقدسؑ کے تین بنیادی موضوعات کا ذکر ہوا ہے تین ایسے موضوعات جو قرآن کریم کے اتّباع میں اور خدا کے حکم کی بجا آوری میں آپ نے اختیار فرمائے ہیں اور دراصل انہی موضوعات کے تحت دیگر تمام موضوعات حضرت اقدسؑ آتے ہیں

اوّل خدائے واحد کی محبت۔

دوم۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع اور محبت۔

سوئم۔آنحضرتؐ کے مثیل اور نائب ہونے کے اعتبار سے بشیر و نذیر بن کر ابلاغِ رسالت۔

چہارم درجہ پر مناجات اور دعا جیسا کہ **وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ** کا فرمان ہے۔ان تمام مضامین کو آپ نے ان دو اشعار میں بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔جیسے فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشقِ محمد مُخمّرم    گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

خدا کے بعد میں محمدؐ کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفٰے    این است کامِ دل اگر آید میسّرم!

میری جان مصطفٰے کے دین کی راہ میں فدا ہو۔ یہی میرے دل کا مدّعا ہے کاش میسّر آجائے

اس مقام تک جو بیان ہو چکا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ کلام خالصۃً اور کلیۃً خدا تعالیٰ کے حکم اور منشاء کے مطابق ہیں اور یہ کہ صرف حضرت اقدسؑ ہی نہیں بلکہ تمام مرسلین باری تعالیٰ کے موضوعات کلام اِسی محور کے گرد گھومتے ہیں اور کیونکہ خدا تعالیٰ کا منشاء کامل اور آخری اظہار قرآن کریم ہے اس لیے قرآن کریم کے فرمودات کو بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ آپ حضرتؑ کے بنیادی موضوعاتِ شعری چار ہیں۔

(۱)محبتِ الٰہی۔   (۲)عشقِ رسولؐ   (۳)ابلاغِ رسالت   (۴)مناجات

یہ آپؑ کے کلام کے سرخیل ہیں اوّل تو یہ کہ آپ نے تینوں زبانوں میں ان موضوعات پر کثرت سے کلام کیا ہے۔اور دوسرے یہ کہ اگر یہ موضوعات نہ بھی ہوں تو کسی نہ کسی طور سے آپ کے کلام میں یہ عنواناتِ شعر نقاب کشا ہو جاتے ہیں۔

آپ کے کلام کی یہ ایک دلفریب ادا ہے۔محبتِ الٰہی۔عشقِ رسولؐ۔ابلاغِ رسالت اور مناجات کی آپ سے کچھ ایسی وابستگی ہے کہ موضوع کوئی بھی ہو یہ عنوانات شعر چہرہ نما ہو جاتے ہیں۔

کسی نے بہت خوب کہا ہے:۔

ماطفلِ کم سواد سبق قصہ ہائے دوست    صد بار خوانده و دگر از سر گرفتہ ایم

ترجمہ:۔ہم ایسے کم ہنر شاگرد ہیں کہ دوست کی کہانی سو بار پڑھنے کے باوجود اس کو پھر سے شروع کر دیتے ہیں۔ (''کم سواد'' سے مراد عاشقِ زار ہے کہ محبوب کا ذکر بار بار کرنا چاہتا ہے)

مگر ان اشعار سے بہت بہتر اور واضح حضرت اقدسؑ کا شعر ہے فرماتے ہیں۔

عاشقِ زار در ہمہ گفتار    سخنِ خود کشد بجانبِ یار

ترجمہ:۔ عاشق زار اپنی ہر گفتگو کو محبوب کے ذکر کی طرف پھیر لیتا ہے۔

بات حضرت اقدسؑ کے بنیادی موضوعاتِ شعری کی ہو رہی تھی کہ ان موضوعات پر حضرت کے سرمایۂ شعری کی اساس ہے۔مگر اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ آپ حضرت کے دیگر موضوعاتِ شعر کم اہمیت

رکھتے ہیں البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے دیگر تمام موضوعات ان ہی بنیادی موضوعات کے ذیل میں آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ الٰہیات ایک مربوط موضوع علم وادب ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات وصفات اس کی تجلیات کے تمام مظاہر اس کی تخلیق اس کے دائرہ ادب میں آتے ہیں۔ ان سب کا باہم ایک رابطہ ہے جیسے ایک زنجیر کی کڑیاں ہوں اور زنجیر عروۂ وثقیٰ سے منسلک ہو۔

اس لیے حضرت اقدسؑ کے تمام عنوانات شعر ایک ہستی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ان کا محبوبِ حقیقی ہے یعنی باری تعالیٰ عزّ و جل۔ آپ حضرتؑ نے اس مضمون کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

اور فارسی میں اس حقیقت کو بے انتہا درد کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ہر سوئے و ہر طرف رخِ آں یار بنگرم

آں دیگرے کجاست کہ آید بخاطرم

ترجمہ: میں ہر طرف اور ہر جانب اُس یار کا چہرہ دیکھتا ہوں۔ پھر اور کون ہے جو میرے خیال میں آئے۔

اور افسوس سے کہتے ہیں:

اے حسرت ایں گروہِ عزیزاں مرا ندید

وقتے بہ بینندم کہ ازیں خاک بگذرم

ترجمہ: افسوس کہ عزیزوں نے مجھے نہ پہچانا۔ یہ مجھے اس وقت جانیں گے جب میں اس دُنیا سے گزر جاؤں گا

آپ حضرتؑ کے بنیادی موضوعات کے ذیل میں جن عنوانات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلامی ادب میں ان کی ایک نادر اور منفرد مثال ہے۔

اوّل اس اعتبار سے کہ کسی شاعر اور ادیب نے ان موضوعات کو اپنے کلام کے لیے اختیار نہیں کیا۔ عربی۔ فارسی اور اردو کے سرمایۂ ادب کی چھان بین کر کے دیکھ لیں کہ ان موضوعات پر کسی کے دل میں وہ تڑپ اور محبت پیدا نہیں ہوئی جو ایک جذبے کو شعر کی صورت دینے کا باعث ہوتی ہے۔

ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ کسی ادیب کو دین اسلام کے احیاء کی خدمت کا منصب عطا نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی ایسا قرب ولقاءِ باری تعالیٰ تھا کہ وہ ان مضامین کو اپنے دل وجان پر وارد کر کے حکم خداوندی کی بجا آوری میں نغمہ سرائی کرتا۔

ان موضوعات میں سب سے اوّل تو نعتِ قرآن کریم ہے کہ اسلامی ادب میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا اگر کسی نے کچھ کہا ہے تو وہ بھی بر سبیل تذکرہ کہا ہے اپنے کلام کا موضوع نہیں بنایا۔ جیسے حالؔی نے منصب رسول اکرمؐ کے بیان میں کہہ دیا۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　　اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا　　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

اچھی بات ہے مگر بر سبیل تذکرہ ہے اور قرآن کریم کی عظمت کو قدرے تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ صاف نظر آرہا ہے کہ اختصار مطلوب ہے۔ اس طور پر مسلمان شاعروں میں ایک دو شعر مل جائیں گے اور بس۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

سرسری اُن سے ملاقات تھی گاہے گاہے　　　صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہِ گاہے

مگر دوسری طرف حضرت اقدسؑ کو دیکھو کہ قرآن کریم کی محبت اور عظمت کے بیان میں آپ ایک عاشق کی طرح سے رطب اللسان اور کثیر البیان ہیں۔ آپ نے کتنی سچی بات کی ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

اور فرماتے ہیں

زِ عشاقِ فرقان و پیغمبریم　　　بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہم قرآن اور آنحضرتؐ کے عاشقوں میں سے ہیں اسی پر ہم آئے ہیں اور اسی حالت میں گذر جائیں گے۔

دوسرا موضوعِ شعر جو اسلامی ادب میں ناپید ہے وہ ''صداقت اور حمایتِ دینِ اسلام'' ہے اگر چند اشعار کہیں ملتے ہیں تو مسدس حالی میں مگر وہ بھی بنیادی طور پر قومی اور ملی گم گشتہ عظمت وشان کا نوحہ ہے یہ بات تو درست ہے کہ حالی حقیقی تعلیم اسلام کو فراموش کرنے کو اور اسوۂ رسول اکرمؐ سے بے اعتنائی برتنے کو ہی ملّی اور قومی انحطاط وشکست کا موجب سمجھتے تھے مگر اُنہوں نے قرآن کی صداقت اور اس کی تعلیم کی عظمت کو ایک موضوع کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ چند اشعار سن لیں:

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی　　　نہ اس میں ہے اسلام کی شان باقی

نہ وہ جاہ وحشمت کے سامان باقی　　　پر اس حال میں بھی ہے اک آن باقی

بگڑنے کا گو ان کا وقت آ گیا ہے
مگر اس بگڑنے میں بھی اِک ادا ہے

آپ دیکھ لیں حالیؔ اسلام کی شان کو دنیا کی جاہ وحشمت کا حصول سمجھتے ہیں یا اگر بہت نرمی سے تجزیہ کیا جائے تو دنیا میں اقتدار اور بادشاہت کے ختم ہونے کو اسلامی تعلیم سے دور ہونے کی وجہ گردانتے ہیں۔ دوسری طرف نگاہ کریں کہ حضرت اقدسؑ دین اسلام کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی میں اس کی شان اور عظمت گردانتے ہیں۔ فرمایا:

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ھُدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
ملتی ہے بادشاہی اس دیں سے آسمانی
اے طالبانِ دولت ظلّ ہما یہی ہے
سب دیں ہیں اک فسانہ شرکوں کا آشیانہ
اس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے

اب دیکھ لیں کہ دونوں نظریات میں کس قدر تفاوت راہ ہے۔

آپ حضرت کا تیسرا اور چوتھا موضوعِ شعر جو کہ اسلامی ادب میں بے نام ونشان ہے ان کے عنوان ''نعت صحابہ کرامؓ'' اور ''ضرورت الہام'' ہے۔

اوّل تو موضوعاتِ شعری میں ''بعد از تلاش بسیار'' چند اشعار مل جاتے ہیں تو ان دو عنوانات میں تو وہ بھی دستیاب نہیں۔

اس کی حقیقی وجہ تو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی فدائیت اور عشقِ رسول اکرمؐ کی حقیقی عظمت کا شعور اُسی کو ہوسکتا ہے جو رسول اکرمؐ پر اُسی طور سے جان ودل نثار کرتا ہو جیسے کہ آپ کے صحابہ کرتے تھے۔ جیسے فرمایا۔

مسیح وقت اب دنیا میں آیا	خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا	صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مےَ ان کو ساقی نے پلا دی
**فسبحان الذی اخذی الاعادی**

اگر نعتِ صحابہؓ ادب میں مفقود ہے تو ضرورت الہام کا عنوان تو یکسر اور یک قلم ناپید ہے۔ ایسا ہونا لازم ہی تھا۔ کیونکہ الہام الٰہی کی عظمت اور شان کو اور اُس کی برکت سے تسکین اور یقین کامل کی کیفیات کو وہی بیان کرسکتا ہے جو صاحب وحی والہام ہو اور صرف صاحب وحی اور الہام ہی نہیں بلکہ جس کو حضرت اقدسؑ کی طرح سے

کثرت مکالمہ ومخاطبہ باری تعالیٰ نصیب ہو۔اور جو اس طور سے عاشق محبوبِ حقیقی ہو کہ ہمہ وقت حسن و جمال یار کے آثار کا متلاشی ہو

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی　　حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

ہم نے حضرت اقدس کے تمام موضوعاتِ شعری کو بیان نہیں کیا آئندہ میں وہ عنوانات اپنے مقام پر آئیں گے اس وقت حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ شعری کے بنیادی عناصر کو بیان کر کے چند ایک ایسے موضوعات بیان کیے ہیں جو اسلامی ادب میں یکسر ناپید اور بے نام ونشان ہیں۔

ایسا ہونا بھی لازم تھا کیونکہ ان موضوعات کی تخلیق کے لیے ایک ایسی ہستی کے ظہور پُرنُور کی ضرورت تھی جو ان کیفیات اور مشاہدات کا مورد اور واصل ہو مگر تسلسل بیان میں اس حقیقیت کا اظہار بھی واجب ہے کہ اسلامی ادب میں ان شعری عنوانات کے نوادرات کو شامل کرنا آپ حضرتؑ کا اسلامی ادب پر ایک عظیم احسان ہے۔ اسلامی ادب کے لیے یہ ایک صرف اضافہ ہی نہیں بلکہ صداقت دین اسلام کے ثبوت فراہم کرنے کے اعتبار سے سرمایۂ افتخار و عظمت بھی ہے۔

مرسلین باری تعالیٰ کے اختیار کردہ موضوعات کلام کے تعلق میں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ زیر نظر کوشش میں ہم جس مرسل خدا مسیح دوراں اور مہدی آخر زمانؑ کے محسنات کلام کو پیش کررہے ہیں وہ اس زمرۂ مرسلینِ باری تعالیٰ کی ایک ایسی جلیل القدر ہستی ہے جس کو خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آنحضرتؐ کی وراثتِ عرفانِ الٰہی بھی نصیب ہے اور جو اس منصب کی برکت کی وجہ سے تمام گذشتہ رسولوں کی روحانی عظمتوں کا حامل بھی ہے۔جیسے فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　من بعرفان نہ کمترم زِ کسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں

**وارثِ مصطفٰی شدم بہ یقیں　　شدہ رنگیں برنگِ یار حسیں**

میں یقیناً مصطفٰی کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

**آنچہ داداست ہر نبی را جام　　داد آں جام را مرا بتمام**

جو جام اُس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اُس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے

اس منصب عالی کی تصدیق بلکہ ایک اعتبار سے تفصیل میں حضرت اقدسؑ کو اس عظیم الشان الہام باری تعالیٰ سے نوازا گیا ہے۔

چو دَور خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند
جب ہمارا شاہی زمانہ شروع ہواتو مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا
مقامِ اُو مبیں از راہِ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند
اس کے درجہ کوتحقیر کی نظر سے نہ دیکھ کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے

# حضرت اقدس کا ادب تین زبانوں میں اور اساتذۂ ادب سے تقابل

قبل میں بہت مرتبہ کہا گیا ہے کہ حضرت اقدسؑ کا ادب حکم خداوندی کی بجا آوری میں ابلاغِ رسالت کی غرض سے صادر ہوا ہے۔ دراصل ابلاغِ رسالت ہی وہ منبع ہے جس کے ذہن سے اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور اپنی اطاعت اور محبت کی تعلیم و تربیت جاری فرماتا ہے۔

قرآن میں مرسلین کو یہ حکم بار بار ہوا ہے کہ:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (المائدة:68)

ترجمہ: جو تجھ پر نازل ہوا ہے اس کا ابلاغ کر

اور مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (المائدة:100)

ترجمہ:۔رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہی فرض ہے

یہ ابلاغ ان کے ذاتی منصب کا نہیں ہوتا۔ بلکہ پیغام کی ترسیل کو بہترین انداز میں پیش کرنے کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرسلین کے بارے میں فرمانِ قرآن ہے۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم: 4,5)

یعنی انبیاء کا نطق و کلام ان کی ذاتی تمناؤں کے اظہار میں نہیں ہوتا بلکہ وحی الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اور اس کی نگرانی میں جاری ہوتا ہے اس مضمون کو حضرت اقدسؑ نے کس قدر خوبی سے بیان فرمایا ہوا ہے۔

مامورم و مرا چہ دریں کار اختیار رَو ایں سخن بگو بخداوندِ آمرم!

میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

حکم است ز آسماں بزمیں میرسانمش گر بشنوم نگویمش آں را کجا برم

آسماں کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں۔اگر میں اُسے سنوں اور لوگوں کو نہ سناؤں تو اُسے کہاں لے جاؤں

من خود نگویم اینکہ بلوحِ خدا ہمیں است گر طاقت ست محوکُن آں نقش داورم

میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوح محفوظ میں ہی ایسا لکھا ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو خدا کے لکھے ہوئے کو مٹا دے۔

آپ مشاہدہ کرلیں کہ مرسلین باری تعالیٰ کا منصب ادبی کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ ان کی نگارشات لوحِ محفوظ کے مندرجات ہوتے ہیں۔

عربی میں فرماتے ہیں:

وَمَا قُمْتُ فِی ھٰذَا الْمُقَامِ بِمُنْیَتِیْ وَیَعْلَمُ رَبِّیْ سِرَّ قَلْبِیْ وَ یَشْعُرُ

اور میں اس مقام میں اپنی خواہش سے کھڑا نہیں ہوا۔اور میرا خدا مرے دل کے بھید کو جانتا ہے۔

وَکُنْتُ امْرَءً اَبْغِیْ الْخُمُوْلَ مِنَ الصَّبَا مَتٰی یَاتِنِیْ مِنْ زَائِرِیْنَ اُصَعِّرُ

اور میں ایک آدمی تھا کہ بچپن سے گوشہ گزینی کو دوست رکھتا تھا۔جب کوئی ملنے والا میرے پاس آتا تو میں کنارہ کش ہوجاتا

فَاَخْرَجَنِیْ مِنْ حُجْرَتِیْ حُکْمُ مَالِکِیْ فَقُمْتُ وَلَمْ اُعْرِضْ وَلَمْ اَتَعَذَّرُ

پس مجھے حجرہ میں سے میرے مالک کے حکم نے نکالا۔پس میں اٹھا۔اور نہ میں نے اعراض کیا اور نہ تاخیر کی

وَلِلّٰہِ سُلْطَانٌ وَّ حُکْمٌ وَّ شَوْکَۃٌ وَ نَحْنُ کُمَاۃٌ بِالْاِشَارَۃِ نَحْضُرُ

اور خدا کے لیے تسلط اور حکم اور شوکت ہے۔اور ہم وہ سوار ہیں جو اشارہ پر حاضر ہوتے ہیں

اور اردو میں فرماتے ہیں۔

ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مُجھ کو پسند
شُہرتوں سے مُجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار

پر مُجھے تُو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا
میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار

اِس میں میرا جُرم کیا جب مُجھکو یہ فرماں مِلا
کون ہُوں تا رَدّ کروں حکمِ شہِ ذِی الاقتدار

اب تو جو فرماں مِلا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ مَیں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دِلفگار

دیکھ لیں کہ حضرت اقدسؑ کا کلام کس قدر حکم الٰہی کے تحت ہے۔

ان مشاہدات کی روشنی میں یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ گذشتہ میں جو آپ حضرت کے موضوعاتِ شعری بیان ہوئے ہیں وہ بھی دراصل آپ کی سوچ و بچار اور ذاتی ترجیحات کی بنا پر قائم نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کی غرض سے ظہور میں آئے ہیں۔

ادب مرسلین کی تخلیقی نوعیت کے تعلق میں یہ گذارشات دراصل قرآن کریم کے فرمان کی تفسیر اور تصدیق ہے۔فرمانِ خداوندی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الحاقة: 41تا44)

یعنی یہ کہ انبیاء کا کلام شاعر کا کلام نہیں ہوتا۔ نہ ہی کہانت ہوتی ہے۔ یہ تو ایک حکم خداوندی ہوتا ہے ''تنزیل''اس مقام پر''پیغام'' کے معنوں میں آیا ہے اس طرح سے کہہ لو کہ انبیاء کا کلام شعر تو ہوتا ہے مگر قول شاعر نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاعر کا کلام اس کے تخیل اور ذاتی جذبے سے ہوتا ہے اور مرسلین کا کلام تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہوتا ہے(الحاقة: 44)

یعنی اگر کوئی شعر خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے نازل ہو وہ''قول شاعر''نہیں ہوگا۔یہی وہ بات ہے جو حضور نے ان تینوں زبانوں کے اشعار میں بیان کی ہے۔آپ حضور نے''تنزیل'' کو فرمان الٰہی کے معنوں میں بیان کیا ہے۔اسی وجہ سے انبیاءؑ کا منظوم کلام شعر تو ہوتا ہے مگر قولِ شاعر نہیں ہوتا۔

ایک بار پھر سن لیں۔

**اب تو جو فرماں مِلا اسکا ادا کرنا ہے کام**
**گرچہ مَیں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دِلفگار**

اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ آپ حضرتؑ نے کبھی تاکیداً اور توجہ سے شعری ادب کو پیش نہیں کیا تو بالکل درست ہوگا کیونکہ آپ کا کلام ایک پیغام رسانی ہے اور حکم الٰہی کے تحت ہے۔

چنانچہ آپ کا ادبی سرمایہ کسی ادبی منصب کے اظہار کے لیے تخلیق نہیں ہوا بلکہ حکم خداوندی کی بجا آوری کے لیے تشکیل پایا ہے۔اور اگر یہ فرض ادا ہو جاتا ہے تو مزید کوئی مطلوب اور مقصود نہیں ہوتا۔اس امر کے اظہار کے لیے آپؑ فرماتے ہیں۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

کس قدر سادہ اور سلیس اور عام فہم بیان ہے۔(اس کو ادب میں ''سہلِ ممتنع'' کہتے ہیں)اور موقع اور محل بھی ایسا ہی تھا کیونکہ مقصود بیان شعری تکلفات سے صرفِ نظر کرنا تھا۔اس لیے شعر کو شعری نزاکتوں سے دور ہی رہنا چاہیے تھا۔

شعر گوئی بغرض شعر و شاعری سے انکار ہے۔اس لیے کہ شعر گوئی ایک ہُنر اور فن ہے اور آپ حضرتؑ کوئی فنّی

معجزہ دکھانا نہیں چاہتے اس لیے ڈھب کا لفظ استعمال کیا ہے ''ڈھب'' اردو زبان میں کسی فریضے کے قرینے سے ادا کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔یعنی جس سے مطلب پورا ہو جائے۔

خواجہ میر دردؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

میں نے تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
وہ مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

یعنی میری نظروں نے میرا پیغام پہنچا دیا۔

آپ کا یہ فرمان تو ہے کہ شعر گوئی میں آپ کا مقصد شعر و شاعری نہیں ہے۔مگر اس حقیقت کو کیسے فراموش کیا جائے کہ جن زبانوں میں آپ نے شعر کہے ہیں وہ ان زبانوں کے اسلوب کی مکمل پاسداری کے ساتھ کہے ہیں۔اور ایک صاحب زبان کی تمام لسانی خوبیوں اور ادبی حسن و جمال کیساتھ کہے ہیں۔

آپ حضرتؑ کا تین زبانوں کی مختلف اقدار ادب اور اسالیب بیان کی مطابقت میں کلام کرنا اور اس طرح سے کلام کرنا کہ آپ ان زبانوں میں اجنبی نہیں بلکہ اہل زبان معلوم ہوں۔اور پھر ایسا ہو کہ آپ کے اختیار کردہ موضوعات میں تینوں زبانوں کا کوئی بھی ادیب اور شاعر آپ کے حسنِ بیان کے مقابل پر دم نہ مار سکے ایک عظیم الشان ادبی معجزہ ہے ایک ایسا معجزہ جس کو ''تنزیل'' کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔یہی وہ بات ہے جو گذشتہ میں کہی جا چکی ہے۔آپ حضرت فرماتے ہیں:۔

چوں حاجتے بود بادیبِ دگر مرا
من تربیت پذیر زِ ربِّ مہیمنم

ترجمہ: مجھے کسی اور استاد کی ضرورت کیوں ہو۔میں تو اپنے خدا سے تربیت یافتہ ہوں

اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں تکرار بھی ہے اور قدرے طوالت بھی مگر شعر و سخن کے محاسن کی تلاش میں ہر راہ گذر اُسی ایک محبوب منزل کی طرف لوٹ آتی ہے اور محبوب کے محسناتِ ادبی کا ذکر ہو تو کیونکر طویل نہ ہو۔

حدیثِ دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد　　　　دگر از سرگرفتم قصّۂ زلفِ پریشان را

یہ دل کو لبھانے والی بات ہے اس لئے بات سے بات نکلتی ہے۔اس لیے میں نے پھر سے محبوب کی زلف پریشاں کا ذکر چھیڑ دیا ہے۔

دراصل گذشتہ میں جو کہا گیا ہے وہ حضرت اقدسؑ کی اس منفرد اور ممتاز ادبی شان کے تعارف کے طور پر ہے کہ ابلاغِ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے تعلق میں حضرت اقدسؑ کا ایک منفرد مقام ہے۔وہ ایسے کہ دیگر

تمام مرسلین باری تعالیٰ نے ابلاغِ رسالت کی خدمت اپنی قومی اور مادری زبان میں ادا کی ہے زمرۂ مرسلین علیہم السلام میں حضرت اقدس علیہ السلام کی ایک واحد شخصیت ایسی ہے جس نے ایک زبان سے زائد زبانوں یعنی تین زبانوں میں اس خدمت عالیہ کو سرانجام دیا ہو۔(اردو۔فارسی اور عربی)

ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپؑ نے ان تینوں زبانوں کے GENIUS یعنی روح رواں اور کلاسیکی معیار کو صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس کو مزید وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ہر زبان کی روح اور انتخاب الفاظ کو ملحوظ خاطر رکھنا اور تینوں زبانوں کے مزاج اور معنوی اسلوب کی پاسداری کرتے ہوئے اپنا ادبِ عالیہ تخلیق فرمایا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ مرسل اپنی قومی زبان میں ہی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ....(الخ)(ابراھیم:5)

(اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا ہے۔تا کہ وہ اُنہیں ہماری باتیں کھول کر بتائے)

اور حضرت سے قبل ایسا ہی ہوتا رہا۔مگر حضرت اقدسؑ کی بعثت کیونکہ رسول اکرمؐ کی امت کے مہدی اور مسیح کے طور پر تھی اور آپ نے امت محمدیہ کی اصلاحِ احوال کرنی تھی اور اُس کو دوبارہ صحیح اسلام پر لانا تھا اور اسوۂ رسول اکرمؐ کو زندہ کرنا تھا۔مگر وہ امت آپؑ کے وقت تک تین زبانوں میں پھیل چکی تھی یعنی عربی۔ فارسی اور اردو۔ اس لیے گو یہ ایک امتیازی اور منفرد خصوصیت ہے مگر درحقیقت اپنے آقاءِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی پاسداری میں عطا ہوئی ہے اور اس واقعاتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ حضرتؑ کو تین زبانوں پر قدرت عطا کی گئی ہے۔اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ اپنے الہامات کی عربی زبان میں نازل ہونے کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اس کا اصل سر یہ ہے کہ صرف تعلق جتلانے کی غرض سے عربی الہامات ہوتے ہیں کیونکہ ہم تابع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ عربی تھے۔ ہمارا کاروبار سب ظلّی ہے اور خدا کے لیے ہے۔
(ملفوظات جلد دوم صفحہ 597۔جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اور فرماتے ہیں:

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا تھا کہ کسی اور زبان میں الہام کیوں نہیں ہوتا تو آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے فارسی زبان میں الہام کیا

''ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم''

(ترجمہ:اس مٹھی بھر خاک کو اگر معاف نہ کروں تو کیا کروں)
(ملفوظات جلد دوم صفحہ 598۔جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

آپ حضور اس الہام کے باطنی عرفان کو بیان کرتے ہوئے معنی کرتے ہیں

''آخر کار خدا کی رحمت کاروبار کرے گی''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 598۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اب دیکھ لیں کہ آپ حضرت اقدس نے کس وضاحت سے آیت کریمہ کے رموز کو بیان کر دیا ہے۔
اوّل یہ کہ آپ جس ہستی کے تابع ہیں اُسی کی قوم اور اُمّت کو تبلیغ رسالت کرنا آپ کے ذمّہ ہے کیونکہ آنحضرت کی امّت کا کثیر حصّہ تین زبانوں میں وسعت اختیار کر گیا ہے اس لیے درحقیقت یہ تینوں زبانیں بولنے والے آپ ہی کی قوم ہیں۔

دوم یہ کہ اس وجہ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین زبانوں پر قدرت عطا کی تا کہ آپ ''لِتُبَیِّنَ لَهُمْ'' کا فریضہ ادا کر سکیں جب کہ ہم نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت اور قدرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا تین زبانوں میں وسعت پذیر ہونے کی بنا پر ہے مگر اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ عنایات خاص ایک علمی اور ادبی عظمت وشان (کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی معجز نمائی بھی ہے۔

اس مضمون میں حضرت اقدس کا بیان بھی ہے۔ مگر اس خیال سے کہ اوّل آپ کی تین لسانی عظمت کی وضاحت میں کچھ بیان آجائے اور پھر حضرت اقدس کا بیان درج ہو، تا کہ یہ حقیقت بھی کھل جائے کہ اسلامی زبانوں میں ابلاغِ رسالت کرنا ایک القاء باری تعالیٰ یعنی حکم الٰہی تھا جس کو آپ نے کمال خوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ آپ انجام آتھم میں علماء و مشائخ ہند کے نام عربی میں ایک مکتوب تحریر فرما کر اس امر کی وضاحت فرماتے ہیں۔

ولما كان المقصد ان يتبيّن الحق الذی جئنا بہٖ لِکُلّ تقی وَسَعِید مِن قریب وّبعید. اُلقی فی روعی ان اکتب هٰذا المكتوب فی العربية واترجمه بالفارسية و ارعی النواظر فی النواضر الاصلية و اوسع التبليغ **بالالسن الاسلامية ليكون بلاغًا تامًّا للطالبين.**

وہرگاہ کہ مقصود ایں بود کہ بر ہر پرہیزگارے و نیک نہادے آن امر حق ہویدا گردد کہ ما آوردیم گوآں مرد از سرزمین قریب باشد یا از بعید لہٰذا دردلم انداختہ شد کہ ایں مکتوب را در زبان عربی بنویسم و ترجمہ آں در فارسی کنم و نظارگیاں را در چراگاہ اصلی سیر کنانم و **بزبان ہائے اسلامیان تبلیغ را وسیع کنم تا برائے طالبان ایں تبلیغ بمرتبۂ کمال رسد۔**

ترجمہ از مرتب: دراصل مقصد یہ تھا کہ ہر نیک نہاد پرہیزگار پر یہ حقیقت واضح ہو جائے (خواہ وہ انسان قریب کی سرزمین یا بعید کی سرزمین کا باشندہ ہو)۔ اس لیے میرے دل میں

القاءِ ربّانی ہوا کہ میں اس مکتوب کو عربی میں تحریر کروں۔ اور اس کا ترجمہ فارسی میں کروں۔ اور دیکھنے والوں کو اصلی حقیقت سے آگاہ کروں **اور اسلامی زبانوں میں اپنی تبلیغ کو وسیع کروں تا کہ طالبانِ حق کے لیے یہ تبلیغ مرتبۂ کمال تک پہنچ جائے۔**

(انجامِ آتھم، روحانی خزائن، جلد 11 صفحہ 74-75)

ان تینوں زبانوں میں قادر الکلامی کے چند نمونے تو گذشتہ صفحات میں درج ہوئے ہیں مگر بات کیونکہ تینوں زبانوں کے مختلف مزاج اور GENIUS کی ہورہی ہے اس لیے اس امر کی تصدیق کے لیے ضروری ہے کہ ہم حضرت کے کم از کم ایک موضوع کے تحت تینوں زبانوں کے نمونے پیش کریں۔

اوّل چند الفاظ میں ہر زبان کے مزاج اور اسلوب کا بیان ہو اور پھر یہ مشاہدہ کروائیں کہ باوجود ہر زبان کا اسلوب بیان مختلف ہونے کے آپ حضرتؑ نے ان زبانوں کے کلاسیکی اسلوب کو اپنا لیا ہے۔ اور اہل زبان کی طرح سے کلام تخلیق کیا ہے۔ آپ حضرتؑ کی ان تینوں زبانوں کے اسالیب کی پاسداری کے ثبوت میں ہم نے ادبِ عالیہ کی اُسی قدر کا انتخاب کیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی مقصودِ ادب مرسلین قرار دیا ہے اور زمینی ادیبوں نے بھی اپنے ادب پاروں کا مقصود اور مطلوب کہا ہے۔

یعنی ''ابلاغِ کامل''

# اردو زبان میں ابلاغِ رسالت

زبان اپنی زندگی کے متعدد نشیب وفراز اور فتح وشکست سے گذرنے کے بعد ہی پختہ اور صیقل ہوتی ہے۔اردو ایک کم عمر زبان ہے۔تجرباتی لحاظ سے اس زبان پر گرم وسرد زمانہ کا کوئی طویل عمل نہیں ہوا۔

گو یہ بات درست ہے کہ اردو زبان اپنی ابتدائی ساخت میں ہندی زبان یا بھاشا کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہے جو کہ صدیوں سے دہلی اور میرٹھ کی اقوام میں بولی جاتی تھی مگر یہ ایک تاریخی تجزیہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ زبان جو اوّل بھاشا کی ایک شاخ تھی ہندوستان میں مسلمان سلاطین کی آمد کے بعد اپنی نوعیت اور ساخت میں بالکل تبدیل ہو کر ایک ممتاز اور مستقل زبان کی صورت اختیار کر گئی تھی۔اسی اثر کی بنا پر اِس زبان میں اُس زبان کا عمل دخل ہو گیا جو کہ اس ملک کے حاکم اور بادشاہ تھے یعنی فارسی زبان

یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں اردو ادیب اپنے اشعار میں فارسی تراکیب اور عربی لغت کا جا بے جا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔اگر اردو شاعری کی ابتدا امیر خسرو سے کی جائے تو وؔلی دَکنی تک پہنچنے تک اس زبان نے اپنے اسلوب کی کوئی خاص اور منفرد راہ متعین نہیں کی تھی۔تاہم یہ بات درست ہے کہ وؔلی دَکنی تک پہنچتے پہنچتے اردو ایک زبان کی شکل اختیار کر گئی تھی۔یہی وجہ ہے کہ وؔلی دکنی کو ریختہ کا بانی مبانی کہا جاتا ہے۔

وؔلی دکنی ہی کے اتبّاع میں دہلی اردو زبان کا مکتب سخن بن گیا تھا۔

یہاں پر اردو زبان کے ادب کی تدریجی ترقی بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔صرف یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ اردو زبان اور اردو ادب نے اپنا حقیقی اسلوب میر دردؔ اور میر تقی میرؔ کے وقت میں متعین کیا اور سہل اور سادہ بیان کو اس کا روحِ رواں بنایا اور اسی روایت ادب اور دستور بیان کو ذوقؔ اور اس کے مکتبِ شعر کے شاگردوں نے مزید صیقل کر کے فروغ دیا۔یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کے اساتذہ شعر نے میر تقی میرؔ کے اسلوب بیان کو اردو اسلوبِ شعر کی معراج قرار دیا ہے۔

جیسے غالبؔ نے کہا ہے:

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

اور ذوقؔ کو یہ حسرت رہی کہ میر کا انداز نصیب ہو۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اورقریب کے زمانے میں حالیؔ میرؔ کواپنا راہنما کہتے ہیں۔

شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا

اورحسرت موہانی کہتے ہیں۔

شعر میرے بھی ہیں پُر درد ولیکن حسؔرت

میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

جنابِ میرؔ کے ''شیوۂ گفتار'' میں چند شعر بھی سن لیں

مرگ ایک ماندگی کا وقفہ ہے

یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

اور شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے

دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

اور اب کے جُنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے

دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

اور آخر پر

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا

آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

یہی وہ سہل اور سادہ زبان ہے جس کو سہل ممتنع کہتے ہیں اور یہی وہ اندازِ بیان ہے جس کی تلاش میں تمام شعراءِ اردو سرگرداں رہے ہیں۔

اس اسلوب پر دو شعر ایسے بھی سن لیں جن کو غالبؔ جیسے عظیم المرتبت شاعر نے ایسا پسند کیا کہ اپنا دیوان ان پر نثار کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔

ایک ذوقؔ کا ہے

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اور ایک مومنؔ کا ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور یہی وہ اسلوب سادہ وسہل ہے جس کو حسرت موہانی نے بہت مشکل سمجھا ہے۔

کہتا ہے　　　رنگینیٔ سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط
مشکل ہے اس فریضۂ آساں کی احتیاط

یاد آیا کہ یہی اُن کا اندازِ بیان بھی تھا۔

کہتے ہیں　　　ایک ہی بار ہوئیں وجہ پریشانیٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

یہ وہ سادہ اور بامحاورہ اسلوب بیان ہے جو اردو زبان کی روح رواں ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اردو کی اس روح رواں کی پاسداری میں اپنے اردو کلام میں سادہ اور سہل انداز کو اختیار کیا ہے اور اپنے کلام کو شعر نہیں کہا بلکہ ایک ''ڈھب'' کہا ہے۔

میرے خیال میں حضرت اقدسؑ اردو اسلوب میں میر دردؔ کے طرز بیان سے قریب تر ہیں۔ ہونا بھی چاہیے کیونکہ اردو شاعری میں خواجہ میر دردؔ ہی ایک ایسے شاعر ہیں جو مسلّمہ طور پر صوفی شاعر کہلاتے ہیں۔

راہ طریقت میں آپ کا طریق ''طریقۂ محمدیہ'' کہلاتا ہے اور اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''سلوک ما سلوک نبوی است وطریق ما طریق محمدیؐ''۔

(علم الکتاب صفحہ 85)

اردو زبان کے صیقل کرنے کے اعتبار سے آپ کا اہم مقام ہے ''تاریخ اردو ادب'' کے مصنف لکھتے ہیں

''زبان اور ادب کے لحاظ سے خواجہ صاحب ایک نہایت نمایاں اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں بقول مصنف ''آب حیات'' آپ چار رکنوں میں سے ایک رکن ہیں۔ اور باقی رکن میرؔ۔ سوداؔ۔ اور مظہرؔ ہیں۔ حقیقت میں انہی عناصر اربعہ کی ترکیب سے زبان کا قوام درست ہوا...... زبان صاف ہوگئی۔ منجی اور بالآخر ترقی کی معراج تک پہنچ گئی''۔

(تاریخ ادب اردو صفحہ 75)

اسی کتاب میں نواب حبیب الرحمٰن شیروانی کا قول لکھا ہے کہ

''خواجہ صاحب کی زبان اور طرزِ ادا وہی ہے جو میرؔ کی ہے۔ عبارت صاف سلیس۔ فصیح۔ ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے''۔

(تاریخ ادب اردو صفحہ 74)

خدا بھلا کرے شیروانیؔ صاحب کا کہ آپ نے یہ کہہ کر میرا کام آسان کر دیا کہ ''عبارت صاف سلیس۔ فصیح۔

ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے'' یہی حضرت اقدسؑ کا اسلوب بیان ہے۔اور یہی ان کا منصبِ ابلاغ تھا کہ آپ کا پیغام عمومی اعتبار سے ہر ایک کی سمجھ میں آجائے۔یہ بھی مشاہدہ کریں کہ حضرت کا یہ طرزِ بیان قرآن کریم کے اتّباع میں ہے۔جیسے کہ فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:41)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو عمل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے۔سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

اور پھر جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اردو زبان کا GENIUS اور اسلوب خاص بھی یہی ہے

بات میر دردؔ کے مسلک کی ہو رہی تھی۔اس کے تسلسل میں مشاہدہ کریں تو آپ کا یہ مسلک ہمارے آقاؐ سے کس قدر قریب ہے۔بلکہ ایک ہی ہے۔فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

اور فرماتے ہیں:

اُس نور پر فدا ہوں اس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اور فارسی میں فرماتے ہیں:

زِ عشاقِ فرقان و پیغمبریم
بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ترجمہ: ہم قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔اسی کیساتھ پیدا ہوئے ہیں اور اسی کیساتھ فوت ہوں گے۔

حق تو یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کی رسالت کی شرطِ اعظم محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی۔جیسا کہ آپ کو رؤیا میں دکھایا گیا

فرماتے ہیں۔

''اِثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اُس نے کہا

''ھٰذا رَجُلٌ یُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ''

یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔

اوراس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے

(براہین احمدیہ، ر۔خ۔جلد1۔صفحہ 598)

یہ تو چند ادبی اور ترجیحاتی مناسبتیں تھیں جن کا ذکر ضروری تھا۔مگر ایک مناسبت جو ان سے بھی زیادہ اہم ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے وہ حضرت اقدسؑ کا میر درد کے خانوادے سے آپ کی دامادی کا رشتہ ہے۔ جیسے الہام الٰہی میں فرمایا گیا

**"الحمد للّٰہ الّذی جعل لکم الصھر و النسب"**

حضرت اقدسؑ ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ خدا سچا خدا ہے جس نے تمھاری دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سیّد تھے کیا اور خود تمہاری نسب کو شریف بنایا جو فارسی خاندان اور سادات سے معجون مرکب ہے''

(تریاق القلوب، ر خ۔جلد15 صفحہ 272-273)

اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے میر دردؔ سے آپ کا تعلق کرنا تھا کہ ہم سب کی ماں سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا نے آپ کے عقد میں آنا تھا جو کہ چھٹی یا ساتوں پشت میں میر دردؔ کی نسل سے ہیں۔

ان سب مناسبتوں کو بیان کر کے ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں کہ اس امر کی وضاحت کریں کہ اردو شعر کے اسلوب کے اعتبار سے حضرت اقدسؑ میر دردؔ کے اسلوب سے قریب تر ہیں۔اس لیے قرابتِ اسلوب کے ثبوت میں چند امثال پیش کرنا ضروری ہیں۔مگر امثال دینے اور اشعار کا تقابلی موازنہ کرنے سے قبل اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ گو دونوں صاحبِ ادب اپنے موضوعات کے انتخاب اور الفاظ کے چناؤ میں باہم دگر ہم زبان اور ہم خیال ضرور نظر آئیں گے مگر میر دردؔ کا طرز نگارش تغزّل کے رنگ میں ڈوبا ہوا ایک جمالیاتی تجربہ ہے۔اس لیے ان کے بیان کے روحانی معانی مجاز کی راہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے مقابل پر حضرت اقدسؑ برملا عاشق باری تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ان کے کلام میں مجاز کو دخل نہیں ہے۔ایک کامل حقیقتِ عظمیٰ کا اظہار ہے جو جمالیاتی انداز کے قیام کے ساتھ ہے اور تمام ادبی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کہا گیا ہے۔مجازاً نہیں ہے بلکہ حقیقی مشاہدات اور واردات قلبی کا اظہار ہے۔اس لیے موضوع اور الفاظ میں اتحاد اور یک رنگی کے باوجود طرزِ نگارش میں اختلاف ضرور ہوگا۔دوران مطالعہ اس امتیاز کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

اوّل قدم پر حضرتؑ کا وہ شعر سُن لیں۔ جو آپ کی تمام شعری تخلیقات کا مقصد اور مدعا ہے۔ یعنی

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

اس شعر کے بارے میں گذشتہ میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ''ڈھب'' کے لفظ کا استعمال میر دردؔ اور حضرتؑ کا ایک ہی ہے اور طرز بیان بھی۔

مَیں نے تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
وہ مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

دوسری مثال عشق میں آلام و مصائب کے معنوں میں ہے
میر دردؔ کہتے ہیں۔

اذیّت۔ مصیبت۔ ملامت بلائیں
تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

ایک اور جگہ پر کہتے ہیں۔

ان لبوں نے ہی نہ کی مسیحائی　　ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

اس عشق میں مصائب سو سو ہیں ہر قدم میں
پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے
حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

آپ دیکھ لیں مضمون باہم متصل ہے۔ عشق کے مصائب کا ذکر ہے۔ الفاظ کا انتخاب بھی یک رنگ ہے۔ مگر ان سب قرابتوں کے باوجود میر دردؔ کا بیان ایک مشکلات و مصائب کی فہرست معلوم ہوتی ہے۔ کسی محبت کا اظہار نہیں۔ بلکہ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے شعر میں مایوس بھی ہیں۔

مگر ان کے مقابل پر ہمارے پیارے حضرت کو دیکھو۔ آپ ایسے عاشق صادق ہیں کہ مصائب سے آزردہ خاطر نہیں ہوئے۔ ان سے نجات حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ بے انتہا محبت کے انداز میں کہتے ہیں کہ کیونکہ یہ میرے محبوب کی طرف سے آئی ہیں اس لیے بصد محبت و احترام قبول ہیں۔ اس کی مرضی پر راضی ہیں۔ وفا میں

مستقیم اور عہد پر قائم۔

ہم نے اس مثال میں میر دردؔ کے دوشعر دیئے ہیں تو حضرت کا بھی ایک اور فرمان سن لیں۔فرماتے ہیں۔

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں

ہم نے سوسو طرح سے سمجھایا

اس غرض سے کہ زندہ یہ ہوویں

ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

سوسو طرح سے مرنا ایک خوبصورت بیان ہے مگر اسی ترکیبِ لفظی کو حضرت نے بہت بہتر اور درست معنوں میں پیش کیا ہے مرنا تو ایک بار ہی ہوتا ہے اور سوسو بار مرنا تو ایک شاعرانہ غلو اور تعلّی ہے مگر سمجھانے کی غرض سے سوسو طرح سے سمجھانا پڑتا ہے اور کسی مقصد کے حصول کے لیے دل میں مرنا ٹھہرایا جاتا ہے

یہ ایک بہت فصیح کلام کا نمونہ ہے اسی لیے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کے کلام کو ہم نے اپنی جناب سے فصیح کیا ہے۔

**''کلام افصحت من لّدن ربّ کریم''**

ترجمہ: تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے

(حقیقت الوحی،ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 106)

یہ تو سب جانتے ہیں کہ زبان کے صحیح استعمال کو ''فصیح'' کہتے ہیں

یہ بات تو بر سبیل تذکرہ آ گئی ہے۔مضمون یہ تھا کہ میر دردؔ کے اشعار اور حضرت کے اشعار میں اسلوب بیان کا اتحاد ہے۔مقاصد بیان اور جذبات کی نوعیت میں اتفاق نہیں۔ ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میر دردؔ ایک سالک راہ ہیں اور حضرت ایک واصل باللہ ہستی ہیں۔اس لیے میر درد کے بیان میں مایوسی اور 'نایافت' کا عنصر ہے۔جس کے مقابل پر حضرت اقدسؑ واردات عشق کے بیان میں محبوب کی رضا پر راضی ہیں اور اس کی عنایات کے مورد ہیں۔اور ؎ ''ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا'' کے جواب میں محبوبِ حقیقی نے جو انعام اپنے باغ کے پھول پھینک کر دیا ہے اُس میں اِس قدر خوش ہیں کہ اس کو حاصل زیست سمجھتے ہیں اور جاں نثار کرنے کو تیار ہیں۔

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

یہ تقابل شعری کچھ طویل ہو رہا ہے دو مثالیں اور دے کر اس پر اکتفا کروں گا

میر دردؔ کہتے ہیں۔

ہم کب کے چل بسے تھے پر اے مژدۂ وصال

کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

یعنی محبوب کے ہجر میں میری یہ کیفیت تھی کہ اگر مژدۂ وصل نہ آتا تو میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

حضرت اقدسؑ اس کیفیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف

پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

بات ایک ہی ہے۔ اسلوب بیان باہم قریب ہے۔ مگر کیفیت کے اعتبار سے میر صاحب کو مژدۂ وصال نے کام تمام ہونے سے بچالیا ہے۔ دوسری طرف حضرت اقدس ہیں کہ آپ تو واصل باللہ ہیں اس لیے آپ کو وصال نہ ہونے کے تصور نے بے تاب کیا ہے اس صورت میں جو سرانجام ہونا تھا اس کو مر کر خاک ہونے پر اکتفا نہیں کیا یکسر بے نام ونشان اور معدوم ہونے کا بیان ہے۔

فرماتے ہیں۔

پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

ایک شعر اور سن لیں۔

میر دردؔ کہتے ہیں۔

کچھ تجھ کو بھی خبر ہے کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو

عاشق تیری گلی میں کئی بار ہو گیا

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

دیکھ لیں۔ محبوب کی گلی بھی ہے۔ عشق کا مجنونانہ اظہار بھی ہے اور محبوب بے خبر اور بے پرواہ بھی ہے۔ مگر اس کیفیت کے بیان میں فرق کو دیکھیں کہ محبوب کو خبر کیسے ہوا گر شور نہ ہوا اور میرؔ نے عشق کی وارفتگی کو تو بیان کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ اس وفورِ شوق کا نتیجہ کیا ہوگا۔ حضرت نے یہ سب کمیاں دور کر کے اس نتیجہ کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر خبر نہ لی گئی تو کیا ہوگا۔ ''لے جلدی خبر'' اور ''خوں نہ ہو جائے'' میں کس قدر تلازم اور خوبصورت صنعت گری ہے۔

اپنی محبت اور عشق کے اظہار میں اور لطف وعنایات باری تعالیٰ کے بیان میں ایسا کلام کہاں ملے گا۔کون اس طرح کے عشق الٰہی میں مبتلا ہوگا اور کس کو محبت قبول نہ ہونے کی صورت میں ایسا غم ہوگا۔

ایک بار پھر سُن لیں۔

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

آخر پر حضرت اقدس کے اسلوب بیان کا میر دردؔ کے اسلوب سے قریب تر ہونے کے اعتبار سے ایک مشاہدہ پیش کرتا ہوں

اردو ادب کی دنیا میں میر دردؔ کو ایک صوفی شاعر قرار دینے کی غرض سے ان کے دیگر اشعار کے ساتھ ذیل کے شعر کو تاکیدًا پیش کیا جاتا ہے۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا

تو ہی آیا نظر جِدھر دیکھا

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مضمون کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اپنے حسن و جمال میں اُسی خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے جو حسن ازل اور جمال لم یزل ہے یعنی باری تعالیٰ جلّ شانہٗ ۔

یہ حضرتؑ کا دلپسند مضمون ہے۔

جیسے فارسی میں فرماتے ہیں۔

ہمہ جا شور تو بینم چہ حقیقت چہ مجاز

سینۂ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی

میں ہر جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ وہ حقیقت ہو یا مجاز تو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا دیے ہیں۔( گرم کر دیے ہیں )

اردو میں تو اس مضمون میں ایک معرکہ آرا ثنائے باری تعالیٰ ہے۔

فرماتے ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا

کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

محبوبِ حقیقی کی تجلیات کو اس کی خلق کے ہر ذرہ میں دیکھنا ایک روحانی مشاہدہ ہے۔ اس مضمون کا بیان حضرتؑ کی زبان سے سُنیں۔ ایک واقعاتی بیان تو ہے مگر محبتِ الٰہی کا جوش اور اس پر قربان ہونے کے شوق کو ملاحظہ کریں۔ اس مقابل پر میر دردؔ کا بیان ایک پھیکا اور بے رنگ واقعاتی مشاہدہ ہے اور اظہار عشق و محبت تو بالکل ناپید ہے۔

بات سے بات نکل رہی ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ دردؔ کے کلام میں ایک عجیب اتفاق مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت اقدسؑ کی درجہ بالا ثناء میں ایک مصرعہ ایسا ہے جو بالکل خفیف تبدیلی کیساتھ دردؔ کا ہے

حضور فرماتے ہیں۔

اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے

مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا

اور دردؔ کہتے ہیں۔

اس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے

فصلِ بہار جس کے ہاں۔ ایک یہ گل فروش ہے

وزن اور بحر میں اختلاف ہے۔ مگر مصرعہ اوّل ایک ہی ہے۔ توارد ہے یا اختیار دونوں صورتوں میں یہ دردؔ کی خوش بختی ہے اور تعجب خیز بھی۔ قریب الاسلوب ادیبوں میں ایسے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ یہی بات میں عرض کر رہا تھا کہ حضرتؑ کا اسلوب بیان میر دردؔ سے قریب تر ہے۔

اس وقت تک جو بیان ہوا ہے ایسے ہے کہ

اول:۔ اردو زبان کا اسلوب بیان کیا ہے۔

دوم:۔ میر دردؔ کا اردو زبان کے اسلوب کی تعین میں کیا مقام ہے۔

سوم:۔ یہ کہ حضرت اقدسؑ کا اسلوب بیان میر دردؔ سے قریب تر ہے۔

اب وقت آیا ہے کہ ہم ایک موضوع کے تحت حضرت اقدس کے اُردو اشعار کی چند مثالیں پیش کریں۔
جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ اس غرض کے لیے ہم نے ''ابلاغ ارسالت'' کا موضوع اختیار کیا ہے اس موضوع کے تعلق میں ایک مشکل کا سامنا ہو جاتا ہے۔ یہ کہ حقیقت میں حضرت کے تمام کلام کا مرکزی موضوع ''ابلاغِ رسالت ہی'' ہے۔

یہ اس طور سے کہ ابلاغِ رسالت میں تو اوّل آپ کے ماموریت کے دعاوی آتے ہیں۔ اور پھر وہ تمام روحانی اور علمی منصب جو آپ کو رسالت باری تعالیٰ کے فیضان کے طور پر عطا ہوئے ہیں۔ وہ بھی آپ کی رسالت کے صدق کا ثبوت فراہم کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ بھی ابلاغِ رسالت کے موضوع کے تحت آ جائیں گے۔ مثلاً۔ حمد وثناء باری تعالیٰ۔ صدقِ رسول اکرمؐ۔ نعت قرآن۔ حمایت اسلام اور محبتِ الٰہی۔ چنانچہ اس نہج پر دیگر بھی یہ وہ موضوعات ہیں جن کو ہم مستقل اور ممتاز موضوعات کے تحت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس موضوع کے تحت ہم نے صرف چند ایک ذیلی عنوانات کا انتخاب کیا ہے تاکہ موضوعات باہم اس طور سے قریب نہ ہوں کہ ان کی انفرادی نوعیت قائم نہ رہ سکے۔ اور اسی دستور کو ہم آپ کے عربی اور فارسی کلام میں بھی اپنانے کی کوشش کریں گے اردو زبان اور اس کے اسلوب کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی وجہ اوّل تو یہ ہے یہ زبان حضرت اقدسؑ کی قومی زبان ہے اور آپ حضرت کے پیغامِ رسالت کا بہت وسیع حصہ اس زبان میں بیان ہوا ہے۔ اور قرآن کریم کے فرمان کی پاسداری میں ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔

جیسے فرمایا

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (ابراھیم:5)

ہم نے ہر رسول کو اس کی قومی زبان میں تبلیغ ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

دوسرا خیال یہ بھی تھا کہ دراصل آپ حضرتؑ کے متبعین کا عظیم حصہ آپ کی قوم کا ہے جس کی قومی زبان اردو ہے۔ اس اعتبار سے ان کا حضرت کے اردو کلام سے فائدہ اور لطف اُٹھانے کا زیادہ حق ہے۔ کوشش ہوگی کہ فارسی اور عربی کلام کے بیان میں اختصار سے کام لیا جائے۔

ذیلی عنوانات کو ہم نے ایسے ترتیب دیا ہے۔

اول۔ آپ کا عقیدہ اور دعاوی

دوم۔ انذار اور تبشیر

سوم۔تبلیغ اور تلقین

چہارم ۔دعوت میں نرمی اور کوشش

پنجم ۔دعوت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ۔

## آپ حضرتؑ کا عقیدہ اور دعاوی

آپ حضرت اپنے عقائد کے بیان میں فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| مومنوں پر کُفر کا کرنا گماں | ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں |
| ہم تو رکھتے ہیں مُسلمانوں کا دیں | دل سے ہیں خدّام ختم المرسلیںؐ |
| شِرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں | خاکِ راہِ احمدؐ مختار ہیں |
| سارے حُکموں پر ہمیں اِیمان ہے | جان و دل اس راہ پر قربان ہے |
| دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا | ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا |
| تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب | کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب |

دیکھ لیں کہ کس قدر جامع اور خوبصورت بیان ہے کمالِ وضاحت بھی ہے اور کمالِ ایجاز بھی۔ بیان میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ رسول اکرمؐ پر ایمان خاتم النبیین کے طور پر ہے۔ قرآن کے تمام احکام پر ایمان کا ذکر بھی آ گیا اور خدا اور رسولؐ پر قربان ہونے کا منشاء باری تعالیٰ آ گیا اور یہ بات بھی ہو گئی کہ ایسے مومن کا کافر کہنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ اس قدر وسیع مضمون کو چند اشعار میں بیان کرنا ادب میں ''ایجاز'' کہلاتا ہے اور یہ ایجاز کا کمال ہے۔

## آپ حضرتؑ کے بنیادی دعاوی

آپ حضرت کے بنیادی دعاوی مجدّد اسلام۔ مہدی آخرِ زمان اور مسیح دوران کے ہیں۔
اوّل کے بارے میں فرماتے ہیں

آسماں پر غافلو اِک جوش ہے
کُچھ تو دیکھو گر تمہیں کُچھ ہوش ہے
ہو گیا دِیں کفر کے حملوں سے چُور
چُپ رہے کب تک خداوندِ غیور
**اِس صدی کا بیسواں اب سال ہے**
**شِرک و بدعت سے جہاں پامال ہے**
بدگماں کیوں ہو خُدا کُچھ یاد ہے
افترا کی کب تلک بُنیاد ہے

وہ خُدا میرا جو ہے جوہر شناس
اِک جہاں کو لا رہا ہے میرے پاس
لعنتی ہوتا ہے مردِ مُفتری
لعنتی کو کب ملے یہ سروری

ہر صدی کے سر پر مجدّد دین کے آنے کا دعوٰی ہے۔ اور اس صدی کو تو بیس سال گذر گئے اور جس کام کے لیے مجدّد آتا ہے یعنی شرک و بدعت کو مٹانے کے لیے وہ تو ظاہر ہو گئے مگر تمھارا مجدد نہیں آیا۔ جو آیا ہے تم اُس کو مفتری کہتے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ مفتری کو کتنی مہلت ملتی ہے اور پھر اگر میں مفتری ہوں تو مجھے خدا نے سروری کیسے دے دی۔ اس بیان میں بھی وہ تمام خوبیاں ہیں جو گذشتہ میں بیان ہوئی ہیں۔ دعوٰی ہے، دلیل ہے اور حُسن و خوبی ہے۔

## مسیح و مہدی کی آمد

مہدی کی آمد کا سب کو صرف انتظار ہی نہیں تھا بلکہ پر جوش تمنا تھی۔ علماء دین اس کی راہ تک رہے تھے مگر جب آ گیا تو سب سے اوّل منکر ہوئے اور روحانی نوشتوں کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ یہ بھی بتا دیا کہ **لَاالْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی** اور یہ بھی بتا دیا کہ جہاد بالسیف کو بند کرنے کی وجہ ان کی مایوسی ہے کہ مالِ غنیمت حاصل نہ ہو گا۔ فرماتے ہیں

یاد وُہ دِن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دیں
مہدئ موعود حق اب جلد ہوگا آشکار

کون تھا جس کی تمنا یہ نہ تھی اِک جوش سے
کون تھا جس کو نہ تھا اُس آنیوالے سے پیار

پھر وُہ دِن جب آ گئے اور چودھویں آئی صَدی
سب سے اوّل ہو گئے مُنکر یہی دِیں کے منار

پھر دوبارہ آ گئی احبار[1] میں رسم یہود
پھر مسیحِ وقت کے دشمن ہُوئے یہ جُبّہ دار

تھا نوشتوں میں یہی از ابتدا تا انتہا
پھر مِٹے کیونکر کہ ہے تقدیر نَے نقشِ جدار

مَیں تو آیا اِس جہاں میں ابنِ مریم کی طرح
میں نہیں مامور از بہر جہاد و کارزار

پر اگر آتا کوئی جیسی اُنہیں اُمّید تھی
اور کرتا جنگ اور دیتا غنیمت بیشمار

اَیسے مہدی کے لیے میداں کھُلا تھا قوم میں
پھر تو اس پر جمع ہوتے ایکدم میں صد ہزار

---

[1]: یہودی صفت علماء

مسیحیت کے دعوے کا بیان بھی سن لیں۔ بہت ہی خوبصورت بیان ہے حقیقی ''سہل ممتنع'' ہے یعنی اعلیٰ مضمون کو آسان زبان میں بیان کرنا۔

فرماتے ہیں۔

وُہ آیا مُنتظر جس کے تھے دِن رات　　معمّہ کُھل گیا روشن ہُوئی بات
دِکھائیں آسماں نے ساری آیات　　زمیں نے وقت کی دے دیں شہادات
پھر اس کے بعد کون آیئگا ہَیہات　　خُدا سے کُچھ ڈرو چھوڑو معادات
خُدا نے اِک جہاں کو یہ سُنادی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

**مسیحِ وقت اب دُنیا میں آیا　　خُدا نے عہد کا دِن ہے دکھایا**
**مُبارک وہ جو اَب ایمان لایا　　صحابہؓ سے مِلا جب مُجھ کو پایا**
**وُہی مَے اُن کو ساقی نے پلا دی**
**فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ**

اس میں اپنی آمد کا اعلان بھی کیا ہے۔ زمینی اور آسمانی نشان یعنی کسوف وخسوف اور طاعون وزلازل کا بھی ذکر کردیا۔ یہ بھی بیان کردیا کہ آپ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِھِمۡ (الجمعة:4) کی قرآنی پیشگوئی کے مطابق مبعوث ہوئے ہیں تو اس صورت میں مکذّبین کو پاک خدا ضرور پکڑے گا۔

آسمان سے حضرت مسیح موعود کی ٹھنڈی ہوا کی آمد کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا　　دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار
اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح　　نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار[1]
آسمان بارد نشان الوقت می گوید زمیں　　ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چون بیقرار[2]
اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے　　وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشت خار
اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دِن اور یہ بہار

---

[1]: آسماں کی آواز سنو کہ مسیح آگیا مسیح آگیا۔ اور زمیں کو سنو کہ کہتی ہے کہ خوش نصیب امام آگیا ہے۔

[2]: آسمان نشانوں کی بارش کررہا ہے۔ زمیں میرا وقت بتاتی ہے۔ یہ دو گواہ میرے لیے بیقراری سے اعلان کررہے ہیں۔

اعلان رسالت کے بہت پیارے انداز کو بھی دیکھ لیں۔

فرماتے ہیں

زندگی بخش جامِ احمد ہے — کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
لاکھ ہوں انبیاءؑ مگر بخدا — سب سے بڑھ کر مقامِ احمد ہے
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا — میرا بستاں کلامِ احمد ہے

**ابن مریم کے ذِکر کو چھوڑو**
**اس سے بہتر غلامِ احمد ہے**

اوراس الہام کے حسن وخوبی کو دیکھیں۔

**برتر گمان وہم سے احمد کی شان ہے**
**جس کا غلام دیکھو مسیح الزّمان ہے**

حضرت اقدس اپنا روحانی منصب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اوران کا ہی فیضان سمجھتے ہیں۔ دیکھ لیں غلام احمد اور ''جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے'' کیسا اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔ سبحان اللہ۔

## ہندوؤں اور دہریوں پر ابلاغِ رسالت

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق روح انادی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور خدا کی مخلوق نہیں۔ اس عقیدہ کا بطلان بہت ہی خوبصورت استدلال سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

اے آریہ سماج پھنسو مت عذاب میں — کیوں مبتلا ہو یارو خیالِ خراب میں
اَے قومِ آریہ ترے دِل کو یہ کیا ہوا — تُو جاگتی ہے یا تری باتیں ہیں خواب میں
کیا وہ خدا جو ہے تری جاں کا خدا نہیں — ایماں کی بو نہیں ترے اَیسے جواب میں
گر عاشقوں کی روح نہیں اسکے ہاتھ سے — پھر غیر کیلئے ہیں وہ کیوں اضطراب میں
گر وہ الگ ہے ایسا کہ چھو بھی نہیں گیا — پھر کس نے لکھ دیا ہے وہ دل کی کتاب میں
جِس سوز میں ہیں اس کیلئے عاشقوں کے دِل — اتنا تو ہم نے سوز نہ دیکھا کباب میں
جامِ وصال دیتا ہے اُس کو جو مر چکا — کچھ بھی نہیں ہے فرق یہاں شیخ و شاب میں
ملتا ہے وہ اسی کو جو ہو خاک میں ملا — ظاہر کی قیل و قال بھلا کس حساب میں

ہوتا ہے وہ اسی کا جو اس کا ہی ہوگیا　　　ہے اُسکی گود میں جو گرا اُس جناب میں

فرماتے ہیں:

گر عاشقوں کی روح نہیں اسکے ہاتھ سے　　　پھر غیر کیلئے ہیں وہ کیوں اضطراب میں

یعنی اگر عاشق کو محبوب سے کوئی تخلیقی اور قلبی مناسبت نہیں تو محبوبِ حقیقی کے وصال کیلئے کیوں مضطرب ہے اور فرماتے ہیں کہ بغیر کسی خالق کے مخلوق خود بخود کیسے ہوسکتی ہے۔اس لئے ایسے غیر معقول عقیدہ کے دن تھوڑے ہیں۔

اُن کو سَودا ہوا ہے ویدوں کا　　　اُن کا دِل مبتلا ہے ویدوں کا

آریو! اس قدر کرو کیوں جوش　　　کیا نظر آ گیا ہے ویدوں کا؟

نہ کِیا ہے نہ کر سکے پیدا　　　سوچ لو یہ خُدا ہے ویدوں کا

عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو　　　کیوں بھروسہ کِیا ہے ویدوں کا؟

بے خدا کوئی چیز کیونکر ہو　　　یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے

کال سر پر کھڑا ہے ویدوں کا

اس مضمون میں مزید تفصیلی بیان بھی سُن لیں۔

بھلا تم خود کہو انصاف سے صاف　　　کہ ایشر کے یہی لائق ہیں اوصاف

کہ کر سکتا نہیں اِک جاں کو پیدا　　　نہ اِک ذرّہ ہُوا اس سے ہویدا

نہ اُن بِن چل سکے اس کی خُدائی　　　نہ اُن بِن کر سکے زور آزمائی

نظر سے اس کے ہوں محجوب و مکتوم　　　نہ ہو تعداد تک بھی اس کو معلوم

معاذ اللہ! یہ سب باطل گُماں ہے　　　وُہ خود ایشر نہیں جو ناتواں ہے

اگر بُھولے رہے اس سے کوئی جاں　　　تو پھر ہو جاوے اس کا ملک ویراں

پیارو! یہ روا ہرگز نہیں ہے

خُدا وُہ ہے جو ربّ العالمیں ہے

## عیسائیوں پر ابلاغِ رسالت

قرآن کریم کی شان کے مقابل پر انجیل کو پیش کرنے کی دعوت۔ اوراس دعوت میں یہ فرمانا کہ اگر تم ایسے کوتاہ بین ہو کہ قرآن کی عظمت کو دیکھ نہیں سکتے تو اپنے کان ہی استعمال میں لاؤ اور مجھ سے اس کی عظمت وشان کا بیان سُن لو۔ اگر شوق نہیں تو امتحان کے طور پر ہی سُن لو۔ بہت ہی خوبصورت بیان ہے۔

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی

نہ سہی یونہی امتحان سہی

یہ وہ خالص اردو زبان کا اسلوب ہے جس کو ہم نے بتایا ہے کہ تمام شعراء اردو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔

آؤ عیسائیو! ! اِدھر آؤ!!! نُورِ حق دیکھو! راہِ حق پاؤ!

جِس قدر خُوبیاں ہیں فرقاں میں کہیں انجیل میں تو دِکھلاؤ!

سر پہ خالق ہے اُس کو یاد کرو یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ!

کب تلک جھوٹ سے کرو گے پیار کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ!

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو کچھ تو لوگو! خدا سے شرماؤ!

**اَے عزیزو! سنو کہ بے قرآں حق کو ملتا نہیں کبھی اِنساں**

**جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں**

ہے یہ فُرقاں میں اِک عجیب اثر کہ بناتا ہے عاشقِ دِلبر

بات جب ہو کہ میرے پاس آویں میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں

مجھ سے اُس دِلستاں کا حال سُنیں مجھ سے وہ صورت و جمال سُنیں

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

## سکھوں پر ابلاغِ رسالت

ادبی ہیئت کے اعتبار سے چولہ بابا نانک مثنوی کا اسلوب ہے اور اس نوعِ ادب میں کسی واقعہ کو وضاحت سے بیان کرنا کمالِ ادب ہوتا ہے۔ اس کو علم تنقید میں ''محاکات'' کہتے ہیں۔ اب دیکھ لیں کہ حضرت اقدسؑ نے تمام ادبی اقدار کی کیسی پاسداری کی ہے اور کتنی خوبصورتی سے کی ہے۔

فرماتے ہیں:

یہی پاک چولہ ہے سکھوں کا تاج — یہی کابلی مَل کے گھر میں ہے آج
یہی ہے کہ نُوروں سے معمُور ہے — جو دُور اِس سے اُس سے خُدا دُور ہے
ذرا سوچو سِکّھو ! یہ کیا چیز ہے؟ — یہ اُس مرد کے تَن کا تعویذ ہے
یہ اُس بھگت کا رہ گیا اِک نشاں — نصیحت کی باتیں حقیقت کی جاں
بھلا بعد چولے کے اَے پُر غرور — وہ کیا کسر باقی ہے جِس سے تو دُور
تو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہُنر — خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر؟
یہ تحریر چولہ کی ہے اِک زباں! — سنو وہ زباں سے کرے کیا بیاں
**کہ دینِ خدا دینِ اسلام ہے — جو ہو منکر اُس کا بد انجام ہے**
**محمّدؐ وہ نبیوں کا سردار ہے — کہ جس کا عُدو مثلِ مُردار ہے**

☆

# اصلاح عقائد اور ابلاغ

## وفات مسیح

آپ حضرت کے وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بجسم عنصری آسمان پر جانے کا بہت چرچا تھا۔تمام امّت یہی عقیدہ رکھتی تھی۔حضرت اقدسؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی اصلاح فرمائی۔اور اب یہ کیفیت ہے کہ کوئی بھول کر اس کا ذکر نہیں کرتا۔

آپ حضرت کے بیان کو دیکھ لیں اصلاح کی بنیاد قرآن کے فرمان پر ہے۔اور بہت دلنشیں انداز ہے۔

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال؟ دِل میں اُٹھتا ہے مِرے سَو سَو اُبال
ابنِ مریمؑ مر گیا حق کی قسم داخلِ جنّت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اُس کو فرقاں سربسر اُس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر
وہ نہیں باہر رہا اَموات سے ہو گیا ثابت یہ تِیس آیات سے
کوئی مُردوں سے کبھی آیا نہیں یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں
عہد شُد از کردگارِ بے چگوں غور کُن در اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ[1]
اَے عزیزو! سوچ کر دیکھو ذرا موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا؟

اور فرماتے ہیں:

کوئی جو مُردوں کے عالم میں جاوے وہ خود ہو مُردہ تب وہ راہ پاوے
کہو زندوں کا مُردوں سے ہے کیا جوڑ یہ کیونکر ہو کوئی ہم کو بتاوے

[1]: یہ خدائے لاشریک کا قانون ہے۔''وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے'' پر غور کرو

## جہاد بالسیف

ایسا جہاد جس سے مراد اسلام کو بزور شمشیر پھیلانا ہے قرآن کی تعلیم نہیں ہے۔ جبر و اکراہ سے اسلام کو پھیلانا تو لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة:257) کے فرمان نے ہی ممنوع کر دیا ہے۔اور حضرت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی جنگوں کو دفاعی کارروائی ثابت کر کے وضاحت کی ہے کہ کیونکہ آپ کے وقت میں تلوار سے اسلام کی اشاعت کو روکا گیا تھا اس لیے جہاد کیا گیا مگر فی زمانہ جبکہ اشاعت اور قبولیت اسلام میں کوئی جبر نہیں کیا جاتا اس لیے دین کے لیے اب جنگ کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

فرماتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اَے دوستو خیال — دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے — دِیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خُدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دُشمن ہے وہ خُدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — مُنکر نبیؐ کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو — جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اُس خبیث کو
کیوں بُھولتے ہو تم یَضَعُ الْحَرْبَ کی خبر — کیا یہ نہیں بُخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چُکا ہے سیّد کونین مصطفٰے — عیسٰی مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئیگا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا — جنگوں کے سِلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند — کھیلیں گے بچے سانپوں سے بیخوف و بے گزند
یعنی وُہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا — بُھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا — وُہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائیگا
اِک مُعجزہ کے طور سے یہ پیش گوئی ہے — کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے
القصّہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشاں — کر دیگا ختم آ کے وُہ دِیں کی لڑائیاں

☆

## ابلاغِ رسالت میں انکار اور تکذیب

اس مضمون میں حضرتؑ کے صبر اور غم کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

زُعم میں اُن کے مسیحائی کا دعویٰ میرا — اِفترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں! — نام کیا کیا غمِ ملّت میں رَکھایا ہم نے
گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں اِن لوگوں کو — رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
**تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ — تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے**

**تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ**
**اپنے سینہ میں یہ اِک شہر بسایا ہم نے**

اور فرماتے ہیں:

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں — ہم نے سَو سَو طرح سے سمجھایا
اِس غرض سے کہ زِندہ یہ ہوویں — ہم نے مرنا بھی دِل میں ٹھہرایا

**بھر گیا باغ اب تو پُھولوں سے**
**آ وُ بُلبل چلیں کہ وقت آیا**

اور پھر اس بدزبانی سے تکذیب کرنے کا نتیجہ بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

ترے فضلوں سے جاں بُستاں سرا ہے — ترے نُوروں سے دل شمسُ الضّحٰی ہے
اگر اندھوں کو انکار و اِباء ہے — وہ کیا جانیں کہ اِس سینہ میں کیا ہے
کہیں جو کچھ کہیں سر پہ خدا ہے — پھر آخر ایک دِن روزِ جزا ہے
**بدی کا پھل بدی اور نامُرادی — فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

تکذیب وانکار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا بیان بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

پر وہ جو مجھ کو کاذب و مکّار کہتے ہیں — اور مفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں

اُن کے لیے تو بس ہے خدا کا یہی نشاں یعنی وہ فضل اُس کے جو مجھ پر ہیں ہر زماں
دیکھو! خدا نے ایک جہاں کو جُھکا دیا! گُم نام پا کے شُہرۂ عالَم بنا دیا!
جو کُچھ مری مُراد تھی سب کچھ دِکھا دِیا میں اِک غریب تھا مُجھے بے اِنتہا دِیا
کچھ اَیسا فضلِ حضرتِ ربّ الورٰی ہوا سب دُشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا
اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا مَیں خاک تھا اُسی نے ثریّا بنا دیا
میں تھا غریب وبیکس وگُم نام و بے ہُنر کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کِدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی میرے وجُود کی بھی کِسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجُوع جہاں ہوا
اِک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

اورفرماتے ہیں۔

**مَیں کیونکر گِن سکوں تیری عنایات ترے فضلوں سے پُر ہیں میرے دِن رات**
**مری خاطر دِکھائیں تو نے آیات ترحّم سے مری سُن لی ہر اک بات**
**کرم سے تیرے دُشمن ہوگئے مات عطا کیں تُونے سب میری مُرادات**
**پڑا پیچھے جو میرے غولِ بدذات پڑی آخر خود اُس مُوذی پہ آفات**

**ہوا انجام سب کا نامُرادی**
**فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

اور یہ فرمان بھی سُن لیں۔

اِس تعصّب پر نظر کرنا کہ مَیں اِسلام پر ہُوں فدا پھر بھی مُجھے کہتے ہیں کافر بار بار
**مَیں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر مَیں وہ ہُوں نورِ خُدا جس سے ہوا دِن آشکار**

حضور اقدس کا منصب رسالت کا بیان بھی سن لیں۔

مجھ کو خود اُس نے دیا ہے چشمۂ توحیدِ پاک تا لگا وے از سرِ نو باغِ دیں میں لالہ زار
**دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے پھر اگر قُدرت ہے، اَے منکر تو یہ چادر اُتار**
خِیر گی سے بدگمانی اِس قدر اچھّی نہیں اِن دِلوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار
ایک طوفاں ہے خُدا کے قہر کا اب جوش پر نُوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

صدق سے میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے　　ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہُوں حِصار

پُشتیٔ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہُوں
نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرق ایں جدار

منصب رسالت اور تائید الٰہی کا ایک اور بیان بھی مشاہدہ کریں:

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دِن کٹے　　گود میں تیری رہا مَیں مثلِ طفلِ شیر خوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے　　تیرے بِن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبُول　　میں تو نالائق بھی ہوکر پا گیا درگہ میں بار
اس قدر مُجھ پر ہوئیں تیری عنایات وکرم　　جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار
آسماں میرے لیے تو نے بنایا اِک گواہ　　چاند اور سورج ہوئے میرے لیے تاریک وتار
تُو نے طاعُوں کو بھی بھیجا میری نُصرت کیلیے　　تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

ہو گئے بیکار سب حیلے جب آئی وہ بلا
ساری تدبیروں کا خاکہ اُڑ گیا مثلِ غُبار

## ابلاغِ رسالت بشیر ونذیر بن کر

انبیاء اور مرسلین خدا تعالیٰ سے دو ہی منصب لے کر آتے ہیں۔ اوّل مقام پر وہ خدا کے پیغام کو ماننے والوں کو بشارت دیتے ہیں اور دوسرے قدم پر خدا کے پیغام کو قبول نہ کرنے والوں کو خدا کے مؤاخذہ اور پکڑ سے خوف دلاتے ہیں۔ جیسے قرآن نے فرمایا

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا　　(البقرۃ:120)

جیسے حضرت کا الہام ہے۔

’’دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا‘‘
(تذکرہ صفحہ 81۔ مطبوعہ 2004ء)

اور بشیر ہونے کا الہام ہے۔

’’وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‘‘

اور تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوش خبری سُنا کہ ان کا قدم خدا کے نزدیک صدق کا قدم ہے۔
(تذکرہ صفحہ 197۔ مطبوعہ 2004ء)

نذیر ہونے کے منصب کے مطابق فرماتے ہیں:

دوستو جاگو کہ اَب پھر زلزلہ آنے کو ہے — پھر خُدا اقُدرت کو اپنی جلد دِکھلانے کو ہے
وہ جو ماہِ فروری میں تُم نے دیکھا زلزلہ — تم یقیں سمجھو کہ وہ اِک زجر سمجھانے کو ہے
**آنکھ کے پانی سے یارو! کُچھ کرو اس کا عِلاج — آسماں اَے غافلو! اب آگ برسانے کو ہے**

اورفرماتے ہیں:

سونے والو! جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے — جوخبر دی وحیٔ حق نے اُس سے دِل بیتاب ہے
زلزلہ سے دیکھتا ہُوں مَیں زمیں زیروزبر — وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
ہے سرِ رہ پر کھڑا نیکوں کی وہ مولےٰ کریم — نیک کو کُچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اِس سَیل سے
حِیلے سب جاتے رہے اِک حضرت توّاب ہے

اورفرماتے ہیں:

پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن — زلزلہ کیا اِس جہاں سے کُوچ کر جانے کے دِن

## ابلاغ۔قوم کو نصیحت

فرماتے ہیں:

یارو! خودی سے باز بھی آؤ گے یا نہیں — خُو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں!
باطل سے میل دِل کی ہٹاؤ گے یا نہیں؟ — حق کی طرف رجُوع بھی لاؤ گے یا نہیں
کب تک رہو گے ضِدّ وتعصّب میں ڈوبتے! — آخر قدم بصدق اُٹھاؤ گے یا نہیں
کیونکر کرو گے ردّ جو محقق ہے ایک بات؟ — کُچھ ہوش کر کے عُذر سُناؤ گے یا نہیں؟
سچ سچ کہو اگر نہ بنا تُم سے کُچھ جواب! — پھر بھی یہ مُنہ جہاں کو دِکھاؤ گے یا نہیں؟

اورفرماتے ہیں:

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اورآخر پر اس دردبھری آواز کو بھی سُن لیں

دوستو اِک نظر خُدا کے لیے
سیّد الخلق مصطفیٰؐ کے لیے

گزشتہ میں مصنف ''آبِ حیات'' کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ اردو شعری اسلوب کی تعیین کے چار رکن ہیں۔اور انہیں ارکان اربعہ پر آئندہ آنے والے ارباب شعر وسخن نے مشق سخن کر کے اپنی اپنی عمارتیں قائم کی ہیں اور زبان کو رنگ وروپ دیا ہے اور آخرالامر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اردو زبان کا ادب سادہ اور سہل زبان میں گل کاری کرنا ہے جس کو مولانا حسرت موہانی نے بہت سادہ مگر خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور فریضۂ اردو ادب قرار دیا ہے۔

رنگینیٔ سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط
مشکل ہے اس طریقۂ آساں کی احتیاط

ہمیں اس تحقیق سے انکار نہیں۔ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی بات محقق ہے۔اور یقیناً ہے تو اس اسلوب ادب پر جو سب سے خوبصورت عمارت قائم ہوئی ہے وہ ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے۔اگر موضوعاتِ شعر اور ترجیحات قلبی کے اختلاف کو پیش نظر رکھا جائے اور صرف اُن موضوعاتِ شعری کا جائزہ لیا جائے جو آپ حضرتؑ نے اختیار فرمائے ہیں تو اردو شعر میں کوئی شعر گوایسا نہیں ملے گا جو ان کے مقابل پر تو کیا ان کے قریب بھی پہنچ سکے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ باوجود اردو زبان کی کم عمری کے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو اپنے خاص تصرّف سے جلدی جلدی پروان چڑھا کر اس قابل بنایا کہ وہ حضرت اقدس کی آمد تک آپ کے کلام کی مدد سے اس مقام تک پہنچ جائے کہ عرفانِ باری تعالیٰ کے دقیق اور علوی مضامین اور محبتِ الٰہی کی کیفیات کو بیان کرنے کے قابل ہو۔

اردو زبان پر حضرت اقدسؑ کا یہ ایک عظیم احسان ہے۔اس وقت تعصب کی کوتاہ بین آنکھ اس ادبی حسن و جمال کا نظارہ کرنے سے قاصر ہے۔مگر ایک ایسا وقت ضرور آئے گا کہ آپ کی اس منفرد شان کو تمام ادبی محفلوں میں بیان کیا جائے گا اور اس پر مقالے لکھے جائیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

# فارسی زبان میں ابلاغ رسالت

تاریخی اعتبار سے اسلام کی آمد سے قبل فارسی زبان میں کوئی شعری سرمایہ محفوظ نہیں تھا۔ گو یہ درست ہے کہ قدیم میں ایرانی ادب کے ترانے اور باربدؔ کے راگ ادبی اشعار کے طور پر بولے جاتے تھے۔ مگر ان میں آج کے وقت کی عربی بحور اور اوزان کا التزام نہیں رکھا جاتا تھا۔

اسلام اور عربوں کے اقتدار میں آنے کے بعد دو اڑھائی سو سال گزرنے پر اغلبًا مامون الرشید کے زمانے کے قرب وجوار میں فارسی شاعری نے عربی بحور اور قواعد عروض کو اختیار کیا تھا۔ اور پھر ایسا قبول کیا کہ آج اسلامی ادب میں اس کا مقام فنِ شعر اور تخلیقِ شعر میں سب سے بلند ہے۔

فارسی شاعری کی ابتدا کے بیان میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح اردو شعر کا باوا آدم ولیؔ دکنی ہے فارسی شعر کی ابتدا رودکیؔ سے ہوئی ہے۔ مگر رودکیؔ کے بعد فارسی نے جس منصب کے بلند مرتبہ شاعر پیدا کئے ہیں۔ ان کے مقابل کی تلاش دیگر زبانوں میں ممکن نہیں ہے۔

فردوسیؔ۔ سعدیؔ۔ حافظؔ اور خیّامؔ اور اس سطح کے بہت سے اساتذہ کلامِ فارسی ہیں جنھوں نے اس زبان کو شعری عظمت دی ہے اور اس کی لسانی نوک پلک درست کر کے ایک کلاسیکی اسلوب شعر متعیّن کیا ہے۔

فارسی ایک قدیمی اور مہذّب زبان ہے۔ اپنی قدامت اور تہذیب کے متعدد اور مختلف الانواع ادوار سے گزرنے کی وجہ سے اس زبان میں نازک احساسات اور فلسفیانہ خیالات کے بیان کرنے کی قدرت پیدا ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ رسالت کے حصول کے بعد اس زبان نے اپنے ادبی مطمحِ نظر اور مقصود کو بہت جلد زمینی اور فنا پذیر اقدارِ حسن وجمال کی قیدوبند سے نکال کر حُسنِ لَم یَزل (یعنی محبت الٰہیہ) کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لاتعداد عاشقانِ محبوبِ حقیقی نے اپنی وارداتِ عشق ومحبت کو بیان کرنے کے لیے اس زبان کا سہارا لیا ہے گویا یہ عشق ومحبت کے اظہار کی زبان ہے۔

حضرت اقدسؑ کے تینوں زبانوں کے ادب میں گو محبتِ الٰہی کا مضمون جاری وساری ہے مگر جس والہانہ انداز میں اور جس کثرت سے یہ مضمون آپ کے فارسی کلام میں ملتا ہے اس طور سے دیگر زبانوں میں نہیں ہے۔

اردو اور فارسی ادب کے قابل قدر نقّاد سیّد عابد علی عابدؔ نے سچ کہا ہے کہ فارسی ادب کا مزاج روحانی ہے۔ اس لیے بنیادی طور پر وارداتِ قلبی کا حسین انداز میں بیان ہی فارسی ادب کے اسلوب کا جزوِ اعظم ہے۔

فارسی ادب کی اس روایت کے مطابق ابوسعیدؔ ابوالخیر سے لے کر سنائیؔ۔ عطّارؔ۔ مولانا رومیؔ۔ حافظؔ اور سعدیؔ

اور ایسے ایسے بہت سے شاعر ہیں جن کو الٰہیات کے موضوعات کا شاعر کہا جاتا ہے۔ مولانا رومؔ کی مثنوی کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے "ہست قرآں درزبانِ پہلوی" یعنی فارسی زبان کا قرآن ہے۔ اسلوب شعری کے اعتبار سے بھی یہی صاحب کمال شاعر ہیں جن کی طرز بیان پر فارسی شعر کی عمارت قائم ہوئی ہے۔

کسی نے بہت درست کہا ہے۔

در شعر سہ کس پیمبرانند      ہر چند کہ لانبیَّ بعدی

باوجود اس فرمان کے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا شعر میں تین اشخاص پیغمبر ہیں۔

ابیات و قصیدہ و غزل را      فردوسیؔ و انوریؔ و سعدیؔ

مثنوی اور قصیدہ اور غزل کے اعتبار سے یہ فردوسیؔ اور انوریؔ اور سعدیؔ ہیں

فارسی ادب میں ان تین شاعروں کا اپنی صنف شعر میں بے مثال ہونا تو بالکل برحق ہے۔ مگر ہم بات الٰہیات کے موضوعات کی کررہے ہیں اور اس تسلسلِ بیان میں عرض کرتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی بعثت سے قبل جن عنوانات شعری کو الٰہیات کے مضامین کہا جاتا تھا وہ عمومی طور پر اسلامی اخلاق اور تہذیب کے عنوانات ہیں۔ کہیں کہیں جستہ جستہ محبتِ الٰہی کا ذکر ہوتا ہے مگر وہ بھی اس طور سے کہ کھینچ تان کر ان کے اشعار کے مجازی معنی کئے جائیں تو اُس کا ثبوت ملتا ہے۔ عرفان الٰہی کا مضمون تو بالکل کالعدم ہے۔

اسلامی سرمایہ ادب میں جس کلام کو صوفیانہ کلام کہتے ہیں وہ اسلامی اخلاق پر وعظ و نصیحت ہے اور باقی مجاز کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ شعر محبوبِ حقیقی کی محبت کی واردات بیان کررہا ہے یا محبوبِ مجازی کی۔

آذریؔ نے بہت درست کہا ہے:

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار      زِ یک جام اند در بزمِ سخن مست

اگرچہ قادر الکلام شاعر شعر کی محفل میں ایک ہی جام سے سرمست ہیں

ولے با بادۂ بعضِ حریفاں      فریبِ چشمِ ساقی نیز پیوست

مگر بعض دوستوں کی شراب میں کچھ حصہ ساقی کی چشم مست کا بھی ہوتا ہے

مبیں یکساں کہ در اشعارِ ایں قوم      ورائے شاعری "چیزے دِگر ہست"

اس لیے یہ خیال نہ کرو کہ ان کے اشعار میں شاعری کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے

"چیزے دِگر ہست" کی ترکیب لفظی سے مجھے خیال آیا کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اکثر

شاعروں میں بجز شعر گوئی کوئی اور روحانی حقیقت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے حضرت اقدسؑ کے اشعار کو دیگر شاعروں کے کلام سے ممتاز کرنے کے لیے آپ کو یہ الہام کیا

''در کلام تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست''

تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جو دیگر شعراء کو نصیب نہیں ہوئی

مشاہدہ کریں کہ ''چیزے دگر ہست'' اور ''چیزے است'' میں کس قدر اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اسلامی ادبِ شعر میں کوئی بھی ایسا شاعر نہیں جس نے برملا اور بے نقاب ہو کر عاشقِ الٰہی ہونے کا اعلان کیا ہو۔ شعر میں یہ ممتاز منصبِ افتخار صرف اور صرف حضرت اقدسؑ کے اشعار کو نصیب ہوا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی عطاء خاص کے طور پر بیان بھی کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کی مناجات کے یہ چند اشعار ہی کافی ہیں۔

اے خداوندِ من گناہم بخش　　　سوئے درگاہِ خویش راہم بخش

اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے۔ اپنی بارگاہ تک میری رہنمائی کر

روشنی بخش در دل و جانم　　　پاک کُن از گناہِ پنہانم

میرے دل و جان میں روشنی کردے اور پوشیدہ گناہ سے مجھے پاک کردے

دلستانی و دلربائی کن　　　بہ نگاہے گرہ کشائی کُن

اپنے حُسن سے میرے دل کو چھین لے۔ ایک نظر سے میری مشکل کشائی کردے

**در دو عالم مرا عزیز توئی　　　و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی**

دونوں جہانوں میں تو ہی میرا پیارا ہے۔ اور جو چیز میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

مناجات اور عشق الٰہی کے عنوان میں ایسا کلام کہاں ملے گا۔ یہی وہ عنصر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ''چیز'' کہا ہے۔

یہاں تک تو فارسی شاعری پر ایک طائرانہ نظر ہے اور فارسی شعر میں آپ حضرتؑ کی منفرد اور ممتاز شان کو بیان کیا گیا ہے۔

اب وقت آیا ہے کہ یہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے کہ فارسی شعر میں اساتذۂ فنِ شعر جن کی پیمبرانہ ادبی شان گذشتہ میں رقم ہوئی ہے۔ ان کے اسلوب بیان اور پسندیدہ اصناف شعر کا کچھ ذکر ہو۔

اس حقیقت سے تو کسی صاحبِ نظر ادیب کو اختلاف نہیں ہوگا کہ مشرقی ادب، یعنی اُردو، فارسی اور عربی میں بنیادی اور حقیقی اصنافِ ادب ابیات اور قصیدہ اور غزل ہی ہیں۔ گو اگر ان زبانوں کی شعری تاریخ پر نظر کی جائے تو حقیقت میں قصیدہ ہی ایک ایسی صنفِ ادب ہے۔ جس کے بطن سے دیگر اصناف شعر رونما ہوئی ہیں۔

قصیدہ دراصل عربی ادب کا باوا آدم ہے۔ ابتدا میں اسی صنفِ شعر میں تمام دیگر اصنافِ شعر کے موضوعات شامل ہوتے تھے۔ جیسے کہ روایۃً اس کا اوّل حصہ تشبیب کہلاتا تھا جس میں شاعر کے محبوب کا حسن و جمال اور اس کی محبت کا بیان ہوتا تھا جو کہ غزل کا موضوع ہے اور قصیدہ کے بطن میں ذاتی یا قومی تفاخر کا بیان ہوتا تھا، جس میں دیگر تمام اصناف شعر دستیاب ہو جاتے تھے۔ جن کو بعد میں آنے والے ادیبوں نے مستقل اصناف کے طور پر اختیار کر لیا تھا یعنی مثنوی، غزل، رباعی اور مدح و تفاخر وغیرہ۔

اس لیے اگر کہا جائے کہ مشرقی ادب کی بنیاد قصیدہ ہے تو بالکل بے جا نہیں ہوگا۔ تاہم اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا کہ قصیدے کے بطن سے جو دیگر اصناف شعر پیدا ہوئی ہیں وہ اپنی ارتقائی منازل کو طے کرنے کے بعد ایک مخصوص اور منفرد اسلوبِ بیان کے حامل ہوگئی ہیں اور اپنی اپنی ایک منفرد شان رکھتی ہیں۔ چنانچہ مثنوی یا ابیات کا ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے غزل اور قصیدہ سے کوئی اتحاد نہیں ہے اور نتیجۃً یہ تینوں بنیادی اصناف شعر اپنے اسلوب میں باہم دگر ممتاز اصناف شعر کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اسی حقیقت کی بنا پر ہم نے فیصلہ کیا کہ ان تین اصناف شعر میں حضرت اقدسؑ اور دیگر اساتذۂ شعر کو اس طور پر پیش کیا جائے تاکہ ان کے اسلوب شعر کی تعیّن بھی ہو جائے اور حضرت اقدسؑ کا ان اقدار شعر کی پاسداری کرنا بھی ظاہر ہو جائے۔

اس سے قبل کہ ہم ان اصناف شعر میں اساتذۂ شعرِ فارسی اور حضرت اقدسؑ کے کلام کو تقابلی موازنہ کے لیے پیش کریں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ گو ہم نے اس غرض کے لیے ''ابلاغِ رسالت'' کا موضوع انتخاب کیا ہے مگر کیونکہ فارسی زبان بولنے والی اقوام میں ہندو۔ سکھ اور عیسائی مذہب رکھنے والے باشندے نہیں ہیں اس لیے حضرت اقدسؑ کے فارسی کلام میں ان سے خطاب نہیں کیا گیا تاہم ''کاسرِ صلیب'' ہونے کے اعتبار سے عیسائیوں پر ابلاغ دستیاب ہے۔ اور ایک دو مقامات میں ہندوؤں پر بھی ہے۔ ان کی دہریت کی بنا پر۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ شعری تقابل کے تعلق میں اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ ترجیحات شعری اور موضوعاتِ شعری سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جائزہ لیا جائے کہ حضرت اقدسؑ نے فارسی زبان کے اسالیب شعری کا کس حسن و خوبی سے التزام کیا ہے۔

———☆———

## ابیات

گذشتہ میں بیان شدہ اصنافِ شعر کی ترتیب کے مطابق ہم ''ابیات''، یعنی مثنوی کی صنف کو اوّل بیان کرتے ہیں۔ابیات دراصل ''مثنوی'' کا ہی دوسرا نام ہے۔اس طرزِ کلام میں ہر شعر اپنی بحر اور وزن کے اتحاد کے باوجود اپنا جداگانہ قافیہ رکھتا ہے۔ اس لیے ان کو ابیات کا نام دیا گیا۔

مثنوی کے موضوعات تاریخی واقعات اور روایتی حکایات کے ساتھ اخلاقی اور صوفیانہ درس وتدریس بھی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی رزمیّہ (یعنی قومی جنگ وجدل کا ذکر) بھی ہوتی ہے اور عشق ومحبت کی داستانوں کے ساتھ صوفیانہ خیالات کے بیان کے لیے بھی اختیار کی جاتی ہے۔

فردوسیؔ کی مثنوی رزمیّہ ہے۔شاہنامہ فردوسیؔ کے نام سے مشہور عام ہے اور خالص زبان فارسی یعنی زبان پہلوی کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔اس کے مضامین شاہانِ ایران کی تاریخ، جنگ وجدال اور روایتی قومی حکایات ہیں۔

دوسری مشہورِ عالم اور عظیم مثنوی جو مثنوی رومی کے نام سے معروف ہے۔منازل سلوک اور دیگر صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہے۔میرے خیال میں فارسی شاعری میں ابوسعید ابوالخیر کے بعد رومیؔ اور سنائیؔ ہی دو ایسے شاعر ہیں جو مجاز سے صرفِ نظر کرتے ہوئے منازل سلوک اور محبتِ الٰہی کو بیان کرتے ہیں اور اُن کے حصول کا درس دیتے ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مثنوی واقعات کے بیان اور درس وتدریس کی صنفِ شعر ہے۔اس لیے اسلوب بیان کے اعتبار سے اس کی فنّی اقدار میں ترتیبِ بیان اور وارداتِ ذہنی اور قلبی کو سلاست اور وضاحت سے بیان کرنا بنیادی اقدارِ فن ہیں اور یہی دو صفات ہیں جن کی بناپر فردوسیؔ اور رومیؔ کی مثنویوں کو شاہکار اور لاجواب سمجھا جاتا ہے۔

فردوسیؔ کے اشعار کو نمونہ کے طور پر پیش کرنے میں یہ مشکل تھی کہ اس کے موضوعاتِ شعر حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ شعر سے یکسر مختلف ہیں تاہم تلاش بسیار کے بعد شاہ نامہ میں ایک ایسا بیان مل گیا ہے جو حضرت اقدسؑ کا بھی دل پسند مضمون ہے یعنی ثناءِ باری تعالیٰ۔

فردوسی کہتا ہے:

خداوند نام و خداوند جائے      خداوند روزی دہِ رہنمائے

خدا اس کا نام ہے اور مالک کل اس کا منصب ہے روزی دینے اور راہنمائی کرنے کا مالک ہے

زِ نام و نشان و گماں برترست      نگارندۂ برشدہ گوہر ست

وہ نام ونشان اور قیاس سے بالاتر ہے وہ قیمتی موتیوں کو پیدا کرنے والا ہے

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ　　　　　کہ او برتر از نام و از جائگاہ
اس کی ہستی تک عقل کی رسائی نہیں کیونکہ وہ نام ونشاں سے بالاتر ہے
خرد را و جاں را ہمیں سنجد او　　　　　در اندیشۂ سختہ کے گنجد او
عقل اور جسم اس سے زندہ ہے اس لیے ناقص خیال میں وہ کیسے سما سکتا ہے
بہ ہستیش باید کہ خستو شوی　　　　　زِ گفتارِ بیکار یکسو شوی
اس کی ہستی کے بارے میں بہتر ہے کہ اقرار کر لیا جائے اور بے کار گفتگو کو ترک کیا جائے
**توانا بود ہر کہ دانا بود　　　　　زِ دانش دلِ پیر برنا بود**
عقل مند انسان طاقت ور ہوتا ہے اور عقلمندی سے بوڑھے کا دل بھی جوان ہوجاتا ہے
**ازیں پردہ برتر سخن گاہ نیست　　　　　بہ ہستیش اندیشہ را راہ نیست**
اس بیان سے بہتر کوئی بیان نہیں کہ اس کی ہستی تک عقل کی رسائی نہیں ہے

اس کے مقابل پر مثنوی کی طرز پر حضرت اقدسؑ کا فرمان مشاہدہ کریں۔

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار　　　　　کز وجودش ہر وجودے آشکار
اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا
ایں جہاں آئینہ دارِ روئے اُو　　　　　ذرّہ ذرّہ رَہ نماید سوئے اُو
یہ جہان اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے ذرّہ ذرّہ اُسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے
کرد درآئینہ ارض و سما　　　　　آں رُخِ بے مثلِ خود جلوہ نما
اس نے زمیں و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا
ہر گیاہے عارفِ بُنگاہِ اُو　　　　　دستِ ہر شاخے نماید راہِ اُو
گھاس کا ہر پتہ اس کے کون ومکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اُسی کا راستہ دکھاتی ہے
نُورِ مہر و مَہ زِ فیضِ نُورِ اُوست　　　　　ہر ظہورے تابعِ منشورِ اُوست
چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اُسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے
ہر سرے سِرّے زِ خلوتِ گاہِ اُو　　　　　ہر قدم جوید درِ باجاہِ اُو
ہر سَر اُس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اُسی کا باعظمت دروازہ تلاش کرتا ہے
مطلبِ ہر دل جمالِ روئے اُوست　　　　　گمر ہے گرہست بہرِ کوئے اُوست
اُسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اُسی کے کوچہ کی تلاش میں ہے

اوّل تو عرفان ہستی باری تعالیٰ میں فردوسیؔ سے بُعد اور اختلاف ہے۔فردوسی کے بیان میں ایک ناکامی اور لاحاصلی ہے۔اس کے خیال میں باری تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرنی چاہیے۔بہتر ہے کہ اس کی ہستی کو قبول کرلیا جائے۔

دوسری طرف حضرت اقدسؑ ایک زندہ خدا کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور کائنات کے ہر ذرہ کو اس ہستی کا گواہ ٹھہراتے ہیں اور انسان کی ہر تمنا اور مقصود کو دراصل باری تعالیٰ کی تلاش کا عمل قرار دیتے ہیں۔یہاں تک کہ اگر کوئی گمراہ بھی ہے تو بھی وہ عرفانِ باری تعالیٰ کی تلاش ہی میں گم گشتہ راہ ہے۔

عرفانِ باری تعالیٰ میں فردوسیؔ کی اس کم مائیگی کا جواز ہے کہ وہ حضرتؑ کی طرح سے عارف باللہ اور واصل باللہ انسان نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار میں تاثیر نہیں۔شعر کا ابلاغِ کامل تاثیر سے ہوتا ہے اور تاثیر صرف موضوع یا مواد سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ شعر ہونے کے ناطے سے الفاظ اور تراکیب کا حسین اور دلفریب ہونا اس کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ صاحبِ شعر کے جذبات قلبی اور مشاہدات روحانی اس کی اپنی واردات عشق و محبت ہوں۔

مثنوی کے اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی مشاہدہ کریں کہ فردوسیؔ کے بیان میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔مضامین میں تکرار ہے اور ترکیب لفظی کے اعتبار سے کلام میں بندش کی خوبی اور اس کا حسن و جمال بالکل مفقود ہے۔ایک تکنیکی طرز بیان ہے اور اس کے حاصل کلام شعر (جو کہ ایرانی تہذیب میں مقبول عام ہے)

توانا بود ہر کہ دانا بودِ زدانش دلِ پیر برنا بود

اپنی معنوی اور لفظی بندش کی خوبی کے باوجود موضوعِ کلام سے بے تعلق ہے

ابیات اور مثنوی کے اسلوب کے بیان میں ہم نے مولانا رومیؔ کو شامل کیا ہے۔کیونکہ آپ کی مثنوی بھی فارسی شعر میں شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

واصلین باری تعالیٰ کے مناقب کے بیان میں مولانا رومیؔ کہتے ہیں۔

بندگانِ خاصِ علاّمُ الغیوب درجہاں جانِ جواسیس القلوب

اس خدائے عالم غیب کے خاص بندے روحانیت کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

باازل خوش بااجل خوش شاد کام فارغ از تشنیع و گفتِ خاص وعام

وہ مشیت ازلی پر راضی اور اجل سے خوش ہوتے اور خاص وعام کے طعن و تشنیع سے بے پرواہ رہتے ہیں۔

کار ایشاں است زاں سوی بری گردوت روشن چو گردِ رہ بری

ان کے معاملات عیب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت تجھ پر اس وقت کھلے گی جب تو انکی گرد راہ حاصل کرے گا۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

وَلی (خدا کے دوست) کی ذات سے خدا کا نور آشکار ہوتا ہے۔ اگر تو اہل دل ہے تو اُن سے نیک گمان رکھ۔

کاں گروہی کے رہیدند از وجود چرخ و مہر و ماہِ شاں آرد سجود

جو لوگ اپنی ہستی مٹا دیتے ہیں آسمان اور چاند سورج ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

ہر کہ مُرد اندر تن اُو نفسِ گبر مرورا فرماں برد خورشید و ابر

جن کے تن کے اندر نفسِ کافر مر جاتا ہے۔ آفتاب و ابر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

چوں دلش آموخت شمع افروختن آفتاب اُو را نیارد سوختن

جنھوں نے محبت کی شمع جلانا سیکھ لی اُن کو آفتاب بھی نہیں جلا سکتا۔

اولیا راہست قدرت از اِلٰہ تیر جستہ باز گرداند زِ راہ

خدا نے اپنے دوستوں کو یہ طاقت دی ہے کہ کمان سے چھوڑے ہوئے تیر کو راہ سے لوٹا سکتے ہیں۔

چوں قبولِ حق بود آں مردِراست دستِ او در کارہا دستِ خداست

چونکہ وَلی خدا کا مقبول ہوتا ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے۔

جہل آید پیش اُو دانش شود جہل شد علمی کہ در ناقص رود

جہل اس کے حضور میں علم سے مبدّل ہوجاتا ہے۔ اس کے برخلاف ناقص سے منسوب ہو کر علم بھی جہل بن جاتا ہے۔

اس مضمون میں حضرت اقدسؑ کا کلام بھی سُن لیں

چو صوفِ صفا در دل آمیختند مداد از سوادِ عیوں ریختند

جب صفائی کا صوف دل میں ملاتے ہیں تو آنکھوں کی سیاہی سے روشنی ڈالتے ہیں

دو چیز است چوپانِ دُنیا و دیں دلِ روشن و دیدۂ دُور بیں

دو چیزیں دین و دُنیا کی محافظ ہیں۔ ایک تو روشن دل دوسرے دُور اندیش نظر

خدا راست آں بندگانِ کرام کہ از بہرِ شاں مے کند صبح و شام

خدا کے نیک بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے خدا صبح و شام کو پیدا کرتا ہے

بدنبال چشمے چو مے بنگرند جہانے بُدنبالِ خود مے کشند

جب وہ کن انکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہاں کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں

اثر ہاست در گفتگوہائے شاں    چکد نُورِ وحدت زِ رو ہائے شاں

اُن کے کلام میں اثر ہوتا ہے اور اُن کے چہروں سے توحید کا نور ٹپکتا ہے

در او شاں بہ اظہارِ ہر خیر و شر    نہادست حق خاصیت مستتر

ان میں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے خدا تعالٰے نے مخفی خاصیت رکھ دی ہے

بگفتن اگرچہ خدا نیستند    ولے از خدا ہم جدا نیستند

اگرچہ کہنے کو وہ خدا نہیں ہیں ۔ لیکن خدا سے جُدا بھی نہیں ہیں

کسے راکہ اُو ظلِّ یزداں بود    قیاسش بخود جہل و طغیاں بود

جو شخص خدا کا ظلّ ہو اس کو اپنے پر قیاس کرنا جہالت اور سرکشی ہے

فردوسی کے نمونۂ کلام کے بارے میں تو چند لفظی تجزیہ بیان ہو چکا ہے مولانا رومؔی کے بیان میں بھی یہ بات عیاں ہے کہ اس میں کیفیات کے بیان میں تسلسل اور باہم ربط کا فقدان ہے اور شعری حسن وخوبی کے اجزا جن سے شعر میں حُسن و جمال پیدا ہوتا ہے نمودار نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ باوجود روحانی موضوعات سے ذہنی مناسبت کے ان کا کلام ایک تکنیکی انداز کا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ایک واعظ اور مدرّس علمی اعتبار سے عاشقان الٰہی کا منصب بیان کرر ہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدسؑ سلوک کی راہ میں قرآن کریم کو اوّل مقام دیتے ہیں اور تمام مسالکِ سلوک کو قرآن کریم کی تربیّت کے تابع کرنا چاہتے ہیں اور بہت درد سے فرماتے ہیں۔

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند    آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

افسوس ہے کہ قرآن کے چہرہ کا حسن ان پر ظاہر نہیں ہوا۔مگر واقعہ یہ ہے وہ تو ظاہر ہے مگر صاحبِ عرفان ختم ہوگئے ہیں

اور بہت تاکید سے فرماتے ہیں کہ تمام دیگر آدابِ طریقت کو چھوڑ کر قرآن کریم کی تعلیم کو اختیار کرو۔ جیسے فرمایا:

بگذار وِردِ مثنوی وشغلِ غزل و شعر    ایں خود چہ چیز ہست اگر قدرِ آں نماند

مثنوی کے ورد کو ترک کرو اور غزل وشعر میں مشغول نہ رہو ان کی اپنی ذات میں کوئی حیثیت نہیں اگر قرآن کی قدر نہ کی جائے

مولانا رومؔی کے مقابل پر حضرت اقدسؑ کے کلام کو مشاہدہ کریں یہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق صادق اپنی قلبی واردات اور مشاہدات کو بیان کرر ہا ہے اور وہ تمام صفات جو واصل باللہ انسان میں عملی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں ان کا ثبوت فراہم کرر ہا ہے۔ اس شعر کے حسن وخوبی کو دیکھیں۔ فرماتے ہیں:

بدنبالِ چشمے چو مے بنگرند    جہانے بُدنبالِ خود مے کشند

جب وہ اپنی آنکھ کے کنارے سے نظر کرتے ہیں تو ایک جہان کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں

فارسی میں ''دنبال چشم'' آنکھ کے کنارے کو کہتے ہیں آنکھ کا وہ حصہ جس میں سرمہ لگاتے وقت سرمے کو طویل کر دیا جاتا ہے۔اسی بنا پر ایسی آرائش چشم کو ''سرمۂ دنبالہ دار'' کہتے ہیں (ایسی کیفیت چشم کو کن انکھوں سے دیکھنا بھی کہتے ہیں)۔مگر کسی اور زبان کی ترکیب لفظی سے وہ معنوی دلالتیں پیدا نہیں ہوسکتیں جو ''دنبالِ چشم'' نے پیدا کی ہیں۔اس ترکیب لفظی میں استغنٰی اور محویت اور غیر اللہ سے انقطاع کا انداز بھی ہے۔ایک انداز محبوبیّت بھی ہے اور بہت کچھ ہے جس کو آپ کے عاشق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

دوبارہ سُن لیں۔

**بدنبالِ چشمے چو مے بنگرند**

**جہانے بُدنبالِ خود مے کشند**

اسلامی دنیا میں واقعاتی طور پر تو یہ حادثہ دو مرتبہ ہی ہوا ہے اوّل ہمارے آقا اور ہادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کہ آپ نے ایک نظر سے ایک جہان کو اپنا غلام بنالیا اور دوسرے آپ کے نائب اور مثیل حضرت اقدس علیہ السلام کے وقت میں کہ ایک نیم وا چشم سے ایک جہاں کو اپنی محبت میں مبتلا کر دیا۔

یہ امر ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سب سے بڑھ کر محبت کا جذبہ پیدا نہ کیا ہو اور ایسا حکم صادر فرما دے۔یہی تحفہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا۔

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ:40)

اور پھر حضرت اقدس کو یہ نوید عطا کی جیسا کہ الہام حضرت اقدس میں فرمایا:

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ

آپ حضرت اس الہام کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اپنی طرف سے تجھ میں محبت ڈال دی تا میرے روبرو تجھ سے نیکی کی جائے۔''
(تذکرۃ صفحہ 72۔مطبوعہ 2004ء)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''اپنی طرف سے مَیں نے تُجھ پر محبت ڈال دی یعنی تجھ میں ایک ایسی خاصیت رکھ دی کہ ہر ایک جو سعید ہوگا وہ تجھ سے محبت کرے گا اور تیری طرف کھنچا جائے گا۔مَیں نے ایسا کیا تا کہ تُو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاوے اور میرے رُوبرو تیرا نشو نما ہو''۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ عظیم الشان تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام عاشقان الٰہی کو عطا کیا ہے اور حقیقی عاشقانِ الٰہی انبیاء اور مرسلین

ہی ہوتے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبة: 24)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمھاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دلپسند ہیں خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو تُم اُس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اسی فرمانِ خداوندی کی تصدیق میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ہیں جس میں وہ ہوں، وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرے گا۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ باقی تمام چیزوں سے اسے زیادہ محبوب ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرے اور تیسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کفر سے نکل آنے کے بعد پھر کفر میں لوٹ جانے کو اتنا ناپسند کرے جتنا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہو۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان وارداتی اظہارِ منصب ہے نہ کہ شاعرانہ موزوں کلامی۔ خاکسار یقین سے کہہ سکتا ہے کہ واصلین باری تعالیٰ کے مناقب بیان کرنے میں حضرت اقدسؑ کے یہ چند اشعار اسلامی ادب کے شاہکار ہیں اور ان کے مقابل پر کسی کے کلام کو تلاش کرنا ایک بے سود عمل ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سے عاشقانِ باری تعالیٰ نے فارسی زبان میں روحانی مشاہدات اور قلبی واردات کا ذکر کیا ہے جیسے سنائیؔ۔ عطّارؔ۔ اور رومیؔ اور اس نوع کے دیگر شعراء ہیں مگر تصوّف اور سلوک کے مضامین کو بیان کرنے میں یہ خصوصیت کہ صاحبِ شعر روحانی مناقب کو ذاتی وارداتِ قلبی اور مشاہداتِ روحانی کے طور پر بیان کرر ہا ہو اسلامی ادب میں ایک ایسا منصب ہے جو کسی اور صاحبِ شعر کو نصیب نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام

میں ادبی خوبی کے باوجود وہ تاثیر نہیں جو کہ ایک عاشق صادق کے کلام میں ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اُن کا کلام کوئی حقیقی جذبہ اور قلبی حرکت پیدا نہیں کرتا وعظ اور درس مکتب کی حد تک ہی رہتا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اپنے کلام کی اس منفرد اور ممتاز کیفیت کو کہ یہ ایک عاشق صادق اور واصل باللہ کا کلام ہے بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

من نہ واعظ کہ عاشقِ زارم　　　آید از طورِ واعظاں عارم

میں ایک واعظ نہیں بلکہ عاشق زار ہوں اور واعظوں کے طریق سے مجھے عار ہے

نزد بیگانگاں جنوں زدہ ام　　　نزدِ معشوق نیک ہشیارم

غیروں کے نزدیک میں جنون میں مبتلا ہوں مگر معشوق کے نزدیک میں بہت ہوشیار ہوں

اور اس شعر کے حسن و خوبی کو بھی دیکھیں۔

فرماتے ہیں:

رائے واعظ اگرچہ رائے من است
لیک عشقِ تُو بندِ پائے من است

اگرچہ میری رائے بھی وہی ہے جو واعظ کی رائے ہے مگر تیرے عشق کی بیڑی میرے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔

پیش کردہ نمونے کے اشعار کے باہم دگر تقابل پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ فارسی ابیات میں حضرت اقدسؑ کا منصب کس قدر بلند ہے اور یہ کہ آپ کس شان سے اسالیبِ شعرِ فارسی کی پاسداری کرتے ہوئے اساتذۂ شعر کے ہم پلہ ہی نہیں بلکہ بدرجہا بہتر ہیں۔

مثنوی کی صنف شعر میں اس فن کے اساتذہ سے حضرت اقدسؑ کے کلام کا تقابلی موازنہ تو پیش کیا جا چکا ہے مگر کیونکہ ہم نے اس موضوع میں ''ابلاغِ رسالت'' کے عنوان میں اشعار پیش کرنے کا دستور اختیار کیا ہے اس لیے ہم چند ایک مثالیں اس موضوع پر آپ حضرتؑ کی فارسی ابیات میں پیش کرتے ہیں۔

مرسلین باری تعالیٰ ابلاغِ رسالت دو طور سے کرتے ہیں۔

**اوّل** عقلی براہین اور خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق اور اُس کی صفات سے متّصف ہونے کو ثابت کر کے۔ اس طرز پر حضرت اقدسؑ کی تحریر اور تقریر میں ایک ضخیم خزانہ موجود ہے۔

دوسرے طور پر اپنی صداقت پر خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر یعنی یہ اعلان کر کے کہ اُن کی صداقت کی شہادت خدا تعالیٰ سے طلب کرو۔

دوسرے طور کی شہادت اس قدر قوی اور مستحکم ہوتی ہے کہ اُس کے بعد کسی عقلی اور منطقی استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ شہادت یا تو الہام الٰہی اور القاء قلبی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے یا مباہلہ کے ذریعہ سے یعنی مرسَلین باری تعالیٰ خدا تعالیٰ سے اذن حاصل کر کے اپنے صدق کا ظہور مانگتے ہیں۔

الہام اور القاء کے تعلق میں تو حضرت اقدسؑ سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ذریعہ سے آپ کی دعاوی پر ایمان لانے والوں کی ایک جماعت آپ کو عطا کرے گا۔ چنانچہ یہ الہام الٰہی آپ پر بہت مرتبہ ہوا

**''ینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السماء''**

(تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کریں گے)

(تذکرہ صفحہ 39، 195، 295، 301، 535، 541، 621، 623۔ مطبوعہ 2004ء)

چنانچہ آپ کے سب غلام اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ اُن کے باپ دادوں نے اور آپ کے وقت میں تمام اصحاب نے خدا تعالیٰ سے خبر اور یقین حاصل کر کے آپ کی تصدیق کی۔

یہی بات حضرت اقدسؑ نے کس خوبصورتی سے بیان کی ہے فرماتے ہیں:۔

عزیزاں مے دہم صدبار سوگند　　بروئے حضرتِ داوار سوگند

اے دوستو میں تمہیں سینکڑوں قسمیں دیتا ہوں اور جنابِ الٰہی کی ذات کی قسمیں دیتا ہوں

کہ درکارم جواب از حق بجوئید　　بہ محبوبِ دلِ ابرار سوگند

کہ میرے معاملہ میں خدا سے ہی جواب مانگو۔ میں تمہیں نیکوں کے دلوں کے محبوب کی قسم دیتا ہوں

کس قدر درد اور غم سے بھرا ہوا بیان ہے اپنے صدق پر خود ہی گواہ ہے یعنی یہ کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اُسی سے میرا صدق طلب کرو

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

دو چشمِ خویش صفا کن کہ تا رخم بینی　　وگرنہ پیشِ تو صد عدل ہم جفا باشد

اپنی دونوں آنکھیں صاف کرتا کہ میرا چہرہ دیکھ سکے ورنہ تیری نظر میں تو ہر انصاف ہی ظلم دکھائی دے گا

مرا بریں سخنم آں فضول عیب کند　　کہ بے خبر زِ رَہ و رسم دینِ مَا باشد

میری اس بات میں وہ فضول گو عیب نکالتا ہے جو ہمارے دین کی راہ و رسم سے بے خبر ہے

کجاست ملہم صادق کہ تا حقیقتِ ما　　　　بر و عیاں ہمہ از پردۂ خفا باشد

ایسا ملہم صادق کہاں ہے کہ جس پر ہماری حقیقت پردۂ حجاب میں سے بھی ظاہر ہو

ابیات کی صنف میں بہت سے زر و جواہر پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس اسلوب شعر پر حضرت اقدسؑ کے منصب عالی کو مزید ظاہر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ تاہم اس خیال کے پیشِ نظر کہ ہم نے چند ایک موضوعاتِ شعری اس مضمون کے تحت پیش کرنے کا دستور بنایا ہے۔ ابیات میں کچھ ذیلی موضوعات کے اشعار بھی آپ کو سناتے ہیں۔

اوّل حضرت اقدسؑ کے کلام میں آپ حضور کے عقائد کا اعلان سُن لیں۔ ابلاغِ رسالت میں یہ عنوان اوّل مقام رکھتا ہے۔

فرماتے ہیں:

مامسلمانیم از فضلِ خُدا　　　　مصطفٰے ما را امام و مقتدا

ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔محمد مصطفٰے ہمارے امام اور پیشوا ہیں

اندریں دیں آمدہ اَز مادریم　　　　ہم بریں از دارِ دُنیا بگذریم

ہم ماں کے پیٹ سے اسی دین میں پیدا ہوئے اور اسی دین پر دُنیا سے گذر جائیں گے

آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اُوست　　　　بادۂ عرفانِ ما از جامِ اُوست

خدا کی وہ کتاب جس کا نام قرآن ہے ہماری شرابِ معرفت اُسی جام سے ہے

آں رسولے کش محمدؐ ہست نام　　　　دامنِ پاکش بدستِ ما مدام!

وہ رسول جس کا نام محمد ہے۔ اُس کا مقدس دامن ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے

مہرِ او باشیر شد اندر بدن　　　　جان شد و باجان بدر خواہد شدن

اُس کی محبت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمارے بدن میں داخل ہوئی وہ جان بن گئی اور جان کے ساتھ ہی باہر نکلے گی

ہست او خیر الرسل خیرالانام　　　　ہر نبوت را برو شد اختتام

وہی خیرالرسل اور خیرالانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اُس پر ہوگئی

ماازو نوشیم ہر آبے کہ ہست　　　　زو شدہ سیراب سیرابے کہ ہست

جو بھی پانی ہے وہ ہم اُسی سے لے کر پیتے ہیں جو بھی سیراب ہے وہ اُسی سے سیراب ہوا ہے

**آنچہ مارا وحی و ایمائے بود!　　　　آں نہ از خود از ہماں جائے بود!**

جووحی و الہام ہم پر نازل ہوتا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے

**ما ازو یابیم ہر نور و کمال! وصلِ دلدارِ ازل بے او محال**

ہم ہر روشنی اور ہر کمال اُسی سے حاصل کرتے ہیں محبوب ازلی کا وصل بغیر اُس کے ناممکن ہے

**اقتدائے قولِ اُو در جانِ ماست ہرچہ زُو ثابت شود ایمانِ ماست**

اُس کے ہرارشاد کی پیروی ہماری فطرت میں ہے جوبھی اس کا فرمان ہے اس پر ہمارا پورا ایمان ہے

## عیسائیوں پر ابلاغِ رسالت

ہر کہ در راہِ محمدؐ زد قدم انبیاء را شُد مثیل، آں محترم

جس نے محمد کے طریقہ پر قدم مارا۔ وہ قابل عزت شخص نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے

تو عجب داری زِ فوزِ ایں مقام پائے بندِ نفس گشتہ صُبح و شام

تو اس درجہ کی کامیابی پر تعجب کرتا ہے کیونکہ تو ہر وقت اپنے نفس کا غلام ہے

اے کہ فخر و ناز بر عیسٰی تراست بندۂ عاجز بچشمِ تو خداست

اے وہ شخص کہ تجھے عیسٰی پر فخر اور ناز ہے اور خدا کا ایک عاجز بندہ تیری نظر میں خدا ہے

شد فراموشت خداوندے ودود پیشِ عیسٰی اُو فتادی در سُجود

تجھے خدائے شفیق بھول گیا اور تو عیسٰی کے آگے سجدہ میں گر گیا

من ندانم ایں چہ عقل است و ذکا بندۂ را ساختن ربُّ السَّما

میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسی عقل اور ذہانت ہے کہ ایک بندہ کو خدا بنایا جائے

فانیاں را نسبتے با اُو کُجا از صفاتِ اُو کمال است و بقا

فانی انسانوں کو خدا سے کیا نسبت اس کی صفت تو کامل ہونا اور ہمیشہ رہنا ہے

**حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدائی منصب دینے کے جواب کو بھی سُن لیں۔**

**در آں ابنِ مریم خدائی نبود زِ موت وزِ فوتش رہائی نبود!**

اُس ابن مریم میں خدائی نہ تھی۔ کیونکہ موت و فوت سے اُسے رہائی حاصل نہ تھی

**رہا کرد خود را زِ شرک و دوئی توہم کُن چنیں ابنِ مریم توئی!**

اُس نے اپنے تئیں شرک اور دوئی سے آزاد کر لیا تھا تو بھی ایسا کر۔ ابنِ مریم تو بھی بن جائے گا

کتنا پیارا استدلال ہے یہ کہ جو بھی شرک سے کامل پاک ہو جاتا ہے وہ ابن مریم ہوتا ہے۔

آخر پر ہندوؤں اور دہریوں پر ابلاغِ رسالت کا مشاہدہ کریں۔ جیسا کہ ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ روح اور مادہ ہمیشہ سے ہے اور مخلوق نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اے زِ تعلیم وید آوارہ منکر از فیض بخشِ ہموارہ

اے کہ تو وید کی تعلیم کی وجہ سے گمراہ ہوگیا ہے اور دائمی فیض رساں خدا کا منکر ہے

آں قدیرے کہ نیست زو چارہ نزدِ تو عاجز ست و ناکارہ

وہ قادر جس کے سوا کسی کا گذارہ نہیں ہے تیرے نزدیک عاجز اور ناکارہ ہے

بشنوی گر بود بحق رُوئے شورِ قَالُوْا بَلٰی زِ ہرسُوئے

اگر تیرا منہ خدا کی طرف ہو تو تُو ضرور سُنے گا ہر طرف سے قالوا بلٰی کا شور

آنکہ باذاتِ او بقاوؔ حیات چوں نباشد بدیعِ ما آں ذات

وہ کہ جس کی ذات سے ہر بقا اور زندگی وابستہ ہے وہ ذات ہماری خالق کیوں نہیں ہوسکتی

**ناتوانی ست طورِ مخلوقات گے خدا ایں چنیں بود ہیہات**

کمزوری تو مخلوقات کا خاصّہ ہے مگر خدا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے ۔ افسوس!

**گے پسندد خرد کہ ربّ قدیر ناتواں باشد وضعیف و حقیر**

عقل کب پسند کرتی ہے کہ قادر خدا کمزور ضعیف اور حقیر ہو

☆

# قصیدہ

قبل میں ابیات کی صنفِ شعر میں حضرت اقدسؑ کے اسلوب بیان کو اساتذۂ کلام سے تقابل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

یہ مضمون قدرے مفصل ہو گیا ہے اس کے جواز میں اوّل یہ عرض ہے کہ ہم نے اس بیان میں اصولی اعتبار سے حضرت اقدس کے کلام کی منفرد اور ممتاز عظمت کو عمومی طور پر پیش کر دیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فارسی سرمایۂ شعر میں ابیات کی صنف اپنی وسعت بیان اور فنی اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ فارسی شعر میں مثنوی کے طرز میں لاتعداد کلام ہے۔

تاریخ۔ وعظ ونصیحت۔ عشقیہ حکایات اور اخلاقیات سب اس صنف کے موضوعات ہیں اس لیے فارسی شاعری کی فنّی اقدار اور کلاسیکی اسلوب زبان کی تعیین بہت حد تک اسی صنف شعر کی مرہون منّت ہے۔ فردوسیؔ رومیؔ۔ سعدیؔ اور عبدالرحمٰن جامیؔ اور اس منصب کے بہت سے شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کر کے اساتذۂ فنِ شاعری کہلاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مثنوی کی طرز نگارش فارسی اسلوب بیان کا ایک مستحکم ستون ہے۔

شاید فارسی شاعری کی اِسی روایت پر چلتے ہوئے حضرت اقدسؑ کا فارسی کلام بھی نصف یا اس سے کچھ کم وبیش اِسی صنف شعر میں وارد ہوا ہے۔ طوالت کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

یہی چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم نے ''ابیات'' یعنی مثنوی کی صنف کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

فارسی ادب میں ''ابیات'' کے بعد قصیدے کا مقام ہے۔ جیسا کہ گذشتہ میں بیان شدہ قطعہ میں کہا گیا ہے

ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسیؔ و انوریؔ و سعدیؔ

دراصل فارسی شعر میں ابیات اور قصیدہ ہی دو ایسی اصناف ہیں جن سے دیگر اصناف شعر نے جنم لیا ہے کیونکہ ان دو اصناف ِشعر میں غزل اور مرثیہ۔ رباعی اور قطعہ اور دیگر اصناف رزم وبزم کے مضامین بھی شامل ہوتے ہیں۔

قصیدہ عربی شاعری کی اہم ترین صنف ہے فارسی زبان میں اسی توسط سے آیا ہے۔ حقیقت میں فارسی اور اردو شاعری نے عربی قصیدہ میں ہی جنم لیا ہے اور ان کی تمام اصناف شعر اسی عربی صنف شعر کی رہینِ منت ہیں۔

اپنی ہیئت کے اعتبار سے اس کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اور باقی اشعار میں مصرعہ ثانیہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ ادبِ عربی کے دستور کے مطابق اس کا اوّل رکن ''تشبیب'' کہلاتا ہے جس میں تذکرہ شباب اور محبوب کی صفات بیان ہوتی ہیں۔

دوسرا رکن ''گریز'' کہلاتا ہے یعنی اوّل ذکر کے بعد چند اشعار میں روئے سخن ممدوح کی طرف کیا جاتا ہے اور تیسرے رکن میں ''مدح'' کو بیان کیا جاتا ہے اور چوتھے مرحلے پر دعا ہوتی ہے کہ ممدوح کی عمر دراز ہو اور فتح و کامرانی نصیب ہو اور مطلوب بھی بیان ہوتا ہے۔

فنی اعتبار سے قصیدے کا یہی ڈھانچہ (STRUCTURE) ہے جو قدیم سے اس وقت تک قائم ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ فارسی شاعری عربی شاعری کی پروردہ ہے اور اردو شاعری نے ان دونوں زبانوں کی آغوش میں پرورش پائی ہے اسی لیے وراثت کے طور پر فارسی اور اردو شاعری کا اسلوبِ ادب عربی نقش و نگار رکھتا ہے۔

تاہم فارسی زبان تک پہنچتے تک قصیدے کی وہ ہیئت نہیں رہی جو عربی کلاسیکی ادب میں تھی۔ اس تبدیلی کی اہم وجہ تو یہ ہے کہ فارسی زبان میں قصیدہ سلاطین کے دربار سے وابستہ ہو گیا اور بادشاہوں کی مدح سرائی اس کا اولین موضوع بن گیا اس لیے عربی دستور کے مطابق تشبیب اور گریز کی ضرورت نہ رہی البتہ مدح اور حسنِ طلب اور دعا کے عناصر قائم رہے۔

ایک وجہ اختلاف یہ بھی ہے کہ فارسی زبان کے قصیدہ نگاروں نے صرف مدح و ستائش اور تفاخر کے موضوع سے کنارہ کشی کرتے ہوئے دیگر موضوعات پر بھی قصائد تخلیق کیے ہیں۔

یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر فارسی قصیدے کی ہیئت بھی تبدیل ہوئی اور اس کو موضوعات کی وسعت بھی نصیب ہوئی نتیجۃً ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی اساتذہٗ شعر نے مدحیہ قصائد کے ساتھ دیگر موضوعات پر بھی قصائد تخلیق کئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو قصائد مدحیہ نہیں اور دیگر موضوعات پر ہیں ان ہی کی بنا پر انوریؔ اور خاقانیؔ جیسے عظیم المرتبت شاعروں نے اپنے ہنر کو پیش کیا ہے اور ادبِ فارسی کے شاہکار تخلیق کر کے دادِ تحسین لی ہے اور اساتذہٗ شعر کہلائے ہیں۔

انوریؔ کا وہ قصیدہ جو اس نے تاتاریوں کے حملہ کے بعد خراسان کی بدامنی کے بیان میں لکھا ہے۔ فارسی ادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

برسمرقند اگر بگذری ای بادِ سحر نامۂ اہلِ خراسان بہ برخاقان بر

اے صبح کی ہوا! اگر تو سمرقند سے گزرے تو اہل خراسان کا عریضہ خاقان کی خدمت میں پہنچا دینا۔

نامۂ مطلع آں رنجِ تن وآفتِ جاں نامۂ مقطعِ آں درد دِل و خونِ جگر

ایسا عریضہ جس کا آغاز جسمانی رنج و درد اور روحانی تکلیف سے ہے۔ جس کا اختتام درد دل اور خون جگر پر ہے۔

نامۂ بر رقمش آہِ عزیزاں پیدا　　　نامۂ درشکنش خونِ شہیدان مضمر

ایسا عریضہ جس کی تحریر سے عزیزوں کی آہیں ظاہر ہیں اور جس کی شکن میں شہیدوں کا خون مضمر ہے

اور خاؔقانی کا قصیدہ جو ''خرابۂ مدائن'' کے عنوان سے مشہور ہے اور جو اس نے شاہان ایران کے محلات کی تباہی اور ان کے کھنڈرات کو دیکھ کر لکھا تھا وہ بھی فارسی ادب کا شاہکار ہے

اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

ہاں ای دل عبرت بین از دیدہ نظر کن ہاں　　　ایوانِ مدائن را آئینہ عبرت داں

ہاں اے دل عبرت والی آنکھوں سے دیکھ اور مدائن کے محل کو عبرت کا آئینہ جان۔

یک رہ زِ رَہِ دجلہ منزل بمدائن کن　　　از دیدہ دوم دجلہ برخاکِ مدائن راں

ذرا دریائے دجلہ کی راہ سے مدائن میں گزر اور آنکھوں سے ایک دوسرا دجلہ مدائن کی خاک پر بہا۔

خود دجلہ چناں گرید صد دجلۂ خون گوئی　　　کزگرمیٔ خونابش آتش چکد از مژگاں

خود دجلہ مدائن کی ویرانی پر خون کے سینکڑوں دریا بہاتا ہے۔ گویا اشک خون کی گرمی سے اس کی پلکوں سے آگ برستی ہے۔

جیسا کہ گذشتہ شعر میں بیان ہوا ہے کہ قصیدہ میں انوؔری کی پیغمبرانہ شان ہے۔ میں نے اس کو وسیع کر کے خاؔقانی کو بھی شامل کر لیا ہے کیونکہ فارسی قصیدہ میں یہ دونوں اوّل مقام کے فنکار ہیں اور ان کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ حضرت اقدس کے فارسی قصائد کے نمونے پیش کرنے سے قبل فارسی قصیدہ کے اسالیب ادب کا کچھ تعارف ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ قصیدہ کی صنف صرف مدح وستائش کے بیان میں محدود نہیں۔ دیگر موضوعات بھی اس کے دائرۂ سخن میں آتے ہیں۔

قبل میں جو اساتذہ کے نمونے پیش کئے گئے ہیں وہ وطن کی محبت کے جذبات کے اظہار میں ہیں۔ حضرت اقدس کے قصائد کے موضوعات خالصتاً محبتِ الٰہی اور دین اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کی دین کی طرف سے غفلت کے بیان میں ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں۔

بتاج وتختِ زمیں آرزو نمے دارم　　　نہ شوقِ افسرِ شاہی بدل مرا باشد

میں کسی زمینی تاج وتخت کی خواہش نہیں رکھتا نہ میرے دل میں کسی بادشاہی تاج کا شوق ہے

مرا بس است کہ ملکِ سما بدست آید　　　کہ مُلک و مِلک زمیں را بقا کجا باشد

میرے لیے یہی کافی ہے کہ آسمانی بادشاہت ہاتھ آجائے کیونکہ زمینی ملکوں اور جائدادوں کو بقا نہیں ہے

حوالتم بفلک کردہ اند روزِ نخست　　　کنوں نظر بمتاعِ زمیں چرا باشد
جبکہ خدا نے مجھے روزِ اوّل سے آسمان کے حوالہ کر دیا ہے تو اب دنیاوی پونجی پر میری نظر کیونکر پڑ سکتی ہے
مرا کہ جنّتِ علیاست مسکن و ماویٰ　　　چرا بمزبلۂ ایں نشیب جا باشد
جب کہ میرا مسکن و ماویٰ جنت الفردوس ہے تو پھر میرا ٹھکانہ اس گڑھے کی کُوڑی میں کیوں ہو

البتہ سعدؔی کا قصیدہ جو خلافت عباسیہ کے زوال کے غم میں لکھا گیا ہے۔ گو اپنے موضوع میں متّحد نہیں۔ مگر چند اعتبار سے باہم دگر تعلق رکھتا ہے۔

اوّل یہ کہ حضرت اقدس نے سعدی کی زمین اور قافیہ کا اتّباع کیا ہے اور دوم یہ کہ دونوں کو امت مسلمہ کی زبوں حالی کا غم ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ سعدؔی عباسی خلافت کی دنیوی شان و شوکت کے زوال کو امت مسلمہ کا زوال سمجھ کر اپنے غم کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور آپ حضرتؑ، سعدؔی کے جذباتِ غم و غصہ کا رخ موڑ کر یہ فرما رہے ہیں کہ اسلام کا زوال دنیا کی جاہ و حشمت کے زوال سے نہیں ہوگا بلکہ اسلام کی حقیقی تعلیم کو بھلا کر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غیرت کے زوال سے ہوگا

اوّل سعدؔی کا اقتباس مشاہدہ کریں۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد برزمیں　　　برزوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین
ترجمہ: امیر المومنین مستعصم باللہ (خلیفۂ بغداد) کی حکومت کے زوال پر اگر آسمان زمین پر خون کا مینہ برسائے تو بجا ہے
ای محمدؐ گر قیامت می براری سر زخاک　　　سر برآور ویں قیامت درمیان خلق بیں
اے رسولؐ خدا اگر آپ قیامت میں قبر پاک سے سر اٹھائیں گے تو اب اٹھایئے کیونکہ دنیا میں قیامت برپا ہوگئی
ناز نینان حرم را موجِ خونِ بے دریغ　　　زآستاں بگذشت و مارا خونِ چشم از آستیں
حرم خلافت کے نازک اندا موں کے خون کی موجیں آستانے سے باہر نکل گئیں اور اس غم میں ہماری آنکھوں کا خون آستین سے بہنے لگا۔
زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار　　　درخیالِ کس نہ گشتے کا نچناں گرد و چنیں
گردشِ فلک اور انقلاب روزگار سے خدا کی پناہ! یہ بات کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی کہ اس عروج کا یوں زوال ہوگا۔
دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیت الحرم　　　قیصرانِ روم سر برخاک وخاقان برزمیں
اے شخص جس نے دربار خلافت کی شان و شوکت دیکھی ہوگی کہ قیصر وخاقان اسکی خاک پر سر رکھتے تھے اب آنکھ اٹھا کر یہ حال دیکھ۔

خونِ فرزندان، عمِّ مُصطفٰے شد ریختہ　　　　ہم براں خاکی کہ سلطاناں نہادندے جبیں

کہ رسولؐ کے چچا عباسؓ کی اولاد کا خون اسی زمین پر جہاں سلاطین اپنی پیشانیاں جھکاتے تھے بہہ رہا ہے۔

اور پھر آپ حضرتؑ کا فرمان مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں۔

مے سزد گر خون ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں　　　　بر پریشاں حالئ اسلام وقحط المسلمین

مناسب ہے کہ ہر دیندار کی آنکھ خون کے آنسو روئے، اسلام کی پریشان حالی اور قحط المسلمین پر

دینِ حق را گردش آمد صعبناک وسہمگیں　　　　سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر وکیں

خدا کے دین پر نہایت خوفناک اور پرخطر گردش آگئی۔ کفر وشقاوت کی وجہ سے دنیا میں سخت فساد برپا ہوگیا

آنکہ نفسِ اوست از ہر خیر وخوبی بے نصیب　　　　مے تراشد عیبہا در ذاتِ خیر المرسلین

وہ شخص جس کا نفس ہر ایک خیر وخوبی سے محروم ہے وہ بھی حضرت خیر الرسل کی ذات میں عیب نکالتا ہے

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر　　　　ہست درشانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں!

وہ جو خود ناپاکی کے قید خانے میں اسیر وگرفتار ہے وہ بھی پاکبازوں کے سردار کی شان میں نکتہ چینی کرتا ہے۔

تیر بر معصوم مے بارد خبیثے بدگُہر　　　　آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

بداصل اور خبیث انسان اُس معصوم پر تیر چلاتا ہے آسمان کو مناسب ہے کہ زمین پر پتھر برسائے۔

پیشِ چشمانِ شما اِسلام درخاک اوفتاد　　　　چیست عذرے پیشِ حق اے مجمع المُتَنَعِّمیں

تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل گیا۔ پس اے گروہِ امراء تمہارا خدا کے حضور میں کیا عذر ہے۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید　　　　دین حق بیمار وبیکس ہمچو زین العابدیں

افواج یزید کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دین حق زین العابدین کی طرح بیمار وبیکس ہے

مردمِ ذی مقدرت مشغولِ عشرتہائے خویش　　　　خُرّم وخنداں نشستہ با بُتانِ نازنین

امراء عیش وعشرت میں مشغول ہیں اور حسین عورتوں کے ساتھ خرم وخنداں بیٹھے ہیں

عالماں را روز وشب باہم فساداز جوشِ نفس　　　　زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں!

علماء دن رات نفسانی جوشوں کے باعث آپس میں لڑ رہے ہیں اور زاہد ضروریاتِ دین سے بالکل غافل ہیں۔

یہ امر تو دونوں قصائد کے مطلع سے ہی ثابت ہے کہ آپ حضرت نے سعدیؒ کے قصیدے کے جواب میں ہی اپنا قصیدہ رقم فرمایا ہے مگر جو بات ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان دونوں کے محرکاتِ تخلیق کا اختلاف ہے یعنی ایک طرف دنیوی جاہ وحشمت کے تلف ہونے کا غم ہے اور دوسری جانب اسلامی اقدار اور دین سے محبت کے فقدان کا غم ہے۔

دراصل حضرت اقدس کا قصیدہ سعدیؒ کے نقطہ نظر کی اصلاح کی غرض سے ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان اس روحانی تعلیم کی وجہ سے ہے جو وہ لائے نہ کہ دنیوی جاہ وحشمت سے۔ فرماتے ہیں۔

اے مسلماناں چہ آثارِ مسلمانی ہمیں ست　　دیں چنیں ابتر شما در جیفۂ دنیا رہیں

ترجمہ: اے مسلمانو! کیا یہی مسلمانی کی علامتیں ہیں دین کی تو یہ حالت ہے اور تم مُردار دنیا سے چمٹے ہوئے ہو

قصیدہ کی صنف شعر میں جو شاعر صاحب منصب ہیں۔ ان کے اقتباسات تو پیش کئے جا چکے ہیں۔ خاص طور پر سعدیؒ کے قصیدے کا حضرت کے قصیدے سے ایک حد تک فنّی اور علمی تقابل بھی ہے۔

اب ہم زیرِ قلم مضمون کے موضوع کے مطابق فارسی زبان میں ابلاغِ رسالت کے چند نمونے قصیدے کی صنف میں پیش کرتے ہیں۔

**اوّل** مقام پر ہم حضرتؑ کے دعویٰ ءمسیحیت کے بیان میں آپ کے عظیم الشان میمیا قصیدے کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

ادبی اعتبار سے یہ قصیدہ حافظ شیرازی کے مشہور قصیدہ کی زمین میں ہے جو اس نے بادشاہ منصور کی مدح میں رقم کیا تھا اس لحاظ سے حافظؔ شیرازی کے اسلوب بیان سے بھی آپ حضرت کے اسلوب کا تقابل ہو جائیگا اور کوشش ہوگی کہ اختلاف موضوع کی پاسداری کیساتھ دونوں قصائد کی ادبی شان کا تقابلی مطالعہ بھی ہو جائے۔ یہ کوشش اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ قصائد صرف ایک زمین ہی میں رقم نہیں ہوئے بلکہ بہت سے اشعار میں ان کا لفظی اور معنوی اتحاد بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ اِسی زمین میں حضرت اقدس کے ایک شعر کا مصرعۂ ثانی حافظ سے توارد ہے۔

حافظ کہتے ہیں:

گر بر کنم دل از تُو و بردارم از تو مہر

ایں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم

ترجمہ: اگر تجھ سے دل ہٹالوں اور تجھ سے محبت نہ کروں تو اس محبت کو کس پر وارد کروں اور اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

گر مہرِ خویش بر کنم از روئے دلبرم

آں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم

ترجمہ: اگر میں اپنی محبت کو اپنے دلبر کی جانب سے ہٹا لوں تو اس محبت کو کس سے لگاؤں اور اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

دراصل حضرت کا یہ قصیدہ سعدیؒ کے قصیدے کی طرح سے حافظؒ کے قصیدے کا جواب ہے۔مگر یہ حقیقت تو واضح ہے کہ حافظؒ کے شعر میں وہ شعری نزاکت اور سلاست نہیں جو کہ آپ کے شعر میں ہے درحقیقت یہ ایک اصلاح ہے اور ایسی اصلاح جس سے شعر کی معنوی اور جمالیاتی قدر و قیمت بڑھ جائے اہل ادب کی نظر میں مقبول ہوتی ہے۔حافظؒ کے اس قصیدے کے مقابل پر آپ حضرت نے بہت سے مقامات میں قافیہ کی مناسبت سے بہت ہی خوبصورت مضامین باندھے ہیں اور مدح و توصیف کا صحیح منصب بیان کیا ہے

جیسے کہ حافظؒ اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

نامم زِ کارخانۂ عُشّاق محو باد

گر جز محبتِ تُو بود شغل دیگرم

ترجمہ: خدا کرے کہ عاشقوں کے کارخانے سے میرا نام مٹ جائے اگر تیری محبت کے سوا میرا کوئی دوسرا شغل ہو

اور آپ حضرتِ باری تعالیٰ کی محبت میں فرماتے ہیں۔

دریاب چونکہ آب زِ بہر تو ریختیم

دریاب چونکہ جز تو نماند است دیگرم

ترجمہ: میری داد کو پہنچ کیونکہ میں نے تیرے لئے آنسو بہائے ہیں۔میری فریاد سن کیونکہ تیرے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔

حافظؒ کہتے ہیں۔

راہم مزن بوصفِ زلالِ خضر کہ مَن

از جامِ شاہ جرعہ کشِ حوضِ کوثرم

ترجمہ: خضر کے صاف پانی کی تعریف کر کے مجھے گمراہ نہ کر کیونکہ میں شاہ کے جام سے حوضِ کوثر کے جام پی رہا ہوں۔

آپ حضرت اپنے منصب کے بیان میں فرماتے ہیں۔

والله که ہمچو کشتیِ نوحم زِ کردگار　　　بے دولت آنکه دُور بماند زِلنگرم

ترجمہ: بخدا میں اپنے پروردگار کی طرف سے نوحؑ کی کشتی کی مانند ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو میرے لنگر سے دُور رہتا ہے

ایں آتشے که دامنِ آخر زماں بسوخت　　　از بہرِ چارہ اش بخدا نہرِ کوثرم

یہ آگ جس نے اس آخری زمانہ کا دامن جلا دیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس کے علاج کے لیے نہر کوثر ہوں

اور آخر پر محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول کے بیان کا مشادہ کریں۔

حافظ کہتا ہے۔

حافظؔ زِ جاں محبِّ رسول است وآلِ آں
بر ایں سخن گواہ ست خداوندِ اکبرم

ترجمہ: حافظ اپنی جان سے رسولؐ اور اُس کی آل سے محبت کرتا ہے۔ میرے اس قول پر خداوند اکبر گواہ ہے

اور آپ حضرتؑ فرماتے ہیں۔

**بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم**
**گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم**

ترجمہ: خدا کے بعد میں محمدؐ کے عشق میں سرشار ہوں اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں۔

حافظؔ نے ایک زمینی بادشاہ کی مدح میں قصیدہ کہا ہے اور حضرت اقدسؑ نے ایک آسمانی بادشاہ کی عظمت وشان میں (ابلاغِ رسالت کی غرض سے) مدح سرائی کی ہے۔ مدیحہ قصائد ہونے کے اعتبار سے ان میں مکمل اتحاد ہے اور فنّی اعتبار سے بحر و قافیہ کے ہم صفت ہونے کا ذکر ہو چکا ہے۔ مگر حافظؔ کے اشعار کے مقابلہ پر حضرت اقدسؑ کے اشعار کا تقابلی موازنہ کریں تو صاف واضح ہو جائے گا کہ جس شعری نزاکت اور زبان اور بندش کا حسن و جمال حضرت کے کلام میں ہے۔ وہ عناصرِ شعر حافظؔ کے کلام میں دستیاب نہیں۔ اور ممدوح کا اختلاف تو ایسا ہے کہ جیسے حضرت اقدس حافظؔ کی تادیب فرما رہے ہوں کہ اگر مدح وتوصیف ہی کرنی ہے تو پھر بادشاہوں کی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے مرسلین کی کرو کہ اس کے حقیقی حقدار تو وہی ہیں۔

یہ تقابل قدرے طویل ہوگیا ہے مگر اس طوالت کا یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ فارسی شعر میں فردوسیؔ۔ سعدیؔ اور حافظؔ کے سے منصب کے اساتذۂ شعر کا آپ حضرت کے کلام سے موازنہ ہوگیا۔ اور یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ آپ حضرت فارسی اسالیب ادب میں ان سب سے ارفع واعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور ان میں وہ ''چیز'' نہیں جس کو خداتعالیٰ نے ''چیزے است'' کہا ہے

ادبی اعتبار سے فارسی قصائد میں آپ حضرت نے جو معرکہ آرا اور عدیم المثال قصیدہ ''درمعرفتِ انسانِ کامل مظہرِحق تعالیٰ'' کے عنوان سے رقم فرمایا ہے۔ اس کی مثال فارسی ادب میں نہیں مل سکتی موضوع اور ممدوح کے اعتبار سے بھی کسی صاحب شعر نے انسان کامل اور مرسلین باری تعالیٰ کے مناصب اور ان کی اوصاف کے بیان میں اس شان اور عظمت سے مدح سرائی نہیں کی۔ اس نایابی کی حقیقی وجہ تو روحانی ہے۔ یعنی یہ کہ ممدوح کی روحانی عظمت وشان کا عرفان اور شعور اُسی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ جس نے خداتعالیٰ کا قرب پاکر وہ تمام صفات حاصل کی ہوں جو مقربین اور مرسلین کو عطا کی جاتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدحیہ قصائد کی خوبی اس میں ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ سچ ہو مگر قرب الٰہی اور محبتِ الٰہی کا صدق تو صرف مرسلین باری تعالیٰ ہی بیان کرسکتے ہیں۔ جن کا بیان مشاہدات ذاتی اور واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے اور برحق ہوتا ہے۔

اسلوب بیان کے اعتبار سے قصیدے کی ایک خاص زبان ہے۔ علّامہ شبلی کے الفاظ میں ''بندش میں چُستی الفاظ متین اور پُرشان۔ خیالات میں بلندی اور رفعت'' اس کی خصوصیات ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ سنجیدہ اور متین خیالات کے ادا کرنے کے لیے قصیدے کا ہی اسلوب بیان موزوں ہوتا ہے۔ ان تمام صفات لفظی اور معنوی کا خلاصہ یہ ہے کہ قصیدہ کا حسن وخوبی اور اس کی حقیقی شان۔ الفاظ کے اعتبار سے ان کا پُرشوکت ہونا اور تراکیب میں حُسنِ بیان ہونا ہے۔ اور مواد کے اعتبار سے اگر قصیدہ مدحیہ ہے تو مدح ومنقبت کا سچائی پر مبنی ہونا ہوتا ہے۔

زیرِنظر قصیدے میں تمام صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ عدیم المثال ہیں۔ اس حقیقت کو مزید روشن کرنے کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہیئت کے اعتبار سے بھی اس کی عظمت وشان کو اقدارِ قصیدہ نگاری کے دستور کی روشنی میں اجاگر کریں۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ قصیدہ کی صنف ادب کے چار ارکان ہیں اوّل رکن تشبیب ہے جو کہ محبوب کی صفات اور اس کے حسن وجمال کے بیان میں ہوتی ہے۔

حضرت اقدسؑ محبوب الٰہی اور مقربین باری تعالیٰ میں سے تھے اس لیے ان کا حسن وجمال روحانی ہی ہوسکتا ہے اس بیان میں حضرت اقدس کے پچاس سے زائد اشعار ہیں۔ اور ایسے ہیں کہ اس مضمون میں کوئی شاعر یا

نثر نگار آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ اس بیان کی عظمت اور شوکت اور شعری زبان پر مقدرت اور حُسن بیان کے اظہار کیلئے چند اشعار پیش ہیں۔

فرماتے ہیں۔

ہماں زِ نوعِ بشر کامل از خدا باشد — کہ بانشانِ نمایاں خدا نما باشد

انسانوں میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے جو روشن نشانوں کے ساتھ خدا نما ہوتا ہے

بتابد از رُخِ اُو نورِ عشق و صدق و وفا — زِ خُلقِ اُو کرم و غربت و حیا باشد

اس کے چہرہ سے عشق اور صدق وصفا کا نور چمکتا ہے۔ کرم۔ انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں

صفاتِ او ہمہ ظلِ صفاتِ حق باشند — ہم استقامت اُو ہمچو انبیاء باشد

اس کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں اور اُس کا استقلال بھی انبیا کے استقلال کی مانند ہوتا ہے

رواں بچشمۂ اُو بحرِ سرمدی باشد — عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد

اس کے سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے اور راُس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا چہرہ نظر آتا ہے

صعودِ اُو ہمہ سوئے فلک بود ہردم — وجود او ہمہ رحمت چو مصطفٰے باشد

اس کی پرواز ہر وقت آسمان کی طرف ہی ہوتی ہے۔ اور اُس کا وجود مصطفٰےؐ کی طرح سراسر رحمت ہوتا ہے

خبر دہد بقدومش خدا بہ مصحفِ پاک — ہم از رسول سلامے بصد ثنا باشد

خدا اس کی تشریف آوری کی خبر قرآن مجید میں دیتا ہے اور رسول کی طرف سے بھی سینکڑوں ثنا اور سلام بھیجے جاتے ہیں

اس شعر میں حضرت اپنا ذکر فرما رہے ہیں کیونکہ آپ ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچانے کا کہا گیا تھا اور آپ ہی کا ذکر خدا تعالیٰ نے وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ کے فرمان میں کیا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ آپ ہی کے روحانی منصب کے بیان میں ہے۔

نہ تا بد از رہِ جانانِ خود سرِ اخلاص — اگرچہ سیلِ مصیبت بزورہا باشد

وہ اپنے محبوب کی راہ میں کبھی اخلاص میں کمی نہیں آنے دیتا۔ خواہ مصیبتوں کا سیلاب کتنے ہی زوروں پر ہو

قصیدے کا دوسرا رکن گریز کہلاتا ہے۔ یعنی اصل مقصد اور موضوع کی طرف رخ پھیرنا۔ اس کے حسن وخوبی کو بھی ملاحظہ کریں۔

فرماتے ہیں۔

نہیبِ حادثہ بنیادِ دیں زِجا ببرد　　　اگر زِ ملّتِ ما ظلِ شاں جُدا باشد

حادثات کی غارتگری دین کی بنیاد کو ہلا دے اگر ہمارے مذہب سے ان لوگوں کا سایہ الگ ہو جائے

اورفرماتے ہیں:

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود　　　بر آید آنکہ بدیں نائبِ خُدا باشد

یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کے لیے خدا کا قائمقام ہوتا ہے

اور پھر اس وضاحت کے بعد فرماتے ہیں:

رسید مژدہ زِغیبم کہ من ہماں مردم　　　کہ او مجدّدِ ایں دین و رہنما باشد

مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں جو اس دین کا مجدّد اور راہ نما ہے

لوائے ما پنہِ ہر سعید خواہد بود　　　ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا۔ اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا۔

اس گریز میں کمال فن کے بعد حضور قصیدہ کا تیسرا رکن اختیار فرماتے ہیں اور اپنے مقصد اور مدعا کے اظہار کے طور پر اپنے دعاوی بیان فرماتے ہیں۔ آپ حضرت اپنے دعاوی کے صدق کے بیان میں تقریباً ایک صد اشعار میں اپنا روحانی منصب بیان کر کے اپنی سماوی تعلیم کو قبول کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور کس قدر خوبصورتی اور وقار اور تمکنت سے فرماتے ہیں۔ اوّل آپ کے دعاوی کو ایک مقام پر مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود　　　برآید آنکہ بدیں نائبِ خدا باشد

یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کیلئے خدا کا قائم مقام ہوتا ہے

رسید مژدہ زِغیبم کہ من ہماں مردم　　　کہ اُو مجدّدِ ایں دین و رہنما باشد

مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں جو اس دین کا مجدّد اور راہنما ہے۔

**منم مسیح ببانگِ بلند مے گویم　　　منم خلیفۂ شاہے کہ برسما باشد**

میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں اور میں ہی اُس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے

**مویّدے کہ مسیحا دم ست و مہدیٔ وقت　　　بشانِ اُو دگرے کے زِ اتقیا باشد**

وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور مہدیٔ وقت ہے اُسکی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا

منم مسیحِ زمان و منم کلیمِ خدا　　منم محمدؐ و احمدؐ کہ مجتبٰی باشد

میں ہی مسیح وقت ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں۔ میں ہی وہ محمد اور احمد ہوں جو مجتبٰی ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری　　کہ اینکہ گفتہ ام از وحی کبریا باشد

اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو۔ کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے

کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست　　ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد

ایسا شخص جو اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جاملا۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

اور پھر آپ اپنی تعلیم اور امامت کو قبول کرنے کی تلقین میں فرماتے ہیں۔

چو غنچہ بود جہانے خموش و سربستہ　　من آمدم بقدومے کہ از صبا باشد

یہ جہاں ایک غنچہ کی طرح بند تھا میں (اس کے لیے) ان برکتوں کو لے کر آیا ہوں جو بادِ صبا لایا کرتی ہے

چہ فتنہ ہا کہ بزادست اندریں ایّام　　کدام راہِ بدی کو در اختفا باشد

اِس زمانہ میں کس قدر فتنے پیدا ہوگئے ہیں اور کونسا راستہ بدی کا ہے جو مخفی ہے

محال ہست کزیں فتنہ ہا شوی محفوظ　　مگر ترا چوبمن گامِ اقتدا باشد

ناممکن ہے کہ تُو اِن فتنوں سے بچ سکے سوائے اس کے کہ تو میری پیروی کرے

کسیکہ سایۂ بالِ ہماش سُود نداد　　ببایدش کہ دو روزے بظلِ ما باشد

وہ شخص جسے بال ہما نے بھی فائدہ نہ دیا ہو اُسے چاہئیے کہ دو دن ہمارے زیر سایہ رہے

مُسلّم است مرا از خدا حکومتِ عام　　کہ من مسیحِ خدایم کہ بر سما باشد

خدا کی طرف سے میری حکومت ثابت ہو چکی ہے کیونکہ میں اُس خدا کا مسیح ہوں جو آسمان پر ہے

قصیدے کا تیسرا رکن جس کو ''دعا'' کہتے ہیں اس کا بھی مشاہدہ کرلیں کیونکہ حضرت اقدس نے یہ قصیدہ اپنی بعثت کے اعلان کے لئے رقم فرمایا ہے۔ اس لئے دعا بھی اس طور سے فرمائی ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے دعا گو ہیں اور بجز اعانت اسلام آپ کا دیگر مقصد نہیں ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ سے دعا کر کے میری صداقت کا ثبوت حاصل کرو اور آپ سے دشمنی اور عناد نہ رکھو۔

فرماتے ہیں۔

چہ حاجتست کہ رنجے کشی بتالیفات　　کہ امتحانِ دُعا گوہم از دُعا باشد

کیا ضرورت ہے کہ تو کتابیں تصنیف کرنے کی تکلیف اٹھائے کیونکہ دعا گو کا امتحان بھی دعا ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواہم مگر اعانتِ اسلام مدّعا باشد

خدا کی قسم میں ہرگز کوئی عزت اور مرتبہ نہیں چاہتا میرا مطلب تو صرف تائیدِ اسلام ہے

سیاہ باد رُخِ بختِ من اگر بہ دلم دگر غرض بجز از یار آشنا باشد

میری قسمت کا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی غرض ہو

رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را کہ باچنیں دلِ من در پۓ جفا باشد

اُس سیاہ دل انسان کو نجات کیونکر مل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پر ظلم کرنے کے در پے ہو

اور فرماتے ہیں

**چو سیلِ دیدۂ ماہیچ سیل و طوفاں نیست بترس زیں کہ چنیں سیل پیشِ پا باشد**

**ہماری آنکھ کے سیلاب کی طرح کا اور کوئی سیلاب نہیں اس بات سے ڈر کہ کہیں یہ سیلاب تیرے سامنے ہی نہ ہو**

**زِ آہِ زمرۂ ابدال بایدت ترسید علی الخصوص اگر آہِ میرزا باشد**

تجھے ابدالوں کی جماعت کی آہوں سے ڈرنا چاہئیے۔خصوصًا اگر مرزا (غلام احمد) کی آہ ہو

☆

# غزل

ہم نے فارسی ادب میں حضرت اقدسؑ کی عظمت کے اظہار کے لئے ایک قدیمی فارسی قطعہ کے بیان کے مطابق تین بنیادی اصنافِ شعر کے مسلّمہ اساتذہ کے مقابل پر ان اصناف میں حضرت اقدس کے کلام کو پیش کرنے کا دستور اختیار کیا ہے۔ یہ اصناف۔ ابیات وقصیدہ اور غزل ہیں۔

ابیات اور قصیدہ کا تقابلی موازنہ گذشتہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس مقام پر فارسی غزل پر ایک مختصر اور طائرانہ نظر کی جائیگی۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اردو اور فارسی شعر وادب کا باوا آدم عربی قصیدہ ہے اور اس امر پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ غزل کی جداگانہ صنف کی تخلیق اُن عشقیہ اشعار کی مرہون منت ہے جو عربی قصیدہ کی ابتدا یا تمہید میں مرتب کئے جاتے ہیں جن کو تشبیب یا تنسیب کہتے ہیں۔ ایرانی شعراء نے قصیدے کی تشبیب کو ایک مستقل صنفِ شعر کے طور پر اختیار کر لیا اور اس کو موضوع کی پاسداری میں غزل کا نام دیا اور اس صنف میں عظیم الشان ادبی شاہکار پیدا کئے۔ معنوی اعتبار سے غزل کا موضوع محبوب مجازی کے حسن و جمال اور اس سے واردات عشق ومحبت کا بیان ہے۔ اس کے برعکس حضرت اقدس کا شعری موضوع تمام تر محبوبِ حقیقی کی عظمت وشان اور باری تعالیٰ کی محبت کے بیان میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی شعر کی اس صنف کو حضرت اقدسؑ نے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور غزل کے انداز میں آپ کی صرف چند ایک غزلیں ہیں اور وہ بھی برملا اور واضح طور پر عشق الٰہی کے بیان میں ہیں۔

غزل کے عام طور پر اختیار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت نے ان مضامین کو جو غزل میں بیان ہوتے ہیں۔ دیگر اصناف شعر میں اس قدر حسن وخوبی سے بیان کیا ہے کہ آپ کو غزل کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ حضرت نے ابیات وقصیدہ اور نظم کی اصناف میں کمال حسن و جمال کیساتھ عشق الٰہی اور محبتِ الٰہی کے مضامین کو باندھا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ حضور کے اشعار کا عنوان کوئی بھی ہو آپ کی بات عشق الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ختم ہوتی ہے۔

آپ ہی کا تو یہ فرمان ہے۔

عاشقِ زار در ہمہ گفتار      سخنِ خود کشد بجانبِ یار

حقیقی عاشق اپنی تمام گفتگو میں اپنے کلام کو محبوبِ کی طرف پھیر لیتا ہے

اسی مضمون میں کسی استاد کا شعر ہے۔

درد دِلے ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود

بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

ترجمہ: میرے دل میں دنیا کا غم بھی محبوب کا غم ہو جاتا ہے اگر شراب خام بھی ہو تو بھی میرے دل کی صراحی اُسے پختہ کر دیتی ہے۔یعنی تمام غم محبوب کے غم میں ڈوب جاتے ہیں۔

غزل کی لغوی تعریف کے تعلق میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے عملی طور پر فارسی ادب میں اس صنف شعری کو صرف مجازی عشق ومحبت کے بیان میں محدود نہیں کیا گیا۔ چنانچہ رودکیؔ سے لے کر آج کے شعراء تک غزل کے مضامین میں بہت وسعت پیدا ہو چکی ہے اور اخلاق اور دین اور محبّتِ الٰہی اس صنف کے تسلیم شدہ موضوعات بن چکے ہیں۔

فارسی ادب میں ابوسعید ابوالخیر۔سعدیؔ۔ سنائیؔ۔عطاؔر اور رومیؔ نے فارسی غزل کو تصوف اور محبتِ الٰہی کے بیان سے آشنا کیا ہے۔اور پھر سعدیؔ کی شُستہ اور سلیس زبان اور حافظؔ کے والہانہ پُر درد کلام نے فارسی ادب کے روحانی مزاج کو متعین کیا ہے۔اور اس میں سلوک کے مضامین کے اسلوبِ بیان کو تخلیق کیا ہے۔

شاید فارسی زبان کا یہ ارتقائی سفر ہی اس اعزاز کا باعث ہوا ہو کہ ہمارے آقا اور مطاع حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان کے سوا صرف فارسی زبان ہی میں الہام ہوا ہے۔

''ایں مشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم''

(اس مٹھی بھر خاک کو اگر معاف نہ کروں۔تو کیا کروں)

باری تعالیٰ کا یہ فرمان فارسی محاسن کلام کا معراج ہے اور ہر انسان کے لیے ایک مژدۂ جانفزا ہے۔

اس تسلسل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فارسی شاعروں کی خوش نصیبی ہے کہ ان میں سے سعدیؔ کے آٹھ اور حافظؔ کے تین اشعار اور مصرعے حضرت اقدس کو الہام ہوئے ہیں اس خوش نصیبی کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شاعر آپ حضرت کے دل پسند شاعر تھے اور آپ کی پسند کی پاسداری میں اللہ تعالیٰ نے مختلف پیش آمدہ حالات کے مطابق آئندہ کی اخبار دینے کی غرض سے اُن کے کلام میں آپ سے خطاب کیا اور آپ کی دل پسندی کو اپنی پسند بھی بنالیا۔

مثال کے طور پر ایک موقع پر مخالفین کی طرف سے ایک اشتہار میں آپ کے خلاف بدکلامی پر آپ کو بہت رنج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلجوئی کے طور پر حافظؔ شیرازی کا یہ مصرعہ الہام کیا:

''حالیا مصلحتِ وقت دراں می بینم''

ترجمہ: ابھی میں اس میں مصلحت وقت سمجھتا ہوں۔ (تذکرہ صفحہ 212۔مطبوعہ 2004ء)

مکمل شعر اس طور سے ہے اور یقیناً حضرت کو اس کا علم ہوگا۔

حالیا مصلحتِ وقت دراں می بینم

کہ کشم رخت بہ میخانہ وخوش بنیشنم

ترجمہ: فی الحال مصلحت وقت اسی میں ہے کہ۔اپنا سامان میخانہ میں لے جاؤں اور آرام کروں۔یعنی خدا کا ارادہ یہی ہے کہ مخالفین کی سخت زبانی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اللہ کی محبت میں محو ہو جاؤ۔

دل آزاری کے موقع پر اس طور سے سکینت نازل فرمانا ایک دل فریب انداز تربیت ہے یعنی یہ کہ جب میں تمہیں اپنی محبت کے جام پلا رہا ہوں تو دنیا کی سخت کلامی کا کیا غم ہے۔ادبی اعتبار سے صاحب نظر ہی ایسی برمحل بات کہہ سکتا ہے اور ایک صاحب نظر ہی اس کا صحیح لطف اُٹھا سکتا ہے۔اور محبوبِ حقیقی اور محبّ صادق سے بڑھ کر اور کون صاحب نظر ہو سکتا ہے۔ایک اور مثال بھی سُن لیں۔

حضرت اقدس کو آپ کے وصال کی خبر دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سعدیؒ کا شعر انتخاب کیا

مباش ایمن از بازیٔ روزگار

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار (تذکرہ صفحہ 640 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ: زمانے کے کھیل سے بے خوف نہ رہو۔ناپائیدار عمر پر بھروسہ نہ کرو۔

اس شعر کا دوسرا مصرع تو وفات سے چند روز قبل الہام ہوا تھا۔

یہاں پر بھی بے انتہا محبت اور ادبی شان کے ساتھ آپ کو سفر آخرت کی خبر دی ہے۔

گذشتہ میں قصیدہ کے عنوان کے تحت سعدیؒ اور حافظؒ کے قصائد سے حضرت کے قصائد کا موازنہ کر کے ہم یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ آپ حضرت کا اسلوب شعر ان دونوں اساتذۂ شعر فارسی کے اسلوب سے صرف قریب ہی نہیں بلکہ محاسنِ کلام کے اعتبار سے ان سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

اس لئے اگر اسلوب شعری کی بات ہوگی یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ حضرت کا اسلوب شعر خصوصاً قصائد اور غزل میں ان دو عظیم المرتبت شاعروں کے ہم پلہ ہے۔البتہ ابیات اور مثنوی میں آپ حضرت کا طرز بیان مولانا رومیؒ کے اسلوب پر ہے اور یہی تین سخن ور آپ حضرت کے دل پسند شاعر بھی ہیں۔

اس بات کے ثبوت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت نے اپنی تحریر اور تقریر میں بہت سے مقامات پر ان شاعروں کے اشعار کو قبول کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ محترم عبدالحق صاحب رامہ مرحوم کی تلاش کے مطابق آپ حضرت نے شیخ سعدیؒ کے نوّے ۹۰ سے بھی زائد شعر اور ان کے بعد مولانا روم اور حافظ شیرازی کے پچیس پچیس اشعار اختیار کئے ہیں۔

فارسی ادب میں غزل کی صنف کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ بقول علامہ شبلیؒ ''غزل کا اصل خمیر عشق و محبت کا اظہار ہے'' اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اساتذہ ادب نے اس صنف شعر کو صرف مجازی عشق کے بیان سے مخصوص نہیں کیا بلکہ محبوبِ حقیقی کی محبت اور عشق کا اظہار اس صنف کا مقبول موضوع ہے۔

عشق و محبت کے طرز بیان میں جو عناصر ادب غزل کے اجزائے اعظم ہیں وہ علامہ شبلی کے کہنے کے مطابق ''حسنِ بیان، خوبیٔ ادا اور زبان کی شستگی ہے۔'' اور ان تمام عناصر کا اجتماع حافظ شیرازی کے کلام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس کی فارسی میں جو بھی چند ایک غزلیں ہیں وہ حافظ شیرازی کے اسلوب بیان کی حسن و خوبی رکھتی ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ حافظ کا کلام مجازی معانی اور تعبیر کی راہ سے محبوبِ حقیقی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور حضرت کا خطاب برملا اور ظاہراً محبوبِ حقیقی اور اس کی واردات عشق و محبت کو بیان کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم آپ حضرت کے کلام کو ایک منفرد اور جداگانہ مکتبِ شعر کہیں۔

حافظؒ شیرازی کے اسلوب کے تتبّع میں اوّل تو آپ حضرت کی ایک غزلِ مسلسل ہے جو آپ نے ردیف اور قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ تخلیق کی ہے۔ حافظؒ کی یہ ایک مشہور عالم اور مقبول عام غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے

اَلا یَا اَیّھا السّاقی اَدِرْ کاسًا وَّ نَاوِلْھَا
کہ عشق آساں بود اوّل ولے افتاد مشکل ہا

ترجمہ: اے ساقی پیالہ دے اور اس کا دور چلا کیونکہ اوّل اوّل عشق آسان لگتا ہے مگر پھر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

حضرت اقدسؑ اس کے جواب میں کہتے ہیں:

بِدِہ اَز چشمِ خُود آبے درختانِ محبت را
مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُرحلاوت را

ترجمہ: محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کرتا کہ ایک دن وہ تجھے شیریں پھل دیں۔

یہ ایک طور سے حافظؔ کے شعر کا جواب ہے کہ اگر عشق حقیقی ہو تو اس میں مصیبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ہوتا ہے۔

حافظؔ کی اِسی غزل کا ایک شعر تولفظاً آپ نے اختیار فرمالیا۔ گو موضوع کی تبدیلی کے ساتھ حافظ کہتا ہے۔

شبِ تاریک وبیمِ موج وگردابے چنیں ہائل

کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا

ترجمہ: تاریک رات ہے اور سیلاب کا خوف اور خوفناک بھنور۔ ساحلوں پر بے فکری سے سیر کرنے والے ہمارا حال کیا سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت اقدس اس بے بسی کی کیفیت کو دین اسلام اور قوم کی غفلت کے غم میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

دریں ہنگام پُر آتش بخوابِ خوش چساں خُپسم

زماں فریاد میدارد کہ بشتابید نصرت را

ترجمہ: اس آتشیں زمانے میں آرام کی نیند کیونکر سوسکتا ہوں جبکہ زمانہ فریاد کررہا ہے کہ جلدی مدد کو پہنچو۔

شبِ تاریک وبیمِ دُزد وقومِ ما چنیں غافل

کجا زِیں غم رَوَم یارب نما خود دستِ قدرت را

ترجمہ: اندھیری رات ہے، چور کا خوف ہے اور قوم غافل ہے۔ اس غم سے کہاں جاؤں؟ یارب خود دستِ قدرت دکھا۔

مشاہدہ کریں کہ موضوع کے اختلاف کے باوجود حضرت اور حافظؔ کا کس قدر اتحاد لفظی ومعنوی ہے۔ ایک اصلاح بھی ہے کہ تاریک رات میں موج وگرداب کا خوف نہیں ہوتا چور کا ضرور ہوتا ہے۔ گو غافل کی رعایت سے چور درست ہے اور ساحل کی رعایت سے موج وگرداب درست ہے۔ مگر اس بحری طوفان میں ساحل پر سیر وتفریح کرنے والے کیسے پہنچ گئے۔ یہ ایک رعایتِ لفظی ہے اور حضرت کا کلام ایک حقیقت پر مبنی حادثہ ہے جس کے بیان کیلئے صنائع بدائع کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ دشمن اسلام کا حقیقی مال ومتاع لوٹ رہے ہیں مگر قوم غافل ہے اور یہ کہ آپ کو اس غم سے خدا تعالیٰ کی نصرت ہی نجات دلاسکتی ہے۔ یہ ایک واقعاتی صدق پر مبنی مشاہدہ ہے۔ حافظؔ کی طرح سے تخیّل اور لفظی ہنرمندی نہیں ہے۔ تاہم ترکیب الفاظ اور

جذبے کے اظہار میں مکمل اتحاد ہے۔

حافظؔ کے اسلوب بیان کے مطابق حضرت کے کلام میں بہت سے نمونے پیش نظر ہیں۔ان میں سے چند ایک پیش کرتا ہوں۔

حافظؔ کی مشہور غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

بنال بلبل اگر بامنت سرے یار یست

کہ مادو عاشق زاریم و کارِ ما زاریست

ترجمہ: اے بلبل! اگر تو مجھے دوست رکھتی ہے تو آہ و نالہ کر کیونکہ ہم دونوں عاشق زار ہیں اور ہمارا کام گریہ وزاری کرنا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

محبت تو دوائے ہزار بیماری است

بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است

ترجمہ: تیری محبت ہزار بیماریوں کی دوا ہے۔ تیرے مُنہ کی قسم ہے کہ ایسی گرفتاری ہی میں اصل رہائی ہے۔

حافظؔ کہتے ہیں:

خیالِ زلفِ تو پختن نہ کارِ خامانیست

کہ زیر سلسلہ رفتن کمال عیّاریست

ترجمہ: تیری زلف کا خیال پختہ کرنا خام کاروں کا کام نہیں اس لئے کہ زلف کی زنجیر میں آنا ہی اصل عیاری ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

پناہِ روئے تو جستن نہ طورِ مستان است

کہ آمدن بہ پناہت کمالِ ہشیاری است

ترجمہ: تیرے چہرے کی پناہ ڈھونڈھنا بے ہوش لوگوں کا کام نہیں کیونکہ تیری پناہ میں آجانا کمال ہشیاری کا کام ہے

آپ دیکھ لیں حافظؔ بلبل کیساتھ گریہ وزاری پر مجبور ہے مگر حضرت اقدس اس عشق و محبت کے مضمون کو کتنا

خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ تیری محبت میری مشکلوں کا علاج ہے اور گو میں محبت میں گرفتار ہوں مگر سچ یہ ہے اسی میں میری رہائی ہے اور یہی میری دلی تمنا ہے۔

دوسرے شعر میں تو مکمل اتحاد لفظ و معانی ہے مگر جو سلاست اور حسنِ بیان حضرت کے شعر میں ہے اور جس طور سے ''مست'' اور ''ہشیار'' کا تقابل کیا ہے وہ دیدنی ہے۔ حافظؔ عشق و محبت کے بیان کے مسلمہ طور پر مقبول شاعر ہیں شاید اسی مناسبت سے حضرت اقدس کا عشق الٰہی کا اسلوب حافظؔ کے طرز بیان پر ہے اور شاید اسی مناسبت کے تحت محبوبِ حقیقی نے حافظؔ کے شعر میں الہام کیا کہ جن لوگوں (یعنی حضرت اقدس) کے دل عشق الٰہی سے زندہ کئے جاتے ہیں ان کو زندگیٔ دوام ملتی ہے اور زمانہ اُن کو معدوم نہیں کرسکتا۔

حافظ کہتا ہے:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ترجمہ: جن کا دل عشق کی وجہ سے زندہ کیا جاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتے ہماری ہمیشگی دنیا کی تاریخ میں درج ہو چکی ہے۔

دراصل یہ محبوبِ حقیقی کیطرف سے ایک محبت کا پیغام تھا کہ تم میرے محبان میں شامل ہو چکے ہو۔ اس لئے جس طور سے میری ذات جاودانی ہے میرے عشّاق بھی معدوم نہیں ہوا کرتے۔ مگر قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس محبت کے پیغام کو پہنچانے کے لئے محبوب لم یزل نے حافظؔ کے شعر کا انتخاب کیا ہے اور آپ حضرت کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے۔

کیا اس عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشق و محبت کا سب سے بہتر اظہار حافظؔ ہی کرسکتا ہے اور یہ کہ اس شعر کے اصل مخاطب اور حقدار آپ حضرت اقدس ہی تھے۔ شاید آپ حضرت نے انہیں مناسبتوں کی پاسداری میں اس شعر کو اپنے دو شعروں میں اس کے حقیقی معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محفوظ کرلیا ہے۔

فرماتے ہیں:

آں ناں کہ گشت کوچۂ جاناں مقامِ شاں

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ شاں

ترجمہ: وہ لوگ جن کا مسکن محبوب کا کوچہ ہو گیا ہے۔ دنیا کے دفتر میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

میرد کسے کہ نیست مرامش مرامِ شاں

ترجمہ: جس کا دل عشق سے زندہ ہوگیا ہو۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ مرتا وہی ہے جس کا مقصد عاشقوں کی طرح سے نہ ہو۔

غزل کے اسلوب میں حافظ شیرازی کا منصب اور حضرت اقدس کا اس کی پاسداری میں غزل کہنا کافی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ایک بات کہنی رہ گئی ہے یہ کہ باری تعالیٰ جلّ شانہٗ اورحضرت اقدس کی جناب میں شمس الدین حافظؔ کی یہ مقبولیت یقیناً اس کے لئے عین سعادت اور جائے افتخار ہوگی۔

ہم نے دستور بنایا ہے کہ اسلوب شعری کو ہم ''ابلاغِ رسالت'' کے عنوان کے تحت پیش کریں گے اوراساتذہ شعر سے آپ کے شعری منصب کا تقابل کریں گے آپ حضرت کے اردو اور فارسی اشعار کا اساتذۂ شاعری کے ہم پلہ بلکہ ان سے بہتر ہونے کا ثبوت تو گذشتہ میں وضاحت سے بیان ہو چکا ہے اور''ابلاغِ رسالت'' کی امثال بھی پیش کی جا چکی ہیں۔مگرغزل کی صنف میں ایک مشکل درپیش ہے کہ غزل کی صنف کا موضوع سخن وارداتِ عشق ومحبت کا بیان ہے۔اس لئے اس صنف شعر میں منطقی استدلال اور تبشیر وانذار کے مضامین بیان نہیں ہوسکتے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت نے غزل کے اسلوب کی پاسداری میں اس صنف میں عمومی طور پر ''ابلاغِ رسالت'' کے موضوع کو اختیار نہیں کیا اور یہی آپ کا ادبی منصب تھا۔مگرغزل کے اسلوب میں لقاء باری تعالیٰ اورمحبّتِ محبوبِ ازل ضرور بیان ہوسکتی ہے۔اور عاشق الٰہی ہونا ہی منصب رسالت کا جزواعظم ہے۔اس لئے محبتِ الٰہی کے بیان میں ابلاغِ رسالت فرمایا ہے۔اس اعتبار سے ہم چند ایک نہایت درجہ خوبصورت امثال پیش کرتے ہیں۔بہت خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں۔

## دعویٰ رسالت

بدہ از چشمِ خود آبے درختانِ محبت را　　　مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُرحلاوت را

محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کر۔تا کہ ایک دن وہ تجھے شیریں پھل دیں

**من از یار آمدم تا خلق را ایں ماہ بنمایم　　　گر امروزم نمے بینی بہ بینی روزِ حسرت را**

میں اُس یار کی طرف سے آیا ہوں کہ مخلوق کو یہ چاند دکھاؤں اگر آج تو مجھے نہیں دیکھے گا تو ایک روز حسرت کا دن دیکھے گا۔

اگر از روضۂ جان و دلِ من پردہ بردارند          بہ بینی اندراں آں دلبرِ پاکیزہ طلعت را

اگر میرے جان ودل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تُو اُس میں اُس پاکیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا۔

**فروغِ نورِ عشقِ اُو زِ بام وقصرِ ما روشن          مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را**

اُس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بام وقصر روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو

## دعویٰ مسیحیت

مشاہدہ کریں محبتِ الٰہی اوراس کے عشق میں وارفتگی کو اپنے مسیح ہونے کے ثبوت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ بہت ہی دلفریب اندازتغزل ہے۔غزل کی تعریف کویکسر تبدیل کرنے والا اوراس کومحبوبِ حقیقی کے قدموں میں ڈالنے والا کلام ہے۔فرماتے ہیں:

مرا نہ زہدوعبادت نہ خدمت وکارے است          ہمیں مرا است کہ جانم رہینِ دلدارے است

میرے پاس نہ زُہد ہے نہ عبادت نہ خدمت نہ اورکوئی کام۔صرف ایک بات ہے کہ میری جان اس دلدار کے پاس رہن پڑی ہوئی ہے

چہ لذّتے است بروئیش کہ جاں فدائیش باد          چہ راحتے است بکوئیش اگر چہ خوں بارے است

اُس کے چہرہ میں ایسی لذّت ہے کہ اُس پر جان قربان ہے اس کی گلی میں عجیب لُطف ہے اگر چہ وہاں خون کی بارش ہوتی ہے

**مسیحِ وقت مرا کرد آنکہ دید ایں حال          بہ بیں دلائلِ دعویٰ اگر چہ بیکارے است**

خدانے جب میرا یہ حال دیکھا تو مجھے مسیح الزمان بنادیا اب تو میرے دعوے کے دلائل دیکھ گو (تیرےنزدیک) یہ بیکار ہے

**دوائے عشق نخواہم کہ آں ہلاکت ماست          شفائے ما بہ ہمیں رنج و درد وآزارے است**

میں عشق کاعلاج نہیں چاہتا کیونکہ اس میں ہماری ہلاکت ہے ہماری شفاتو اسی رنج ودرداور بیماری میں ہے

اسی انداز میں فرماتے ہیں۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی          زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کردی

اے محبت تو نے عجیب آثار دکھائے ہیں دوست کی محبت میں زخم اور مرہم کو ایک ہی کردیا ہے

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم          اے جنوں گردِ تو گردم کہ چہ احسان کردی

میں بھی جب تک دیوانہ نہیں ہوگیا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہوئے۔اے جنونِ عشق تجھ پرقربان! تو نے کتنا احسان کیا۔

ہمہ جا شورِ تو بینم چہ حقیقت چہ مجاز سینۂ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی
میں سب جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ حقیقت ہو یا مجاز۔ تُو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا ڈالے ہیں۔

**آں مسیحا کہ برافلاک مقامش گویند لطف کردی کہ ازیں خاک مرا آں کردی**
وہ مسیح جس کا مقام آسمان پر بیان کرتے ہیں تو نے مہربانی فرمائی کہ اسی زمین میں سے مجھے وہی مسیح بنادیا

## دعویٰ مجدّدیت

عجب داریداے ناآشنایاں غافلاں از دیں کہ ازحق چشمۂ حیواں دریں ظلمت شود پیدا
اے دین سے غافل اور ناواقف انسانو۔ کیا تمہیں تعجب آتا ہے کہ اس اندھیرے میں خدا کی طرف سے ایک چشمۂ حیات پیدا ہو گیا ہے۔

چرا انساں تعجب ہا کند در فکرِ ایں معنٰی کہ خواب آلودگاں را رافعِ غفلت شود پیدا
آدمی یہ بات سوچ کر کیوں حیران ہو کہ نیند کے متوالوں کے لیے ایک غفلت کا دور کرنے والا پیدا ہو گیا

**فراموشت شداے قومم احادیثِ نبی اللہ کہ نزد ہر صدی یک مصلح اُمّت شود پیدا**
اے میری قوم تو رسول اللہ کی حدیثوں کو بھی بھول گئی کہ ہر صدی کے سر پر اُمّت کے لیے ایک مصلح پیدا ہوا کرتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام ٹائیٹل مطبوعہ 1893ء)

## نذیر اور بشیر ہونے کے اعتبار سے

ایک ہی مقام پر کس قدر خوبصورت اور باوقار انداز میں انذار اور تبشیر ہے۔

نشاں اگرچہ نہ در اختیارِ کس بودست مگر نشاں بدہم از نشاں زِ دادارم
اگرچہ نشان کسی کے اختیار میں نہیں ہوتے مگر میں خدا کی طرف سے ایک نشان کا پتہ بتاتا ہوں

**کہ آں سعید زِ طاعوں نجات خواہد یافت کہ جَست و جُست پناہے بچار دیوارم**
یعنی وہی خوش قسمت شخص طاعون سے نجات پائے گا جو جھپٹ کر میری چاردیواری کے اندر پناہ لے گا

**مرا قسم بخداوندِ خویش و عظمتِ اُو کہ ہست ایں ہمہ از وحی پاک گفتارم**
مجھے اپنے مالک کی اور اس کی بزرگی کی قسم ہے کہ میری یہ سب باتیں خدا پاک کی وحی سے ہیں

چہ حاجتست بہ بحثِ دگر ہمیں کافیست　　　　برائے آنکہ سیہ شد دلش زِ انکارم

کسی اور بحث کی کیا ضرورت ایسے شخص کے لیے جس کا دل میرے انکار کی وجہ سے تاریک ہو چکا ہو یہی بات کافی ہے۔

**اگر دروغ بر آید ہر آنچہ وعدۂ من　　　　رواست گر ہمہ خیزند بہرِ پیکارم**

جو وعدہ میں کرتا ہوں اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو بے شک جائز ہے کہ سب مجھ سے لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

☆

# عربی زبان میں ابلاغ

حضرت اقدسؑ کی تینوں زبانوں میں منفرد شان کے بیان میں ہم یہ حقیقت پیش کرر ہے ہیں کہ ان تینوں زبانوں میں آپ حضرت کا اسلوب بیان ان کی کلاسیکی ادب کی پاسداری میں اوران کے اقدارفن کے مطابق ہی نہیں بلکہ ان ہی کے اسالیب بیان میں ان سے بھی ارفع اوراعلیٰ ہے۔

اردواورفارسی اساتذہ کےکلام سے آپ کے کلام کاایک مختصرتقابل اورموازنہ پیش کیا جاچکا ہے۔

اس مقام پر ہم عربی کلاسیکی ادب پرایک طائرانہ نظرڈالیں گےاور یہ جائزہ لیں گے کہ آپ حضرت کا عربی کلام کس حدتک عربی زبان کے مسلمہ شعری اسلوب اورطرز بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔

دستور کے مطابق اوّل عربی زبان کی تخلیق اوراس کی عظمت وشان کے بارے میں چنداشارےضروری ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تمام زبانوں کی ابتدااورتدریجی ترقی کے بارے میں تاریخی شواہددستیاب ہیں کہ کیسے ابتدا ہوئی اورکن زبانوں سے اختلاط وتعاون کے بعداورکس دورزمانہ میں ایک مستقل اورمنفردزبان بن گئی۔

صرف عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس زمینی تونہیں مگرقوی روحانی شواہد ہیں کہ یہ زبان الہامی زبان ہے بلکہ انسان کو جب اوّل مقام پرنطق وبیان سےنوازا گیا تھاتو وہ یہی زبان تھی اور دیگرتمام زبانیں اِسی زبان کی مشتقات ہیں یابدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ہمارے لیےتواِس کےثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے آقااورامام آخرالزمان نےقرآن کریم کی آیت وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى ....الی الأخر (الشُّوریٰ:8 ) کی تفسیر میں اس صداقت کوواضح کردیاہے۔آپ فرماتے ہیں:

**و اما تفصیل آیات تؤیّد ایٰة ام القریٰ و تبیّن ان العربیة امّ الالسنة و الهام الله الاعلیٰ فمنها آیة من الله المنان فی سورة الرحمان. اعنی قوله خلق الانسان علمه البیان.فالمراد من البیان اللُّغة العربیة. کما تشیر الیه الاٰیة الثانیة اعنی قوله تعالیٰ عربی مبین. فجعل لفظ المبین وصفًا خاصًا للعربیة و اشار الی انه من صفاته الذاتیة. ولایشترک فیه احد** (مننِ الرحمٰن۔ر۔خ۔جلد9صفحہ188)

ترجمہ: **اوران آیتوں کی تفصیل جوآیت اُمُّ القُریٰ کی مؤیّد ہیں اور جوظاہر کرتی ہیں جوعربی اُمُّ الالسنہ اورالہام الٰہی ہے** سو یہ تفصیل ذیل ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک وہ آیت ہے جو سورۃ رحمان میں ہے یعنی خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۔جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اوراُس کو بولنا سکھایا۔سو بیان سے مراد جس کے معنے بولنا ہےعربی زبان ہے

جیسا کہ دوسری آیت اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی عَـرَبِـیٌّ مُبِیْنٌ سوخدا نے مبین کے لفظ کو عربی کے لیے ایک خاص صفت ٹھہرایا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ لفظ بیان کا عربی کی صفات خاصہ میں سے ہے۔

عربی زبان کی قدامت کے بارے میں ہمارے لیے تو یہی کافی ہے(تاہم آپ حضرت نے اس فرمان کے اثبات میں جو آسمانی اور لسانی شواہد پیش کیے ہیں ان کے علم کے لیے آپ کی معرکہ آراء کتاب مِنَن الرحمٰن کا مطالعہ ازبس ضروری ہے )

ایک الہامی زبان ہونے کے ناطے سے یہ امر تو بدیہی ہے کہ ایسی زبان اور اس کا اسلوب اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی دیگر زبانوں سے ارفع و اعلیٰ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اپنے کلام کو ''احسن الحدیث''اور''احسن القصص''اور عربی زبان کو''عَـرَبِـیٌّ مُبِیْـنٌ'' کی صفات کا حامل قرار دیا ہے چنانچہ عربی زبان کا اُمُّ الالسنہ ہونا اور فصاحت و بلاغت میں سب زبانوں سے اعلیٰ ہونا بھی حضرت اقدس کی زبان میں سُن لیں۔آپ فرماتے ہیں۔

واقتضت حکم ارادات الالٰھیة ان ینزل کتابه الکامل الخاتم فی اللهجة. التی ھی اصل الالسنة . و امّ کلّ لغة من لغات البریة. و ھی عربی مبین. وقد سمعت ان الله جعل لفظ البیان. صفة للعربیة فی القراٰن. ووصف العربیة بعربیّ مبین. فهذه اشارة الٰی فصاحة هذا اللسان. و علو مقامها عند الرحمٰن و اما الالسنة الاخریٰ فما وصفها بهذاالشان.

(مِنَن الرحمٰن روحانی خزائن 9 صفحہ 203)

ترجمہ:اور الٰہی ارادوں کی حکمتوں نے تقاضا کیا کہ اس کی کامل کتاب جو خاتم الکتب ہے اس زبان میں نازل ہو جو جڑ زبانوں کی ہے اور تمام مخلوقات کی زبانوں کی ماں ہے اور وہ عربی ہے اور تو سُن چکا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بلاغت فصاحت کو عربی کی صفت ٹھہرایا ہے اور عربی کو عربی مبین کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔**پس یہ بیان اس زبان کی فصاحت کی طرف اشارہ ہے اور نیز اس کے مرتبہ عالیہ کی طرف ایما ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دوسری زبانوں کو اس وصف سے موصوف نہیں فرمایا۔**

عربی زبان کی قدامت اور اس کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی اس زبان کی تمام خصوصیات کونہایت درجہ مختصر اور جامع فرمان میں بیان کردیا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

اَحِبُّوْا العَربَ لِثَلاثٍ فَاِنِّیْ عَرَبِیٌّ وَ الْقُرْآنُ عَرَبِیٌّ وَ لِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ (رواہ حاکم)

یعنی عرب قوم سے تین خصوصیات کی بنا پر محبت کرنی چاہیے اوّل یہ کہ میں عربی ہوں۔ دوم یہ کہ قرآن عربی میں نازل ہوااور سوم یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

مؤرخین کی تحقیق کے مطابق عرب سامی اقوام میں سے ایک قوم ہے اور سام حضرت نوحؑ کا بیٹا تھا۔اس لیے یہ اقوام ایک ہی جڑ سے پیدا ہوئی ہیں۔اس جڑ کے مقامِ پیدائش کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض عراق اور حبشہ کہتے ہیں اور بعض اس مقام کو جزیرۂ عرب کہتے ہیں۔

ان تین مقامات میں ہمارے نزدیک (جو کہ حضرت محمد مصطفٰی نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں) جزیرہ عرب ہی عرب قوم اوراس کی زبان کی جائے پیدائش ہے کیونکہ اسی سرزمین اوراسی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل اور آخری کتاب نازل فرمائی ہے اور عربی زبان کو مختلف اور متنوع ادوار میں تربیت دے کر اس مقام تک پہنچایا کہ ہستی باری تعالیٰ کا عرفان اوراس کا حسن و جمال بیان کرنے کے قابل ہوجائے۔عربی زبان کا یہ نقطۂ ارتقاء حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مکہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد ہوا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ نے حدیث نبویؐ میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے آیت ''قُرْآنًا عَرَبِیًّا'' کی تلاوت فرما کر ارشاد کیا کہ یہ خالص زبان عربی جس میں قرآن نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے الہامًا حضرت اسماعیلؑ کو تعلیم دی تھا۔ (مستدرک حاکم)

یہی وجہ ہے کہ عرب اقوام میں قبیلہ قریش کی زبان مسلّمہ طور پر مستند اور فصیح عربی زبان سمجھی جاتی ہے

عربی زبان کی بلوغت کے اس سفر میں دو ہی سنگِ میل ہیں۔

اوّل۔ادب جاہلیہ

دوم۔قرآن کریم اور رسول اکرم کی فصاحت لسانی کہ آپؐ ''افصح العرب'' تھے۔

ہم نے ادب جاہلیہ کو صرف تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے اوّل قرار نہیں دیا بلکہ قرآن کریم کے ادبی دعوت مقابلہ کے اعتبار سے بھی اس کا اوّل ہونا اس طور سے لازم ہے کہ اِسی شعری ادب کے مقابل پر اس نے فرمایا ہے

''وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ''(البقرة:24)

اگر ''فِیْ رَیْبٍ'' کے معانی ''قرآن کی ادبی عظمت سے انکار'' کیا جائے تو اس آیت کے معانی ایسے ہونگے اُن (ادباءعرب) سے کہہ دے کہ اگر تم قرآن کریم کو ادبِ عالیہ نہیں سمجھتے تو (ان موضوعات میں) مقابل پر کوئی کلام پیش کرو۔

یہ امر تو بدیہی ہے کہ اگر ادب جاہلیہ کی کوئی لسانی خوبی اور ادبی حُسن و جمال نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ قرآن کریم اپنی تمام ادبی عظمت وشان کے ہوتے ہوئے ایک ادنیٰ اسلوب ادب کو دعوت مقابلہ دیتا۔ موازنہ اور باہم تقابل ہم مرتبہ اور ہم اسلوب ادب کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ جہاں پر زبان ایک ہوگی وہاں پر اس کی لغت اور بیان کا اسلوب بھی ایک ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے عربی زبان کے فہم اور ادراک کو معارفِ قرآن کے سمجھنے کے لیے لازم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

''اسی زبان پر فہم معارف قرآنیہ کا مدار ہے اور جو کہ ماہر علم ادب نہیں اور نابغہ شعراء میں سے نہیں۔ ممکن نہیں کہ اس کو فقیہ کہا جا سکے۔'' (ترجمہ از مرتب)

(انجام آتھم، ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 265)

ایک اور مقام میں تو بالکل وضاحت سے فرماتے ہیں:

''ائمہ راشدین نے جاہلیت کے ہزار ہا اشعار کو حفظ کر رکھا تھا اور قرآن شریف کی بلاغت فصاحت کے لیے انکو بطور سند لاتے تھے''

(نزول المسیح، ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 434)

یہاں تک تو عربی زبان کی تخلیق اور اس کی عظمت وشان کا ذکر ہوا ہے۔ اب ہم اس زبان کے شعری اسلوب اور اس کے مخصوص موضوعات کو بہت اختصار سے پیش کرتے ہیں

یہ بات تو بیان ہو چکی ہے کہ ہر قومی ادب کی تخلیق اور تشکیل میں اس قوم کے تمدّنی اور سیاسی عوامل ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس قوم کی ذہنی ترجیحات اور قلبی پسند وناپسند کی تعیین کرتے ہیں اور اپنی ترجیحات ذہنی اور جذبات قلبی کا شعری بیان ہی ان کا ادبی سرمایہ ہوتا ہے۔

عرب ایک جزیرہ نما ہے جس کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ زیر زمین پانی بہت کم یاب ہے اور بارش نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لیے وہ زمین زراعت کے قابل نہیں اور نہ ہی شہری زندگی کے لیے موزوں ہے۔ ان جغرافیائی تقاضوں کے تحت اس زمین کے باسی خانہ بدوش زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔ چراگاہ اور پانی کی تلاش میں اپنے جانوروں کو اور اپنے خاندانوں کو صحرا بصحرا لیے پھرتے تھے اور جب کبھی قحط پڑتا تو آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کر کے لوٹ مار کرنے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادب اور شعری محرکات میں بہادری اور مبارزت (باہم جنگی مقابلے کی دعوت) اور قحط سالی میں سخاوت بنیادی موضوعاتِ شعر تھے۔ اور انہی اخلاق واطوار میں باہم تفاخر اور تقابل اہم موضوع کلام تھا۔ اگر ان سب محرکات شعری کو ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ لفظ ''مبارزت'' ہے یعنی جنگ وجدال۔ اگر تلوار سے ہے تو بھی اور اگر باہم مباہات میں ہے تو بھی۔

اس شعری تجزیہ کے اثبات میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

اوّل جاہلیہ کے شاعر ابو الغول کا شوق جنگ وجدال اور تفاخر کا مشاہدہ کریں

فَدَتْ نَفْسِیْ وَ مَا مَلَکَتْ یمینی　　　فَوَارِسَ صَدَّقَتْ فِیْھِمْ ظُنُوْنِیْ

میری جان اور میرا سارا مال ان شہ سواروں پر قربان ہو جنھوں نے اپنے متعلق میرے خیالات کو سچ کر دکھایا۔ (شہسواروں کے متعلق جیسے میرے نظریات تھے وہ ویسے ہی بیباک اور بہادر ثابت ہوئے۔)

فَوَارِسَ لَا یَمَلُّوْنَ الْمَنَایَا　　　اِذَا دَارَتْ رَحَی الحَرْبِ الزَّبُوْن

وہ ایسے شہسوار ہیں جو موتوں کی سختیوں سے تنگ دل نہیں ہوتے۔ جب فنا کر دینے والی جنگ کی چکّی گھومنے لگتی ہے۔

وَلَا یَجْزُوْنَ مِنْ حَسَنٍ بِسَیءٍ　　　وَلَایَجْزُوْنَ مِنْ غِلظٍ بِلِیْنِ

وہ نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور نہ سختی کے بدلے نرمی کرتے ہیں۔ بلکہ سختی کا سختی اور نرمی کا نرمی سے بدلہ دیتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام موضوعاتِ شعرِ جاہلیہ جن کا گذشتہ میں ذکر ہوا اسی ایک نمونہ شعر میں یکجا دستیاب ہیں۔ جنگی شاہ سواروں کا بھی ذکر ہے۔ دلیری اور بہادری میں فخر ومباہات بھی ہے اور تیسرے شعر میں اپنے اخلاقی دستور کو بھی ایک باغیرت اور احسان کا بہتر بدلہ دینے والی قوم کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ گو اس مثال میں خالص میدان جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جہاں اس کے قبیلے کے سوار موت وحیات سے بے پرواہ ہو کر اپنی اپنی جنگی شجاعت اور آدابِ جنگ وجدال کا نظارہ دکھا رہے ہیں۔ تاہم اخلاقی خوبی بھی بیان ہے مگر مبارزت کے ساتھ۔

اب ایک ایسی مثال بھی دیکھ لیں جس میں تفاخر اور مباہات بھی ہے مگر تغزل بھی۔ جو کہ عربی شاعری کے اجزائے اعظم میں سے ہے۔

انّا محیّوک یا سَلْمَیٰ فحیّینا　　　واِنْ سقیتِ کرام النّاسِ فاسقینا

اے سلمیٰ ہم تجھ کو سلام کرتے ہیں تو تو بھی ہمیں سلام کر اور اگر تو صرف شرفاء کو شراب پلاتی ہے تو ہمیں پلا۔

و انْ دَعَوتِ اِلیٰ جُلّٰی و مَکْرُمۃٍ　　　یَوْمًا سَرا ۃِ کِرَامِ النَّاس فادعینا

اگر تو کسی دن لڑائی یا سخاوت کے لیے شریف زادوں کو بلائے تو ہمیں بھی بلا ہم بھی اس کے اہل ہیں۔

اِن تُبْدَ رُغَایۃٌ یَومًا لِمَکْرُمَۃٍ　　　تَلْقَ السَّوَابِقَ مِنَّا و الْمُصَلِّیْنَا

اگر کسی دن عزت کے کسی کام کے لیے مقابلہ ہو اور لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں تو اوّل اور دوم نمبر پر ہمارے گھوڑے ہوں گے اور پیچھے دوسروں کے۔

اب دیکھ لیں نفسِ مضمون میں اپنی طرف التفات اور توجہ کی التجا ہے۔ مگر اس کا جواز عشق ومحبت نہیں بلکہ

خالص قومی تفاخر اور شجاعت کی بنا پر ہے شعر جاہلیہ کے اس اسلوب اور ترجیہات کلام کے ثبوت میں ابوتمام کا حماسہ اور معلّقات کے قصائد کا ہر شعر گواہ ہے اور جاہلیہ کی شاعری کی یہی پختہ اسناد ہیں اور حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق آئمہ راشدین انہی کو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے ثبوت میں بطور سند لاتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن کریم نے عربی اسلوب کو قائم رکھتے ہوئے عربی ادب کی ترجیحات اور مقاصد کا رخ موڑ دیا۔ دنیا کی محبت کو خدا کی محبت میں تبدیل کر دیا اور باہم جنگ و جدال کے شوق کو خدا کے منشا کے مطابق جہاد میں اور سخاوت اور اکرامِ ضیف کو صدقہ اور خیرات کی تلقین میں بدل دیا۔

ہمارے آقا حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم کے کامل اتباع میں اپنے کلام میں اِسی دستور کو قائم رکھا ہے اور کمال ادبی شان اور صنعت گری کے ساتھ اشعار کی تخلیق کی ہے اور عربی کلاسیکل اسلوب کی پاسداری فرمائی ہے۔

ادب جاہلیہ میں اوّل مقام تو سبعہ معلقات کا ہے اور دوسرے درجے پر وہ اشعار ہیں جو بعثت نبیٔ اکرمؐ سے قبل مقبول عام تھے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ حماسہ کی صرف دو مثالیں پیش کی ہیں۔ تقابل اور موازنہ کے لیے حضرت اقدسؑ کے چند اشعار بھی ملاحظہ کر لیں۔ ابلاغِ رسالت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وَ نَحۡنُ کُمَاۃُ اللّٰہِ جِئۡنَا بِاَمۡرِہٖ　　حَلَلۡنَا بِلَادَ الشِّرۡکِ وَ اللّٰہُ یَخۡفُرُ

ہم خدا کے سوار ہیں۔ اُس کے حکم سے آئے ہیں۔ اور شرک کے شہروں میں ہم داخل ہوئے ہیں اور خدا رہنمائی کر رہا ہے۔

اَقُوۡلُ وَلَا اَخۡشٰی فَاِنِّیۡ مَسِیۡحُہٗ　　وَلَوۡ عِنۡدَ ھٰذَا الۡقَوۡلِ بِالسَّیۡفِ اُنۡحَرُ

میں بے دھڑک کہتا ہوں کہ میں خدا کا مسیح موعود ہوں۔ اگرچہ مَیں اِس قول پر تلوار سے قتل بھی کیا جاؤں

وَقَدۡ جَاءَ فِی الۡقُرۡاٰنِ ذِکۡرُ فَضَائِلِیۡ　　وَ ذِکۡرُ ظُھُوۡرِیۡ عِنۡدَ فِتَنٍ تُثَوَّرُ

اور میرے فضائل کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور میرے ظہور کا ذکر بھی پُر آشوب زمانہ میں ہونا لکھا ہے

**وَمَا اَنَا اِلَّا مُرۡسَلٌ عِنۡدَ فِتۡنَۃٍ　　فَرُدَّ قَضَاءَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتَ تَقۡدِرُ**

اور میں خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ پس خدا کے حکم کو تُو بدل دے اگر تجھے قُدرت ہے

تَخَیَّرَنِیۡ الرَّحۡمَانُ مِنۡ بَیۡنِ خَلۡقِہٖ　　لَہُ الۡحُکۡمُ یَقۡضِیۡ مَایَشَاءُ وَ یَاۡمُرُ

خدا نے مجھے اپنی مخلوقات میں سے چُن لیا ہے۔ حکم اسی کا حکم ہے جو چاہے کرے

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں۔

وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمَوۡلَی الۡکَرِیۡمِ وَ اِنَّہٗ　　یُحَافِظُنِیۡ فِیۡ کُلِّ دَشۡتٍ وَ یَخۡفِرُ

اور میں خدا کی طرف سے ہوں۔ اور خدا ہر ایک جنگل میں میری محافظت اور رہنمائی کرتا ہے

فَکِیۡدُوۡا جَمِیۡعَ الۡکَیۡدِ یَا اَیُّھَا الۡعِدَا　　فَیَعۡصِمُنِیۡ رَبِّیۡ وَ ھٰذَا مُقَدَّرُ

پس ہر ایک قسم کا مکر مجھ سے کرو اے دشمنو! پس میرا خدا مجھے بچائے گا اور یہی مقدّر ہے

مَضٰی وَقْتُ ضَرْبِ الْمُرْهِفَاتِ وَ دَفُوْهَا وَ اِنَّا بِبُرْهَانٍ مِّنَ اللّٰهِ نَنْحَرُ

وہ وقت گذر گیا جب کہ تلواریں چلائی جاتی تھیں۔اور ہم خدا کی برہان سے منکروں کو ذبح کرتے ہیں

وَ لِلّٰهِ سُلْطَانٌ وَّ حُكْمٌ وَّ شَوْكَةٌ وَ نَحْنُ كُمَاةٌ بِالْاِشَارَةِ نَحْضُرُ

اور خدا کے لیے تسلّط اور حکم اور شوکت ہے۔ اور ہم وہ سوار ہیں جو اشارہ پر حاضر ہوتے ہیں

اوراس مثال کو دیکھیں کہ خالص عربی اسلوب اور کامل اتباع اساتذۂ ادب ہے۔فرماتے ہیں۔

بِمُطَّلِعٍ عَلٰى اَسْرَارِ بَالِيْ بِعَالِمِ عَيْبَتِيْ فِيْ كُلِّ حَالِيْ

قَسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور قَسم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے سینے کے راز سے واقف ہے

بِوَجْهٍ قَدْ رَأَى اَعْشَارَ قَلْبِيْ بِمُسْتَمِعٍ لِّصَرْخِيْ فِي اللَّيَالِيْ

قَسم ہے اس ذات کی جو میرے دل کے تمام گوشوں سے واقف ہے اور قَسم اس ذات کی جو راتوں کو میری آہ وزاری کو سننے والا ہے

لَقَدْ اُرْسِلْتُ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ رَحِيْمٍ عِنْدَ طُوْفَانِ الضَّلَالِ

بے شک میں ربّ کریم رحیم کی طرف سے طوفان ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں

اورفرماتے ہیں:

تَعَالَ اِلَى الْهُدٰى ذُلًّا خُضُوْعًا اِلٰى مَا تَكْتَسِيْ ثَوْبَ الدَّلَالِ

فروتنی اور خاکساری سے ہدایت کی طرف آ۔ کب تک تُو غرور کا لباس پہنے رکھے گا

وَ اِنْ نَاضَلْتَنِيْ فَتَرٰى سِهَامِيْ وَ مِثْلِيْ لَا يَفِرُّ مِنَ النِّضَالِ

اگر تو تیراندازی میں میرا مقابلہ کرے تو میرے تیروں کا تجھے پتہ لگ جائے گا اور میرے جیسا آدمی تیراندازی کے مقابلہ میں بھاگا نہیں کرتا

سِهَامِيْ لَا تَطِيْشُ بِوَقْتِ حَرْبٍ وَسَيْفِيْ لَا يُغَادِرُ فِي الْقِتَالِ

لڑائی کے وقت میرے تیر خطا نہیں جاتے اور میری تلوار لڑائی میں (کسی کو) نہیں چھوڑتی

فَاِنْ قَاتَلْتَنِيْ فَاُرِيْكَ اَنِّيْ مُقِيْمٌ فِيْ مَيَادِيْنِ الْقِتَالِ

اگر تو مجھ سے جنگ کرے تو میں تجھے دکھا دوں گا کہ بیشک میں لڑائی کے میدانوں میں ثابت قدم ہوں

اَبِالْاِيْذَاءِ اَتْرُكُ اَمْرَ رَبِّيْ وَ مِثْلِيْ حِيْنَ يُؤْذٰى لَا يُبَالِيْ

کیا دکھ دیے جانے سے میں اپنے ربّ کے کام کو چھوڑ دوں گا؟ جبکہ میرے جیسا آدمی ایذا دیے جانے کی پروا نہیں کیا کرتا

وَ کَیْفَ اَخَافُ تَھْدِیدَ الْخُنَاثیٰ　　　وَ قَدْ اُعْطِیْتُ حَالَاتِ الرِّجَالِ

میں مخنثوں کی دھمکی سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ مجھے مردوں کے حالاتِ مردانگی دیے گئے ہیں

اَلَا اِنِّیْ اُقَاوِمُ کُلَّ سَھْمٍ　　　وَ اَقْلِی الاِکْتِنَانَ عَنِ النِّبَالِ

آگاہ رہو کہ میں ہر تیر کا سامنا کرسکتا ہوں اور میں تیروں کے خوف سے مورچہ بند ہونے کو پسند نہیں کرتا

مشاہدہ کریں کہ مضمون ابلاغِ رسالت کا ہے مگر اسلوب مبارزت کا ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان اور حکم ہے اور مقابلہ براہین اور دعا اور تائیدِ الٰہی سے ہے مگر حکمِ الٰہی کی بجا آوری کے اظہار میں دلیر شاہ سوار ہیں اور دعا کے اظہار میں تیر ہیں اور حکمِ خداوندی کی بجا آوری میں تلوارِ بُت شکن ہیں۔ اور شجاعت اور دلیری ایسی ہے کہ مبارزت اور مقابلہ کی دعوتِ عام ہے۔

اختصار کے پیشِ نظر جاہلیہ کے متعدد شعراء سے صرف دو شاعروں کی مثال دی ہے اور ان کے مقابل پر حضرت اقدس کے اشعار پیش کیے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اسلوب ادب جاہلیہ اور حضرت کے طرز بیان کا اتّحاد و یک رنگی واضح ہو جائے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس کا اسلوب بیان دراصل معلقات کے قصائد تخلیق کرنے والے اساتذۂ ادب سے صرف مطابقت ہی نہیں رکھتا بلکہ بہت مقامات میں حضور نے ان کے اشعار کے جملے اور ان کے طرز بیان کو اختیار فرمایا ہے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خالص عربی زبان کا مولد و مسکن جزیرۂ عرب تھا۔ اور ملک عرب میں اس زبان کا مکتب لسانی وہی مکہ مکرمہ تھا جہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس زبان کی الہامی تائید کیساتھ تہذیب و تعدیل کی اور نتیجۃً حقیقی فصیح زبان عربی قریش کی زبان مانی گئی۔

اسی لسانی عظمت کے تحت اقوام عرب کا یہ دستور تھا کہ جب تک کوئی شاعر مکہ جا کر قبیلۂ قریش سے اپنے کلام کی دادِ سخن حاصل نہیں کرتا تھا۔ اس وقت تک اس کا کلام مستند اور مقبول نہیں ہوتا تھا۔ اِسی دستور کے مطابق قریش اُدبا کی نظر میں جو قصیدہ ان کے معیار فصاحت و بلاغت کے مطابق ہوتا اُس کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اشعار جاہلیہ میں سات قصائد ایسے منتخب ہوئے تھے اور ان کو خانہ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا گیا تھا۔ تا کہ یہ اعلان عام ہو کہ یہ عربی ادب کی شاہکار امثال ہیں۔

ان قصائد میں جن کو صف اوّل کا شاہکار کلام کہا جا سکتا ہے وہ لبید بن ربیعہ کی شعر فہمی اور ذوق سلیم کے مطابق اوّل امراؤالقیس اور دوم طُرفہ اور سوم لَبید کا اپنا قصیدہ ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ ادب جاہلیہ عربی زبان کا ایسا ارتقا علوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اسی

اسلوب پر نازل کرنا پسند فرمایا اور اس سے بہت بہتر کلام نازل کیا اور اُدباء عرب کو ''فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِّثْلِهٖ'' کی دعوت مقابلہ دی مگر ''مِثْلِهٖ'' کی شرط لگا کر واضح کر دیا کہ موضوعاتِ شعر بھی وہی ہوں جو کہ قرآن کریم کے ہیں۔ قرآن کریم کے واضح فرمان کے تحت ہی ہمارے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''جوامع الکلم'' عطا کیے گئے اور آپ کو ''افصح العرب'' کا منصب عطا فرمایا گیا۔

ہمارے پیارے امام حضرت مسیح موعودؑ کا کلام عربی بھی اسی فرمان قرآن کریم کے اتباع میں ہے یعنی اس طور سے کہ اسلوب ادب کو قائم رکھا گیا مگر جاہلیہ کے شعر کے موضوعات اور مطمح نظر کو بدل کر ان کا رخ تبدیل کر دیا اور ان کی شاہ سواری اور شجاعت کو اخلاق حسنہ میں مبارزت کو محبوبِ حقیقی کے قرب اور اس کی لقا میں اور اس کے لیے جان فدا کرنے کو اپنے شعر کی ترجیحات بنا لیا۔ جیسا کہ آپ اپنے پیارے خدا کو مخاطب کر کے عرض کر رہے ہیں۔

اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ كَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِیْ      فِیْ كُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَ الْاِمْلَاءِ

ترجمہ: تُو ہی تَو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

بیان یہ ہو رہا تھا ادب عربیہ میں لبیدؓ کے کہنے کے مطابق تین اصحاب معلقات افصح العرب ہیں۔ حضرت اقدس نے بھی عمومی طور پر ان تین شعراء کے اسلوب میں شعر تخلیق فرمائے ہیں۔ ان شعراء میں جیسا کہ اوّل امراؤالقیس کا قصیدہ ہے۔ حضرت کے کلام میں بھی اس کے قصیدہ لامیہ کی جا بجا جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

ان کی امثال کو ملاحظہ کریں:

ا۔ امراؤالقیس اپنے گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے۔

مِكَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا      كَجُلْمُوْدِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّيْلُ مِنْ عَلِ

ترجمہ: وہ گھوڑا بہت حملہ کرنے والا اور بہت بھاگنے والا اور آگے بڑھنے والا اور پیچھے ہٹنے والا ہے اور یہ سب ایک وقت میں کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بھاری پتھر جسے رود (سیلاب) نے اوپر سے نیچے کو گرا دیا ہو۔

حضرت اقدسؑ اپنے پیارے محبوب اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور شان میں فرماتے ہیں۔

رءُوفٌ رَّحیمٌ اٰمرٌ مَّانعٌ مَّعًا      بشیرٌ نذیرٌ فی الکروب مُبَشِّرُ

ترجمہ: وہ بیک وقت مہربان ہے۔ رحیم ہے اور امر و نہی کرنے والا ہے۔ بشارت دینے والا۔ انذار کرنے والا اور تکالیف میں خوشخبری دینے والا ہے۔

آپ حضرت اپنے قلم کی شان کو بیان کرتے ہوئے امراؤالقیس کے ایک مکمل مصرع کو اختیار فرماتے ہیں۔

وَاُعْطِیْتُ قَلَمًا مِثْلَ مُنْجَرِدَ الْوَغیٰ فَیُسْعِرُ نِیْرَانًا وَ کَالْبَرْقِ یَخْفِقِ

اور میں قلم لڑائی کے گھوڑے کی طرح دیا گیا ہوں پس آگ کو سلگاتی اور برق کی طرح ہلتی ہے

مِکَرٌّ مِّفَرٌّ مُّقْبِلٌ مُدْبِرٌ مَّعًا کَدَابِ اَجَارِدَ عِنْدَ مَوْقِدِ مَأْزِقِ

حملہ کرنے والے، بھاگنے والے، آگے ہونے والے، پیچھے ہونے والے جیسا کہ لڑائی کے میدان میں عمدہ گھوڑوں کی عادت ہے۔

شعر عربی میں امراؤالقیس کا ایک زندہ جاوید شعر اپنے محبوب کے حسن و جمال کے بیان میں ہے۔ کہتا ہے:

تُضِیءُ الظَّلَامَ بِالعَشِیءِ کَاَنَّھَا مَنَارۃُ مُمْسَا رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

وہ اپنے حسن سے رات کی تاریکی اس طرح روشن کر دیتی ہے جیسا کہ ایک تارک الدنیا راہب کا چراغ ہو۔

حضرت اقدس قرآن کریم کے نور کی ضیاء پاشی اور برکات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

یُضِیءُ الْقُلُوْبَ وَ یَدْ فَعَنَّ ظَلَامَھَا وَ یَشْفِی الصُّدُوْرَ سَوَادُہٗ وَ یُھَذِّبُ

وہ دلوں کو روشن کرتا اور ان کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے اور اس کی تحریر سینوں کو شفا دیتی ہے اور مہذّب کرتی ہے۔

فَقُلْتُ لَہٗ لَمَّا شَرِبْتُ زُلَالَہٗ فِدًی لَّکَ رُوْحِیْ اَنْتَ عَیْنِیْ وَ مَشْرَبُ

پس میں نے قرآن سے کہا جب میں نے اس کا صاف پانی پیا۔ تجھ پر میری جان قربان ہو کہ تُو میرا چشمہ اور گھاٹ ہے۔

اور فرماتے ہیں:

تُضِیءُ الظَّلَامَ مَعَارِفِیْ عِنْدَ مَنْطِقِیْ وَقَوْلِیْ بِفَضْلِ اللّٰہِ دُرٌّ مُّنَوَّرُ

میری گفتگو کے وقت میرے معارف ظلمت کو روشنی سے بدل دیتے ہیں اور میرا قول اللہ کے فضل سے روشن موتی ہے۔

ایک مثال اور دیتا ہوں۔ عبداللہ آتھم سے مباحثہ کے لیے امرت سر کی طرف روانہ ہونے کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

وَ بَشَّرَنِیْ قَبْلَ الْجِدَالِ بِلُطْفِہٖ فَقَالَ لَکَ الْبُشْرٰی وَ اَنْتَ الْمُظَفَّرُ

اور مقابلہ سے پہلے ہی اس نے اپنی مہربانی سے مجھے بشارت دے دی۔ سو کہا: تجھے بشارت ہو تُو ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

فَفَاضَتْ دُمُوْعُ الْعَیْنِ مِنِّیْ تَذَلُّلاً وَ قَصَدْتُّ عَنْبَرْ سَرَ وَ قَطْرِیَ یَمْطُرُ

تب میری آنکھوں سے عاجزی سے آنسو جاری ہوگئے اور میں نے اس حال میں امرتسر کا ارادہ کیا کہ میرے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی۔

امراؤالقیس اپنے محبوب سے جدا ہونے پر کہتا ہے

فَفَاضَتْ دُمُوْعُ العَیْنِ مِنِّیْ صَبَابَةً عَلَی النَّحْرِ حَتّٰی بَلَّوْ مَعِیْ مَحْمَلِیْ

اس کی محبت میں آنسو میری آنکھوں سے میرے سینے پر گرے یہاں تک کہ انہوں نے میری تلوار کی میان کو بھگو دیا۔

ایک شعر اور سُن لیں۔

امراؤالقیس رات کی تاریکی اور خوف وخطر کے بیان میں کہتا ہے۔

وَلَیْلٌ کَموجِ البحرِ اَرخیٰ سُدُولَهٗ عَلَیَّ بانواعِ الهُمُومِ لِیَبْتَل

اور بہت تاریک راتوں نے سمندر کی امواج کی طرح سے مصائب کے پردے مجھ پر ڈالے

حضرت اقدسؑ عام گمراہی اور بے دینی کے عالَم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تَرَائَتْ غَوَایَاتٌ کَرِیْحٍ عَاصِفٍ وَ أَرْخٰی سُدُوْلَ الْغَیِّ لَیْلٌ مُکَدَّرُ

گمراہیاں تُند ہوا کی طرح نظر آ رہی ہیں اور تاریکی پیدا کرنے والی رات نے گمراہی کے پردے لٹکا دیے ہیں۔

حضرت اقدس کے اشعار سے امراؤالقیس کے اشعار کا تقابل قدرے طویل ہوگیا ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امراؤالقیس جاہلیہ کے شعراء کا سردار اور استاد ہے۔اس شاعر کے قصیدے کو عربی ادب کا شاہکار گردانتے ہوئے قریش نے اوّل مقام پر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا تھا اور جاہلیت کے ہر شاعر نے کوشش کی ہے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک اس کے اسلوب بیان اور لفظی محاسن کو حاصل کرے اس لیے اگر حضرت اقدس اور امراؤالقیس کے اسالیب شعر کے اتحاد و یک رنگی کو قدرے تفصیل سے بیان کر دیا جائے تو گویا ہم نے تمام عربی کلاسیکی ادب کا موازنہ حضرت اقدس کے ادب سے کر دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حقیقت میں حضرت اقدس کے اشعار میں بے شمار امثال اسی شاعر کے اسلوب شعری اور انتخاب لفظی سے اتحاد رکھتی ہیں۔

تاہم صرف امراؤالقیس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔اساتذہ شعر عربی میں حضرت اقدس نے طُرفہ اور لَبید کو بھی قابل اعتنا سمجھا ہے کچھ امثال ان کی بھی ملاحظہ کر لیں۔

طؔرفہ اپنی ناقہ کی خوبی کے بیان میں کہتا ہے

وَصَادِقَتَا سَمْعِ التَّوَجُّسِ لَلسُّرٰی　　لِھَجَسٍ خَفِیٍّ اَوْ لِصَوْتٍ مُّنَدَّدٖ

ترجمہ: اُس کے دونوں کان رات میں چلتے وقت کانا پھوسی کی طرف بہت ٹھیک اور سچے ہیں اُس کا کان لگانا خواہ پست آواز کی طرف ہو یا بلند آواز کی طرف۔

حضرت اقدس وحی الٰہی کی آواز کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وَمَا قُلْتُ اِلَّا مَا اُمِرْتُ بِوَحْیِہٖ　　وَمَا کَانَ ھَجْسٌ بَلْ سَمِعْتُ مُنَدَّدَا

ترجمہ: اور میں نے وہی بات کہی جس کا مجھے خدا کی وحی سے حکم دیا گیا اور وہ کوئی نا قابل فہم دھیمی آواز نہ تھی بلکہ میں نے تو ایک پُر شوکت آواز سنی ہے۔

ایک اور مثال بھی سُن لیں۔

طُرفہ اپنی ناقہ کی چُست رفتاری کے بیان میں کہتا ہے۔

اَحَلْتُ عَلَیْھَا بِالْقَطِیْعِ فَاَجْذَمَتْ　　وَقَدْ خَبَّ اٰلُ الْاَمْعَزِ الْمُتَوَقَّدٖ

میں نے اپنی ناقہ پر سوار ہو کر کوڑا اُٹھایا چنانچہ وہ چٹیل زمین میں موج مارتی ہوئی گرم ریت پر خوب دوڑی

حضرت اقدس مکفرین پر حجت پوری کرنے کے بیان میں فرماتے ہیں۔

رَاَیْتُ تَغَیُّظُکُمْ فَلَمْ اٰلُ حُجَّۃً　　وَ وَطِئْتُ ذَوْقًا اَمْعَزًا مُّتَوَقِّدَا

ترجمہ: میں نے تمہارا غصّہ دیکھا سو میں نے حجّت پوری کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور میں نے پتھریلی اور بھڑکتی ہوئی زمین کو ذوق وشوق سے پامال کیا۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ سبع معلقات کے شاعروں میں لبؔید نے اپنا منصب تیسرے نمبر پر رکھا ہے۔ یعنی اوّل امراؤالقیس دوم طُرفہ اور سوم لبیدؓ بن ربیعہؓ شعری اور ادبی عظمت کے اعتبار سے اس کے فیصلے سے اختلاف کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک جلیل القدر شاعر اور صاحب ذوقِ سلیم ہستی تھا۔ مگر روحانی اعتبار سے دل یہ چاہتا ہے کہ لبؔید کو اوّل مقام دیں۔

کیونکہ معلقات کے شعراء میں لبؔید ہی ایک ایسے خوش نصیب شاعر ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور جن کے نام کے ساتھ ’’رضی اللّٰہ عنہ‘‘ کا خطاب متّصل ہوا۔ معلّقات کے شعراء میں یہ ایک ایسا افتخار ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔

اور پھر حضرت لبیدؓ ہی ایک ایسے شاعر ہیں جن کے دو مصرعے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے

طور پر اختیار فرمائے۔

حضرت اقدس کو نشان کے طور پر زلزلوں کی تباہ کاریوں کی اطلاع دینے کی غرض سے الہام ہوا

**عفت الدیار محلها و مقامها**

(تذکرہ صفحہ 556۔مطبوعہ 2004ء)

یہ حضرت لبیدؓ کے معلقے کا اوّل مصرع ہے۔

آپ حضرتؑ اس مصرع کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

**عَفِتِ الدِّیَارُ مَحِلُّهَا وَ مَقَامُهَا بِمِنًى تَابَّد غولها فرجامها**

''اِس کے معنے ہیں کہ میرے پیاروں کے گھر منہدم ہو گئے۔ان عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں۔دونوں قسم کی عمارتیں نابود ہو گئیں''

اور دوسرا الہامی مصرع بھی اسی قصیدے کا ہے

**انَّ المَنَایَا لَا تَطیش سِهَامُها**

ترجمہ: موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے (تذکرہ صفحہ 573۔مطبوعہ 2004ء)

فرماتے ہیں۔''تب میں نے کشفی حالت میں ہی یہ دعا کی کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔تب الہام ہوا ''**انَّ المَنَایَاقد تَطیش سِهَامُها**'' یعنی موتوں کے تیر خطا بھی جاتے ہیں۔

مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے لَبید کے مصرعے میں ایک خبر دی اور اُسی کے مصرعے کی اصلاح کر کے منذر واقعہ کو معدوم کر دیا یہ اصلاح اس اعتبار سے بھی معتبر ہے کہ لبید کو خدا تعالیٰ کے قادر ہونے پر وہ یقین نہیں تھا جو حضرت اقدس کو تھا۔یعنی یہ کہ تیر اُسی صورت میں نشانے پر لگتا ہے جب خدا کا منشا ہو۔

معلّقات کے شعراء میں اس افتخار کے بارے میں حضرت اقدس کے فرمان کو سُن لیں۔فرماتے ہیں۔

اب یاد رہے کہ وحی الٰہی یعنی **عفت الدیار محلها و مقامها** یہ وہ کلام ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا تعالیٰ نے لبید بن ربیعہ العامری کے دل میں ڈالا تھا جو اُس کے اس قصیدہ کا اوّل مصرع ہے جو سبعہ معلّقہ کا چوتھا قصیدہ ہے اور لبید نے **زمانہ اسلام کا پایا تھا اور مشرف باسلام ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے اس کے کلام کو یہ عزّت دی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ ایسی ایسی تباہیاں ہونگی جن سے ایک ملک تباہ ہو گا وہ اُسی کے مصرع کے الفاظ میں بطور وحی فرمائی گئی جو اس کے منہ سے نکلی تھی۔**

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم،ر۔خ۔جلد 21 صفحہ 162)

اور پھر لبیدؓ کے کلام کی تعریف میں فرمایا:

''اس سے کیوں تعجب کرنا چاہئے کہ لبید جیسے صحابی بزرگوار کے کلام سے اس کے کلام کا توارد ہوجائے۔ خدا تعالےٰ جیسے ہر ایک چیز کا وارث ہے ہر ایک پاک کلام کا بھی وارث ہے اور ہر ایک پاک کلام اُسی کی توفیق سے مُنہ سے نکلتا ہے۔''

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 162)

اس لیے اگر ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ معلقات میں اوّل درجہ اور مقام حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے تو ہم ہر اعتبار سے حق بجانب ہوں گے۔

حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی اور شعری قرب و مناسبت کو دونوں حضرات کے ایک شعر کی مثال پر ختم کرتا ہوں۔

لبیدؓ اپنے محبوب قبیلے کے غیر آباد اور تباہ شدہ قیام گاہ کے نشانوں کو (جن کو سیلاب نے دوبارہ اجاگر کردیا ہے) دیکھ کر کہتا ہے۔

**وَجَلَاالسُّیُوْلُ عَنِ الطُّلُوْلِ کَاَنَّھَا زُبُرٌ تُجِدُّ مُتُوْنُھَا اَقْلَامُھَا**

ترجمہ: سیلابوں کے بہنے نے کھنڈروں سے یہ ظاہر کردیا ہے گویا وہ کھنڈر کتابیں ہیں جن کے مٹے ہوئے متنوں کو اُن کے قلموں نے نیا اور چمکا دیا ہے۔

حضرت اقدس بعینہٖ لبید کی طرح سے ایک رمضان کے ماہ میں سورج اور چاند کے گرہن کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا ٹکڑے ہوجانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو تازہ اور اُجاگر کرتا ہے۔

**قَطَعَاتُھَا تَھْدِی الْقُلُوْبَ کَاَنَّھَا زُبُرٌ تُجِدُّ نُقُوْشَ شَمْسٍ مُّقْتَدَا**

ترجمہ: اس کے ٹکڑے دلوں کو ہدایت کرتے ہیں گویا وہ کتابیں ہیں جو ہمارے آفتاب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشوں کو تازہ کرتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شعری محاسن کے اعتبار سے آثار میں ہے کہ جب فرزدقؔ جیسے عظیم الشان شاعر نے لبیدؔ کا یہ شعر سنا تو سجدہ ریز ہوگیا۔ استفسار پر اس نے جواب دیا کہ تم لوگ قرآن کریم کے مقامات سجدہ کو پہچانتے ہو اور میں شعر کے مقام سجدہ کو جانتا ہوں۔ اگر لبیدؔ کے شعر پر سجدہ ہوسکتا ہے تو۔ آنحضرت کی پیشگوئی ثابت ہونے کے اعتبار سے تو حضرت کا شعر ہزار سجدوں کے لائق ہے۔

ہم نے ادب جاہلیہ اور حضرت اقدسؑ کے اتحاد اسلوب بیان میں بہت ہی کم مثالیں پیش کی ہیں کیونکہ

مقصد اس اتحاد کو ثابت کرنا تھا جو بہت حد تک حاصل ہو گیا ہے وگرنہ جو احباب ادب جاہلیہ اور حضرت کے کلام کا تفصیلی علم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اتحاد اسلوب ادبی کے اثبات میں ایسی ایسی اَن گِنت امثال پیش کی جاسکتی ہیں۔

اس مضمون کی ابتدا میں عرض کیا گیا تھا کہ عربی زبان کے سفر بلوغت کے دو ہی سنگ میل ہیں۔

**اوّل**: ادب جاہلیہ

**دوم**: قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحتِ لسانی کہ آپ ''افصح العرب'' تھے

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادبِ جاہلیہ کو اوّل اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہی وہ ادب ہے جس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے برتر اور اعلیٰ ہونے کا دعویٰ فرماتا ہے۔ اس لیے اس کا اوّل بیان ہونا لازم تھا۔

ان دو حقائق کے پیش نظر لازم تھا کہ ہم حضرت اقدسؑ کے عربی شعر کے محاسن کو ان دونوں ادب ہائے عالیہ کے حُسنِ کلام کے سامنے پیش کرتے اور یہ جائزہ لیتے کہ آپ حضرت کا کلام کس حد تک ان کے قائم کردہ اقدارِ ادب کی مطابقت میں ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلوبِ ادب علمی بھی ہوتا ہے اور ادبی بھی۔ ادبی اسلوب کا تعلق زبان اور اس کے محاورے اور تشبیہی دلالتوں سے ہوتا ہے مگر علمی اسلوب موضوعات کے انتخاب اور ترجیحاتِ قلبی اور مشاہداتِ نظری سے قائم ہوتا ہے اس لیے باوجود اس حقیقت کے کہ قرآن کریم اور حضرت اقدسؑ کا ادب عربی زبان اور اس کے محاورے کے اعتبار سے ادب جاہلیہ کے اسلوب پر ہے اور اِسی اسلوب میں اس سے اعلیٰ اور اَرفع ہے مگر علمی اسلوب کے اعتبار سے جس کو انتقاد میں ''مواد ادب'' کہتے ہیں۔ ان دونوں ادبی شاہکاروں کا ادب جاہلیہ سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے۔

قرآن کریم اور اس کے اتّباع میں حضرت اقدسؑ کے مواد ادب اوّل طور پر ثبوت ہستی باری تعالیٰ اور صداقت انبیاء اور فرمودات قرآن کریم ہیں اور دوسرے درجے پر خدا کی محبت۔ اس کی عبادت اور اخلاق حسنہ میں اس کی تعلیم ہے۔

اس کے برعکس مادی دنیا کے انسان کے مواد ادب انسان کے باہم عشق و محبت میں ہجر و وصال کا ذکر اور مادی آسائشوں کا حصول یا فقدان کا نوحہ ہے۔

مواد اور موضوعات کے اس تفاوت اور اختلاف کی بناء پر حضرت مسیح موعودؑ کا عربی کلام اُسی کلام کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے جس کی ترجیحات آپ کے کلام سے مکمل متحد اور ہم رنگ ہوں۔

اس وضاحت کے بعد ہم اس مقام پر پہنچے ہیں کہ یہ جائزہ لیں کہ حضرت اقدسؑ کا کلام کس قدر عاشقانہ انداز میں قرآن کریم کے اسلوب بیان کا اتباع کر رہا ہے۔ یہ حقیقت تو واضح ہے کہ حضرت اقدس کا عربی ادب بیش سے بیش تر نثر میں تخلیق ہوا ہے اور آپ کی عربی نثر ہی حقیقت میں اس کامل اتباع کو پیش کر سکتی ہے جو آپ حضرت نے قرآن کریم کا کیا ہے۔ خاکسار کے مشاہدے کے مطابق آپ کی نثر میں کوئی فقرہ ایسا نہ ہوگا جس میں لسانی یا علمی اعتبار سے کوئی نہ کوئی جھلک قرآنی نور کی قلب ونظر کو بے تاب نہ کر رہی ہو مگر کیونکہ ہم آپ حضرت کے ادب کی اس خدمت میں صرف آپ کا شعری کلام پیش کر رہے ہیں اس لیے آپ کے شعری کلام کی ان گنت امثال میں سے چند ایک اتبّاع قرآنِ کریم کے اثبات میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ .....الی الأخر (البقرة:75)

ترجمہ: اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ جن سے نہریں بہتی ہیں۔

آپ حضرت انقطاع الی اللہ کے بعد اپنے قلب کا عرفان الٰہی سے لبریز ہونے کو بیان کرتے ہیں۔

**حَفَرْتُ جِبَالَ النَّفْسِ مِنْ قُوَّةِ الْعُلٰی          فَصَارَ فُؤَادِیْ مِثْلَ نَهْرٍ يُّفَجَّرُ**

ترجمہ: میں نے خداداد طاقت سے نفس کے پہاڑوں کو کھودا ہے پس میرا دل نہر کی طرح ہوگیا ہے جو جاری کی جاتی ہے۔

(۲) قرآن کریم فرماتا ہے:۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

(الانعام:6)

ترجمہ: انہوں نے تکذیب کی حق کی جب وہ ان کے پاس آیا عنقریب انکو خبریں ملینگی جسکی وہ تکذیب کرتے تھے۔

حضرت فرماتے ہیں:

**فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَ هُمْ          فَسَوْفَ يُرِيْهِمْ رَبُّنَا مَا كَذَّبُوْا**

ترجمہ: انہوں نے سچ کو جھٹلا دیا ہے جب وہ ان کے پاس آیا سو ضرور انہیں دکھا دے گا ہمارا ربّ کہ انہوں نے کس چیز کو جھٹلایا ہے۔

(۳) قرآن کریم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے انکار میں فرماتا ہے

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ

..... اِلی الاٰخر (الانعام:102)

ترجمہ: اللہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے لیے اولاد کیونکر ہو حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔

آپ حضرت قرآن ہی کے الفاظ میں فرماتے ہیں۔

وَ مِنْ اَيْنَ طِفْلٌ لِلَّذِیْ هُوَ اَطْهَرُ    أَ لِلّٰهِ زَوْجٌ ؟ اَيُّهَا الْمُتَمَذِّرُ!

ترجمہ: اور کہاں لڑکا ہوسکتا ہے اس ہستی کا جو سب سے پاک ہے؟ اے خراب آدمی! کیا اللہ کی کوئی بیوی ہوسکتی ہے؟

(۴) قرآن کریم حضرت نوحؑ کی زبان سے ان کی تکفیر پر فرماتا ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِیْ

وَتَذْكِيْرِیْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ .....اِلی الاٰخر (یونس:72)

ترجمہ: ان پر نوحؑ کی خبر پڑھ کر سنا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر میرا مقام اور نصیحت شاق گذرتی ہے تو میں نے اللہ پر توکل کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

جَلَّتْ وَصَايَانَا هُدًى لٰكِنَّهَا    كَبُرَتْ عَلَيْكَ وَ لَيْتَهَا لَمْ تَكْبُرِ

ہماری نصیحتیں ہدایت کے لحاظ سے شاندار ہیں لیکن وہ تجھ پر شاق ہیں۔ کاش کہ وہ شاق نہ گذرتیں

(۵) قرآن کریم قیامت کے دن کی کیفیت کے بیان میں فرماتا ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ (المؤمن:19)

ترجمہ: اور ان کو اچانک آنے والے دن سے ڈرا۔ جبکہ دل حلق کے نزدیک غم سے بھرے ہوئے ہونگے

آپ حضرت عشقِ رسول اکرمؐ کی کیفیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وَ أَرَى الْقُلُوْبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ قُرْبَةً    وَ أَرَى الغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

ترجمہ: اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بیقراری سے گلے تک آگئے ہیں اور میں دیکھتا ہوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

(۶) قرآن کریم حضرت موسیٰؑ کی تکذیب کے بیان میں فرماتا ہے:

وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ

يَعِدُكُمْ ......اِلی الاٰخر (المومن:29)

ترجمہ: اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اس کا وبال ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو تم پر اس کی وعید کا کچھ حصہ پڑیگا۔

آپ حضرت اپنے صدق دعوٰی کے بیان میں فرماتے ہیں۔

فَاِنْ اَکُ صِدِّیْقًا فَرَبِّیْ یُعِزُّنِیْ وَ اِنْ اَکُ کَذَّابًا فَسَوْفَ اُحَقَّرُ

ترجمہ: سو اگر میں سچا ہوں تو میرا ربّ مجھے عزّت دے گا اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ضرور بے عزّت کیا جاؤں گا۔

(۷) قرآن کریم مومنوں کی مدد کے بیان میں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمّد: 12)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ مومنوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

آپ حضرت قرآن ہی کے الفاظ میں اس مضمون کا بیان کرتے ہیں۔

وَ اِنَّ لَنَا الْمَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ فَتَنْظُرُ اَنَّا نَغْلِبَنَّ وَ نُنْصَرُ

ترجمہ: اور ہمارا تو ایک مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ سو تو دیکھ لے گا کہ ہم ضرور غالب آئیں گے اور مدد دیئے جائیں گے۔

(۸) قرآن کریم انسان کی عذرخواہی کے بیان میں فرماتا ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ . وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیٰمة:16-15)

ترجمہ: انسان اپنے نفس کو خوب جانتا ہے خواہ وہ اپنے عذر پیش کرے۔

آپ حضرتؑ عیسائیوں کی فریب کاریوں کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَ مِنْ تَلْبِیْسِهِمْ قَدْ حَرَّفُوا الْاَلْفَاظَ تَفْسِیْرًا وَ قَدْ بَانَتْ ضَلَالَتُهُمْ وَ لَوْ اَلْقَوْا الْمَعَاذِیْرَا

ترجمہ: اور ان کی ایک تلبیس یہ ہے کہ تفسیر میں الفاظ کی تحریف کرتے ہیں اور اُن کی گمراہی ظاہر ہو چکی اگرچہ اب عذر پیش کریں۔

(۹) قرآن کریم انسان سے مواخذہ کرنے کے بیان میں فرماتا ہے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (المدّثر:12)

ترجمہ: مجھے اور میں نے جس کو پیدا کیا ہے اکیلا چھوڑ دے۔

آپ حضرتؑ مکذبین کو کہتے ہیں کہ آپ کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ فرماتے ہیں:

فَذَرْنِیْ وَ خَلَّاقِیْ وَ لَسْتَ مُصَیْطِرًا عَلَیَّ وَ لَا حَکَمٌ وَّ قَاضٍ فَتَاْمُرُ

ترجمہ: مجھ کو چھوڑ دے میرے ربّ کے حوالہ کر تو مجھ پر داروغہ نہیں کہ حکم چلاتا ہے فیصلے کرتا ہے نہ ثالث عادل ہے۔

اس مضمون کے آخر پر ہم آپ حضرت کے ایسے چار اشعار پیش کرتے ہیں جو یک جا بیان ہوئے ہیں اور جن میں ادب عربی کے دونوں سنگ میل یعنی ادب جاہلیہ اور ادب قرآن یکے بعد دیگرے بیان ہوا ہے۔

ادب جاہلیہ کے حوالہ سے حضرت لبید بن ربیعہؓ کا مشہورِ عالم شعر ہے۔

(ا) **الا کل شیءٍ ما خلا اللّٰہ باطلٌ　　　و کلُّ نعیمٍ لا محالۃ زائلٌ**

ترجمہ: سُن لو کہ خدا کے سوا سب باطل ہے اور تمام نعمتیں ختم ہونے والی ہیں۔

اور اِسی صاحبِ ادب صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مصرعہ ہے جو آپ حضرت کو الہام ہوا ہے۔

(۲) **اِنَّ المَنایَالَا تَطیش سِھَامُھا**

ترجمہ: موتوں کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے۔

ہمارے پیارے امام آخر زمان جاہلیہ کے اسلوب میں فرماتے ہیں۔

**اَلَا لَیْسَ غَیْرَ اللّٰہِ شَیْءٌ مُّدَوَّمٌ　　　وَّ کُلُّ جَلِیْسٍ مَّا خَلَا اللّٰہ یَھْجُرُ**

سُنو! اللہ کے سوا کوئی شَے ہمیشہ رہنے والی نہیں اور ہر ہم نشیں سوائے اللہ کے جدا ہونے والا ہے

**وَ اِنَّ الْمَنَایَا سَابِحَاتٌ قَوِیَّۃٌ　　　اَثَرْنَ غُبَارًا عِنْدَ حُکْمٍ یَّصْدِرُ**

اور یقیناً موتیں تو تیز رو گھوڑے ہیں جو غبار اڑاتے ہیں حکم صادر ہونے کے وقت

قرآن کریم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ **(الحدید:17)**

ترجمہ: اب ہم مومنوں سے کہتے ہیں کہ کیا اب تک ان کے دل اللہ کے ذکر کیلیے جھکتے نہیں۔

(۲) وَاٰخِرُ دَعْوٰىھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ **(یونس:11)**

ترجمہ: اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو ربّ العالمین ہے۔

(۱) **تَذَکَّرْ دِمَآءَ الْعَارِفِیْنَ بِسُبُلِہٖ　　　اَلَمْ یَاْنِ اَنْ تَخْشٰی ءَ اَنْتَ مُحَرَّرُ**

خدا کی راہ میں عارفین کے بہنے والے خون کو یاد کر۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو ڈرے؟ یا کیا تو آزاد ہے؟

(۲) **وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلَّذِیْ　　　ھَدَانَا مَنَاھِجَ دِیْنِ حِزْبٍ طُھِّرُوْا**

اور ہماری آخری بات یہی ہے کہ تمام حمد اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں پاک گروہ کے دین کی راہوں کی راہنمائی کی۔

اتّباع قرآن اور اسالیب ادب عربی کے مقابل پر حضرت اقدس کے کلام کو مقدور بھر پیش کر دیا گیا ہے۔

اس مرحلے پر اس مضمون کے دستور کے مطابق ہم چند اشعار ابلاغِ رسالت کے عنوان کے تحت پیش کرتے ہیں۔

عربی میں ابلاغِ رسالت کے عنوان سے ذیل کے اشعار گذشتہ میں پیش کیے جا چکے ہیں مگر دل چاہتا ہے کہ اس عنوان کے تحت اوّل مقام پر ان کو دوبارہ پیش کروں بہت ہی مؤثر اور پُر شوکت کلام ہے۔

بِـمُـطَّـلِـعٍ عَـلٰی اَسْـرَارِ بَـالِـیْ      بِـعَـالِـمِ عَیْبَتِیْ فِیْ کُلِّ حَـالِـیْ

قسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور قسم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے سینے کے راز سے واقف ہے۔

بِـوَجْـهٍ قَدْ رَأَی اَعْشَارَ قَلْبِیْ      بِمُسْتَمِعٍ لِّصَرْخِیْ فِیْ اللَّیَالِیْ

قسم ہے اس ذات کی جو میرے دل کے تمام گوشوں سے واقف ہے اور قسم اس ذات کی جو راتوں کو میری آہ وزاری کو سننے والا ہے۔

لَـقَـدْ اُرْسِلْتُ مِنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ      رَحِیْمٍ عِـنْـدَ طُوْفَانِ الضَّلَالِ

بے شک میں ربّ کریم رحیم کی طرف سے طوفان ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں

وَقَدْ اُعْطِیْتُ بُـرْهَـانًا کَرُمْحٍ      وَ ثَـقَّـفْـنَـاهُ تَثْقِیْفَ الْعَوَالِیْ

اور مجھ کو نیزے جیسی (تیز) برہان دی گئی ہے اور برہان کو ہم نے ہر کجی سے پاک کر دیا ہے جس طرح کہ نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔

فَلَا تَـقْفُ الظُّنُوْنَ بِغَیْرِ عِلْمٍ      وَ خَفْ اَخْذَ الْمُحَاسِبِ ذِی الْجَلَالِ

پس تو نادانی سے بے بنیاد باتوں کے پیچھے نہ لگ اور صاحبِ جلال، حساب لینے والے کی گرفت سے ڈر

آپ حضرتؑ کے مصلح ربانی ہونے کے اعتبار سے آپ کے روحانی حسن و جمال کا بیان بھی سُن لیں:

اِنِّـیْ صَـدُوْقٌ مُـصْـلِـحٌ مُتَـرَدِّمُ      سَـمٌّ مُـعَـادَاتِیْ وَ سِلْمِیْ اَسْلَمُ

میں صادق اور مصلح ہوں اور میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے

اِنِّـیْ اَنَـا الْبُسْتَانُ بُسْتَانُ الْهُدٰی      تَـأْتِـیْ اِلَـیَّ الْـعَیْنُ لَا تَتَصَرَّمُ

میں باغ ہدایت ہوں۔ میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا

رُوْحِـیْ لِتَقْدِیْسِ الْعَلِیِّ حَمَامَةٌ      اَوْ عَـنْـدَلِیْـبٌ غَـارِدٌ مُتَـرَنِّـمُ

میری روح خدا کی تقدیس کے لیے ایک کبوتر ہے یا بُلبل ہے جو خوش آوازی سے بول رہی ہے

مَـا جِئْتُکُمْ فِـی غَیْـرِ وَقْتٍ عَابِثًا      قَدْ جِئْتُکُمْ وَ الْوَقْتُ لَیْلٌ مُظْلِمُ

میں تمہارے پاس بے وقت نہیں آیا۔ میں اس وقت آیا کہ ایک اندھیری رات تھی

صَارَتْ بِلَادُ الدِّیْنِ مِنْ جَدْبٍ عَتَا     اَقْوٰی وَ اَقْفَرُ بَعْدَ رَوْضٍ تَعْلَمُ

دین کی ولایت بباعث قحط کے، جو غالب آ گیا، خالی ہوگئی بعد اس کے جو وہ ایک باغ کی طرح تھی۔

هَلْ بَقِیَ قَوْمٌ خَادِمُونَ لِدِیْنِنَا     اَمْ هَلْ رَئَیْتَ الدِّیْنَ کَیْفَ یُحَطَّمُ

کیا کوئی قوم باقی ہے جو ہمارے دین کی خدمت کرے اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دین کو کس طرح مسمار کیا جاتا ہے۔

**فَاللّٰهُ اَرْسَلَنِیْ لِاُحْیِیَ دِیْنَهُ     حَقٌّ فَهَلْ مِنْ رَاشِدٍ یَسْتَسْلِمُ**

سو خدا نے مجھے بھیجا تا کہ میں اس کے دین کو زندہ کروں یہ سچ ہے۔ پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے۔

حضرتؑ کے دعویٰ مجددیت اور جو علمِ قرآن آپ کو عطا ہوا ہے اس کو مشاہدہ کریں۔

وَ طُوْبٰی لِانْسَانٍ تَیَقَّظَ وَ انْتَهٰی     وَخَافَ یَدَ الْمَوْلٰی وَ سَیْفًا یُثْعِجِرُ

اور خوشی ہے اس انسان کے لیے جو بیدار ہوا اور رک گیا اور مولیٰ کے ہاتھ سے ڈرا اور اس تلوار سے بھی جو خون بہاتی ہے۔

**وَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ جِئْتُ مِنْهُ مُجَدِّدًا     بِوَقْتٍ اَضَلَّ النَّاسَ غُوْلٌ مُّسَخِّرُ**

**اور خدا کی قسم! یقیناً میں اس کی طرف سے مجدّد ہو کر آیا ہوں ایسے وقت میں کہ قابو کر لینے والے دیو نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔**

وَ عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ عُلُوْمَ کِتَابِهٖ     وَ اُعْطِیْتُ مِمَّا کَانَ یُخْفٰی وَ یُسْتَرُ

مجھے میرے ربّ نے اپنی کتاب کے علوم سکھائے اور مجھے وہ علم دیا گیا جو مخفی اور مستور تھا۔

وَ اَسْرَارُ قُرْاٰنٍ مَّجِیْدٍ تَبَیَّنَتْ     عَلَیَّ وَ یَسَّرَ لِیْ عَلِیْمٌ مُّیَسِّرُ

اور قرآن مجید کے بھید مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ آسانی پیدا کرنے والے خدائے علیم نے میرے لیے آسانی پیدا کر دی۔

کَاَنَّ الْعَذَارٰی بِالْوُجُوْهِ الْمُنِیْرَةِ     خَرَجْنَ مِنَ الْکَهْفِ الَّذِی هُوَ مُقْعَرُ

گویا کہ کنواری عورتیں چمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ نکل پڑیں اس غار سے جو گہری تھی

آپ جناب دعویٰ مہدیت کو بیان کرتے ہیں۔

یَا مُکْفِرِیْ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَ الْهُدٰی     اَلْیَوْمَ اُنْزِلْتُمْ بِدَارِ هَوَانِ

اے وَے لوگو جو اہل سعادت کو کافر ٹھہراتے ہو! آج تم ذلّت کے گھر میں اتارے گئے

تُوْبُوْا مِنَ الْهَفَوَاتِ یُغْفَرْ ذَنْبُکُمْ     وَاللّٰهُ بَرٌّ وَاسِعُ الْغُفْرَانِ

اپنی لغزشوں سے توبہ کرو تا تمہارے گناہ بخشے جاویں۔ اور خدا تعالیٰ نکوکار، وسیع المغفرت ہے

قَدْ جَاءَ مَهْدِیْکُمْ وَ ظَهَرَتْ اٰیَةٌ　　فَاسْعَوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ یَا فِتْیَانِیْ

تمہارا مہدی آ گیا اور نشان ظاہر ہوگیا۔ سو اے میرے جوانو! دلی صدق سے کوشش کرو۔

اور آخر پر ابلاغِ رسالت کے حکم کی بجا آوری کے ثبوت میں فرماتے ہیں:

وَ اِنَّ هِدَایَةَ الْفُرْقَانِ دِیْنِیْ　　وَ اَدْعُوْکُمْ اِلٰی نَهْجِ السَّدَادِ

اور بے شک قرآن کی ہدایت ہی میرا دین ہے اور میں تمہیں بھی درست راستے کی طرف بلاتا ہوں۔

فَقُمْ اِنْ شِئْتَ کَالْاَحْبَابِ طَوْعًا　　وَ اِمَّا شِئْتَ فَاجْلِسْ فِیْ الاَعَادِیْ

اگر تو چاہے تو دوستوں کی طرح (اپنی) خوشی سے اٹھ اور اگر چاہے تو تُو دشمنوں میں بیٹھا رہ۔

وَ قَدْ بَارَی الْعَدُوُّ بِعَزْمِ حَرْبٍ　　وَ بَارَزْنَا، فَیَا قَوْمِیْ بَدَادِ

اور بے شک دشمن لڑائی کے ارادے سے سامنے آ گیا اور ہم بھی مقابلے میں نکل کھڑے ہیں۔ پس اے میری قوم! میرے مدّ مقابل کو سامنے لا۔

وَ کَانَ نَصِیْحَةٌ لِلّٰهِ فَرْضِیْ　　فَقَدْ بَلَّغْتُ فَرْضِیْ بِالْوَدَادِ

اور خدا کے لیے نصیحت کرنا میرا فرض تھا اور میں نے اپنا فرض دوستانہ جذبات کے ساتھ پورا کر دیا ہے۔

میری خواہش ہے کہ اس مضمون کے اختتام پر اس موضوع کو مزید تقویت دینے کے لیے چند دیگر عنوانات کے تحت بھی امثال پیش کروں جہاں پر آپ حضرت نے تینوں زبانوں کے مختلف اور متنوع اسالیب کی پاسداری کرتے ہوئے کلام تخلیق کیا ہے۔ تا کہ ایسا ہو کہ ایک ہی مقام پر مختصرًا آپ حضرت کی قدرتِ کلام کا نمونہ پیش ہو جائے۔ اسی غرض کے لیے ہم نے آپ حضرت کے محرکاتِ تخلیقِ ادب کے موضوع کے تحت دو عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔

اول: محبت الٰہی

دوم: محبت قرآن کریم

اوّل عنوان کے تحت اردو میں بہت دلفریب انداز میں فرماتے ہیں۔

جو ہمارا تھا وُہ اب دلبر کا سارا ہوگیا　　آج ہم دلبر کے اور دِلبر ہمارا ہوگیا

شکر للہ! مل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل　　کیا ہوا گر قوم کا دل سنگِ خارا ہوگیا

فارسی زبان میں آپ کا حسن کلام مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں:

خاکساریم و سخن از رہِ غربت گویم　　یَعْلَمُ اللّٰہُ کہ بکس نیست غبارے مارا

ہم خاکسار ہیں۔ غریبانہ طور پر کلام کرتے ہیں اللہ جانتا ہے کہ ہمیں کسی سے عناد نہیں۔

ما نہ بیہودہ پئے ایں سرو کارے برویم جلوۂ حسن کشد جانبِ یارے مارا

ہم یہ کام بے کار طور پر نہیں کر رہے حسن کا جلوہ ہمیں اپنے دوست کی طرف کھینچ رہا ہے۔

عربی میں قلبی محبت الٰہی کا بیان دیکھیں۔

اَنْتَ الْمُرَادُ وَاَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِیْ وَ عَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَ رَجَائِیْ

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

اَعْطَیْتَنِیْ کَاْسَ الْمَحَبَّةِ رَیْقَهَا فَشَرِبْتُ رَوْحَاءً عَلٰی رَوْحَاءِ

تو نے مجھے محبت کی بہترین مَے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

اِنِّیْ اَمُوْتُ وَ لَا یَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ کَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِیْ فِیْ کُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْاِمْلَاءِ

تو ہی میری جان کا مقصود تھا۔ قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور تحریر میں۔

اردو میں قرآن کریم سے محبت کا انداز مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

شکرِ خُدا ئے رحماں! جِس نے دِیا ہے قرآں غنچے تھے سارے پہلے اَب گُل کھِلا یہی ہے

کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا گہنا دِلبر بہت ہیں دیکھے دِل لے گیا یہی ہے

فارسی زبان میں اس محبت کے اظہار پر نظر کریں۔

الغرض فرقاں مدارِ دینِ ماست اُو انیسِ خاطر غمگینِ ماست

الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے وہ ہمارے غمگین دل کو تسلی دینے والا ہے

نورِ فرقاں مے کشد سوئے خُدا مے تواں دیدن ازو رُوے خدا

فُرقان کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے۔ اس سے خدا کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں

ما چہ ساں بندیم زاں دلبر نظر! ہمچو رُوئے اُو کجا رُوئے دگر!

ہم اس معشوق سے اپنی آنکھیں کیونکر بند کر سکتے ہیں۔ اُس کے چہرہ جیسا خوبصورت اور کوئی چہرہ کہاں ہے

روئے من از نورِ روئے اُو بتافت یافت از فیضش دلِ من ہرچہ یافت

میرا منہ اُس کے منہ کے نور کی وجہ سے چمک اٹھا میرے دل نے جو کچھ بھی پایا اسی کے فیض سے پایا

اورعربی زبان میں قرآن کریم کی محبت کا دور جام دیکھیں۔

طَرِیٌّ طَلَاوَتُـهُ وَ لَمْ تَعْفُ نُقْطَةٌ     لِـمَا صَـانَـهُ الـلّٰـهُ الْـقَدِیْرُ الْمُوَقَّرُ

اس کی تروتازگی ہمیشہ ہی شاداب ہےاوراس کا ایک نقطہ بھی نہ مٹ سکا کیونکہ عزت بخش اورقدیر خدانے اس کی حفاظت فرمائی ہے

فَیَـاعَـجَبًـا مِّـنْ حُسْـنِهٖ وَ جَمَالِهٖ     اَرٰی اَنَّـــهُ دُرٌّ وَّ مِسْکٌ وَّ عَــنْبَـرُ

پس اس کا حسن اور جمال کیا ہی عجیب ہے۔ میں تو اس کوموتی۔کستوری اورعنبر ہی پاتا ہوں

وَ اِنَّ سُـرُوْرِیْ فِیْ اِدَارَةِ کَـأْسِهٖ     فَهَلْ فِی النَّدَامٰی حَاضِرٌ مَّنْ یُّکَرِّرُ

اورمیری خوشی تو اس کے پیالہ کوگردش میں لانے میں رہی ہے۔کیا ہم مجلسوں میں کوئی ہے جو بار بار لے؟

اس سے قبل میں بھی عرض کیا گیا ہے کہ آپ حضرت کا اسلوب شعری کا تین زبانوں کے اقدار ادب اور اساتذۂ شعر کے مطابق ہونے کا موضوع قدرے طویل اور مفصّل ہوگیا ہے۔مگر حضرت اقدس کے کلام کے محاسن پیش کرنے کے لیے یہ تقابلی تفصیل از بس ضروری تھی۔مگر اس تفصیل کا حقیقی اور محترم فائدہ تو یہ ہے کہ ایک حد تک یہ حقیقت بھی روشن ہوگئی کہ حضرت کا عربی کلام دراصل قرآن کریم کے اسلوب بیان اور انتخاب الفاظ کا اتباع ہے۔اور اِس حقیقت کو روشن کرنا ہی ہمارا اولین مقصد تھا یہ مقصد صرف موضوعاتِ شعر کے اتحاد کو بیان کر کے ہی حاصل ہوسکتا تھا۔عربی ہی ایسی زبان تھی جس میں آپ حضرت کا اتبّاع قرآن تمام ادبی اقدار کی روشنی میں ثابت کیا جاسکتا تھا۔یعنی

I۔ترجیحاتِ قلبی اورموضوعاتِ شعر میں اتبّاع۔

II۔اسلوبِ بیان میں اتبّاع۔

III۔انتخاب الفاظ اورمحاورہ زبان میں اتبّاع۔

ہمیں اُمید ہے کہ اس کوشش سے ایک حد تک تینوں مقاصد تحریر حاصل ہو گئے ہیں۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**

☆

# حضرت اقدسؑ کے ادب کے علائم ورموز

قبل میں بہت اختصار سے عرض کیا گیا تھا کہ لفظ کے دو معانی کیے جاسکتے ہیں۔ایک وضعی یا حقیقی اور ایک مجازی یعنی غیر حقیقی۔اگر بہت اختصار سے اس امر کی وضاحت کی جائے تو وہ ایسے ہے کہ ''لفظ'' کے وہ معانی بھی کیے جاسکتے ہیں جن کے لیے وہ اوّل مقام پر وضع کیا گیا ہے اور اُن معانی میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جن کے لیے وہ حقیقی طور پر بنایا نہیں گیا، ان معنوں کو مجازی معانی کہتے ہیں۔

''لفظ'' کا یہ مفہوم دراصل علامتی مفہوم ہے۔گویا کہ ''مجاز'' لفظ کے معانی میں تجاوز کا نام ہے۔یہ بھی کہا گیا تھا کہ شعری ادب کی دنیا میں لفظ کی دلالتوں اور معانی کو وسعت دینے کے لیے شعر میں اکثر و بیشتر لفظ کو مجازی یا معانئ مستعار کے اظہار کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

اس عمل کو ادبی انتقاد میں شعر کے علائم اور رموز کہتے ہیں۔''رموز'' رمز کی جمع ہے جو کہ پوشیدہ اشارے اور کنائے سے تعبیر ہے اور ''علائم'' علامت کی جمع ہے جس سے ادب میں معانئ مستعار مراد ہوتے ہیں۔

''لفظ'' کی اس دورنگی کو غاؔلب نے بہت ہی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

یعنی محبوب کے ناز و ادا سے جو کیفیت دل کی ہوتی ہے اس کو تیر اور خنجر لگنے کی کیفیت کے سوا کیسے بیان کیا جاسکتا ہے اور جب سالکِ راہ کو وصالِ باری تعالیٰ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ اس وجدانی کیفیت کو اس طور ہی سے کہے گا کہ محبوبِ حقیقی نے مجھے جامِ وصال پلا کر مدہوش کر دیا ہے۔

حضرت اقدس نے بھی اس شعری ضرورت کی پاسداری کرتے ہوئے ''لفظ'' کے مجازی معانی کو اختیار فرمایا ہے۔کس قدر خوبصورت فرمان ہے ؎

احمدِ آخر زماں نامِ من است　　　　آخریں جامے ہمیں جامِ من است

ترجمہ: احمد آخر زمان میرا نام ہے (اور بادۂ معرفت کا) آخری جام میرا ہی جام ہے۔

اورقرآن کریم سے حصول عرفان باری تعالیٰ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اُوست　　　بادۂ عرفانِ ما از جام اُوست

ترجمہ: یہ خدا کی کتاب جس کا نام قرآن ہے میرے عرفان کی مے اسی جام سے ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کے بیان میں فرماتے ہیں:

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مُدام

دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

فارسی اوراردو کے اشعار پیش ہوئے ہیں تو عربی کا فرمان بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

اَنْتَ الْمُرَادُ وَ اَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِیْ　　　وَ عَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِی وَ رَجَائِی

ترجمہ: تو ہی میری مراد ہے اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے

اَعْطَیْتَنِیْ کَاْسَ الْمَحَبَّةِ رَیْقَهَا　　　فَشَرِبْتُ رُوْ حَاءً عَلٰی رُوْحَاءِ

ترجمہ: تو نے مجھے محبت کی مے کا بہترین ساغر عطا کیا ہے تو پھر میں نے جام پر جام پیا ہے۔

دیکھ لیں غالب نے کتنی درست بات کہی ہے

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

بات یہ ہورہی تھی کہ شعری ادب میں ''لفظ'' کی مجازی علامتوں اور اشاروں سے مدد نہ لی جائے تو کیفیاتِ قلبی کا حسین اور دلنشین انداز میں اظہار ممکن نہیں ہوتا اور اسی ادبی عنصر کا نام مجاز ہے اس لیے ہر قابل ذکر شاعر نے اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کامل کے لیے لفظی دلالتیں اور اشارے مقرر کیے ہیں تا کہ شعر کو سُن کر یہ کہا جا سکے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ہماری خواہش ہے کہ حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ میں آپ حضور نے جو الفاظ معانی مستعار یا علامات کے طور پر اختیار کیے ہیں ان کا ایک مختصر سا تصوّر پیش کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ایسے رموز وعلائم تو بہت ہیں مگر زیرنظر

کوشش ان تمام الفاظ کا جائزہ لینے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غالب کی طرح سے آپ کے علامتی الفاظ کے دوشعبے بنادیے جائیں ایک روحانی اور دینی علامات کا اور دوسرا خالص ادبی علامات کا۔اور پھران دونوں شعبوں میں چند ایک پیشِ خدمت کیے جائیں اور نہایت اختصار سے بیان کیا جائے کہ حضرت اقدس نے ان الفاظ کو کن معانی اور مطلب کے اظہار میں اختیار کیا ہے۔مگراس کوشش سے یہ مراد نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ ان الفاظ کی وہی دلالتیں ہیں جو ہم نے پیش کی ہیں۔کیونکہ ہرصاحبِ نظرادیب ادبِ عالیہ کے رموز کو ذاتی شعورِادبی کے مطابق سمجھنے اور لطف اٹھانے میں آزاد ہوتا ہے۔تاہم ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم آپ حضرت کے علامتی معانی کو آپ ہی کے اشعار کی روشنی میں ثابت کریں اور یہ بھی کہ جس مقام پر حضرت اقدس قرآن کریم کے اتبّاع میں معانی کررہے ہیں۔ وہاں پر قرآن کریم کا حوالہ بھی دے دیا جائے۔

روحانی رموز اور علائم کے تحت ہم نے دو الفاظ انتخاب کیے ہیں۔

اوّل ''لفظ نُور''اور

دوم''لفظ صدق''

ادبی رموز و علائم کے تحت بھی دو الفاظ انتخاب کیے گئے ہیں۔

اول۔بہاراور

دوم کربلا،گریبان اور جیب

# روحانی علائم و رموز

## نُور

نور ایک عربی لفظ ہے جس کے مشہور عام معانی روشنی کے ہیں۔ حضرت اقدس نے اس لفظ کو بہت سے معنوں میں اختیار کیا ہے اور ان تمام معانی اور دلالتوں کی خوبی یہ ہے کہ یہ سب قرآن کریم سے ماخوذ ہیں۔

اوّل قدم پر آپ حضور نے قرآن کریم کے فرمان اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:36) کے اتباع میں خدا تعالیٰ کو اس نام سے پکارا ہے۔

فارسی میں اللہ تعالیٰ کو نہایت درجہ محبت سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

اے دلبرو دلستان و دلدار　　　و اے جانِ جہان و نورِ انوار

ترجمہ: اے دلبر دلستان اور دل دار۔ اے جہان کی جان اور نوروں کے نور

از یادِ تو نورہا بہ بینم　　　در حلقۂ عاشقانِ خوں بار

ترجمہ: تیرے ذکر کی برکت سے میں انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں۔

اردو میں فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

اور فرماتے ہیں:

نُورِ فرقاں ہے جو سب نُوروں سے اجلٰی نکلا
پاک وہ جس سے یہ اَنوار کا دریا نکلا

عربی میں فرماتے ہیں:

وَمَا غَیْرُ بَابِ الرَّبِّ اِلَّا مَذَلَّۃٌ　　　وَمَا غَیْرُ نُوْرِ الرَّبِّ اِلَّا تَکَدُّرُ

ترجمہ: ربّ کے دروازہ کے سوا باقی سب ذلت ہے اور ربّ کے نور کے سوا باقی سب ظلمت ہے۔

مشاہدہ کریں ”اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ اور ”نور انوار“ اور ”مبداء الانوار“ میں باہم کس قدر اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کو ”نور“ کا نام دیا ہے۔ حضرت اقدس اس آیت کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”خدا اصل نور ہے۔ ہر ایک نور زمین اور آسمان کا اُسی سے نکلا ہے“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

چنانچہ حضرت اقدس نے اوّل قدم پر ''نور'' کا لفظ خدا تعالیٰ کی ہستی کے لیے اختیار کیا اور پھر اس ہستی سے جو انوار کا دریا نکلا ہے اس میں اوّل نام اور اشارہ ہمارے پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار اور دیگر تمام انبیاء کا ہے اور پھر قرآن کریم کے عرفان کے دریا کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدة: 16)

اور فرمایا:

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب: 47)

حضرت اقدس ''نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ظلمانی زمانے کے تدارک کے لیے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نور آتا ہے وہ نور اس کا رسول اور اُس کی کتاب ہے''۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت المائدۃ:16)

اور سراجًا منیرًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''انبیاء سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو کثرت اور کمال سے نُورِ باطنی عطا ہوا ہے''۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت الاحزاب:47)

قرآن کریم کے فرمودات ہی کے اتّباع میں حضرت اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

**وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا**
**نام اُس کا ہے مُحَمَّدؐ دِلبر مِرا یہی ہے**

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے۔ بدرُ الدُّجیٰ یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مُرسلیں ہے
وہ طیّب واَمیں ہے اُس کی ثناء یہی ہے

**اُس نور پر فدا ہوں اس کا ہی مَیں ہوا ہوں**
**وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے**

اورفرماتے ہیں:

نورلائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے

قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

اور دیگر تمام انبیاء کے بارے میں فرمایا کہ ''وہ بھی حامل نور تھے''۔

ہمچنیں مے داں مقامِ انبیاء واصلان و فاصلاں از ما سواء

ترجمہ: انبیاء کے مقام کی یہی مثال ہے واصل باللہ ہیں خدا کے غیر سے لاتعلق ہیں

**فانی اند و آلۂ ربّانی اند نورِ حق در جامۂ ربّانی اند!**

ترجمہ: وہ فانی فی اللہ ہیں اور خدا کا ہتھیار ہیں انسانی لباس میں خدا کا نور ہیں

**کس زِ قدرِ نورِ شاں آگاہ نیست زآنکہ ادنیٰ را بہ اعلیٰ راہ نیست**

ترجمہ: کوئی ان کے نور کی قدر سے آگاہ نہیں کیونکہ ادنیٰ کو اعلیٰ تک رسائی نہیں

اورفرماتے ہیں:

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہرِ انورے

ترجمہ: ہر رسول سچائی کا سورج تھا ہر رسول منور سورج تھا

آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متحد در ذات و اصل و گوہرے

ترجمہ: یہ سب ایک سیپی کے سو موتی ہیں جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں۔

**انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمد زاں ہمہ روشن ترے**

ترجمہ: تمام انبیاء روشن فطرت رکھنے والے ہیں مگر احمدؐ ان سب سے زیادہ روشن ہے

اس مضمون میں اس حدیث کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری سب سے محترم اور محبوب ماں یعنی حضرت آمنہ بی بی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کشفاً دیکھا تھا کہ ایک نور اُن کے بطن سے نکلا ہے جس نے شام کے محلات روشن کر دیے ہیں۔

**(مشکوٰۃ باب فضائل رسول صلعم)**

اور ایک عظیم الشان شعر یہ بھی تو ہے۔

فرماتے ہیں:

**محمدؐ مہیں نقشِ نورِ خداست کہ ہرگز چنوئے بگیتی نخاست**

محمدؐ خدا کے نور کا سب سے بڑا نقش ہیں ان جیسا انسان دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا

اس شعر کے مضمون میں بہت ہی خوبصورت کلام ہے فرماتے ہیں:

**تانہ نورِ احمد آید چارہ گر!　　کس نمے گیرد زِ تاریکی بدر!**

ترجمہ: جب تک احمد کا نور چارہ گر نہ ہو تب تک کوئی تاریکی کے لیے چاند نہیں نکل سکتا۔

**از طفیل اُوست نورِ ہر نبی　　نامِ ہر مُرسل بنامِ اُو جَلی**

ترجمہ: ہر نبی کا نور آپ کے طفیل ہے ہررسول کا نام اس کے نام سے روشن ہے۔

عربی میں فرماتے ہیں:

**نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَ الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا**

**اَلْمُصْطَفٰی وَ الْمُجْتَبٰی وَ الْمُقْتَدٰی وَ الْمُجْتَدَا**

ترجمہ: وہ اللہ کا نور ہے جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ وہ برگزیدہ اور چنیدہ ہے اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے۔

لفظ نور کے علامتی اشاروں میں تیسرا اہم اشارہ قرآن کریم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء: 175)

حضرت اقدس اس آیت کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے لوگو قرآن ایک بُرہان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہے اور کھلا کھلا نور ہے۔ جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔" (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کے ہی اتباع میں فرماتے ہیں:

**وَ مَا اَدْرَاكَ مَا الْقُرْآنُ فَيْضًا　　خَفِيْرٌ جَالِبٌ نَحْوَ الْجَنَانِ**

ترجمہ: اور تو کیا جانتا ہے کہ قرآن فیض کے اعتبار سے کیا ہے؟ وہ ایک راہبر ہے جو بہشت کی طرف کھینچتا ہے۔

**لَهٗ نُوْرَانِ نُوْرٌ مِّنْ عُلُوْمٍ　　وَ نُوْرٌ مِّنْ بَيَانٍ كَالْجُمَانِ**

ترجمہ: اس میں دو نور ہیں ایک علوم کا نور اور دوسرا فصاحت اور بلاغت کا نور جو چاندی کی طرح چمکتا ہے۔

اور نُوْرًا مُّبِيْنًا کے مطابق فرماتے ہیں:

**وَ كُلُّ النُّوْرِ فِی الْقُرْآنِ لٰكِنْ　　يَمِيْلُ الْهَالِكُوْنَ اِلَى الدُّخَانِ**

ترجمہ: تمام اور ہر ایک قسم کے نور قرآن میں ہیں مگر مرنے والے دھوئیں کی طرف دوڑتے ہیں۔

بِـہٖ نِـلْـنَـا تُـرَاثَ الْـکَـامِلِیْنَا　　　بِـہٖ سِـرْنَـا اِلٰی اَقْـصَی الْمَعَانِیْ

ہم نے اس کے ذریعہ سے کاملوں کی وراثت پائی۔ ہم نے اس وسیلہ سے حقائق کے اخیر تک سیر کیا۔

اور اردو میں فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

اور فرماتے ہیں:

اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں　　　حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں　　　اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں

اور پھر اس نور کا حقیقی منصب مشاہدہ کریں

فرماتے ہیں:

ہے شکر ربِّ عزّوجلّ خارج از بیان
جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
پر یہ کلام نورِ خدا کو دکھاتا ہے
اس کی طرف نشانوں کے جلوہ سے لاتا ہے
قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

فارسی زبان میں دیکھیں کس قدر شان سے اور کیسے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں:

**از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ　　بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ**

ترجمہ: قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوئی اور دلوں کے غنچوں پر بادصبا چلنے لگی۔

**ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد　　وایں دلبری و خوبی کس در قمر نہ دیدہ**

ترجمہ: ایسی روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندی میں بھی نہیں۔

**اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی　　تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ**

ترجمہ: اے کان حسن میں جانتا ہوں کہ تو کہاں سے آئی ہے تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی ہیں۔

**میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس　　زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ**

ترجمہ: مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس فریاد سننے والے خدا کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

از وحیِ خدا صبحِ صداقت بدمیدہ　　چشمے کہ ندیدآں صُحفِ پاک چہ دیدہ

ترجمہ: خدا کی وحی سے صبحِ صداقت روشن ہوگئی جس آنکھ نے یہ صحفِ پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔

**آں دیدہ کہ نُورے نگرفت است زِ فرقاں　　حقّا کہ ہمہ عمر زِ کوری نہ رہیدہ**

جس آنکھ نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم کہ وہ ساری عمر اندھے پن سے رہائی نہیں پائے گا

اور فارسی میں قرآن کریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامت ''نُور'' کے چند اور معانی بھی مشاہدہ کرلیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کے نور سے مراد اوّل صداقت کا چراغ ہے دوم رہبر و رہنما ہے۔نعمت اور رحمتِ خداوندی ہے اور خدا کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں نہ تافت است چناں　　کہ بماندے نہاں زِ دیدہ وراں

ترجمہ: قرآن کا نور اس طور سے نہیں چمکتا کہ دیکھنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔

آں چراغِ ہُداست دُنیا را　　رہبر و رہنماست دنیا را

ترجمہ: وہ تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے وہ جہان بھر کے لیے رہبر و راہنما ہے۔

مخزنِ راز ہائے ربّانی از خدا آلۂ خدا دانی

ترجمہ: وہ خدا کے اسرار کا خزانہ ہے خدا کی طرف سے خدا شناسی کا آلہ ہے

اس مقام تک ہم نے حضرت اقدس کے کلام کی علامت نور کو اس ترتیب سے پیش کیا ہے کہ اوّل نور سے مراد ہستیٔ باری تعالیٰ ہے اور دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء و مرسلین ہیں۔ اور سوم قرآن کریم ہے۔ اور ان تمام علامتی استعاروں کو اختیار کرنے کی تصدیق اور توثیق کے لیے قرآن کریم کے فرمودات کو پیش کیا گیا ہے تا کہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ حضرت اقدس نے اس علامت کو از خود انتخاب نہیں کیا بلکہ یہ انتخاب قرآن کریم سے ماخوذ ہے اور کامل اتبّاع قرآن ہے۔

اس تسلسل بیان میں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ یہ نور جو کہ نور کے حقیقی منبع یعنی باری تعالیٰ عزّ شانہ کی ہستی سے نکلا ہے دراصل عرفان باری تعالیٰ اور اس کی محبت کا نور تھا جو ہمارے آقا اور پیشوا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ سے انسان کے قلب و نظر کو منور کرنے کے لیے ایک دریائے نور کی طرح جاری ہوا اور اپنی نورانی امواج میں تمام انبیاء اور صلحاء کو منور کرتا ہوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و روح پر تکمیل پذیر ہوا۔

جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدۃ:4)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے فائدہ کے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

اس نور کے سفر کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''کُنۡتُ نَبِیًّا وَالۡاٰدَمُ بَیۡنَ الۡمَآءِ وَالطِّیۡنِ''

ترجمہ: میں اسوقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ جسم اور روح کے درمیان تھا۔

اس فرمان نبویؐ کے معنوں میں حضرت فرماتے ہیں:

روحِ او در گُفتنِ قولِ بلٰی اوّل کسے آدمِ توحید و پیش از آدمش پیوندِ یار

ترجمہ: قول بلٰی کہنے میں آپ کی روح سب سے اوّل ہے۔ آپ توحید کے آدم ہیں اور آدم سے پہلے آپ کا خدا سے پیوند تھا۔

اور فرماتے ہیں:

آں شہِ عالم کہ نامش مصطفیٰ　　　سیّدِ عشاقِ حق شمس الضُّحیٰ

ترجمہ: وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰ ہے جو عاشقانِ الٰہی کا سردار اور چمکتا ہوا سورج ہے

آنکہ ہر نُورے طفیلِ نورِ اوست　　　آنکہ منظورِ خدا منظورِ اُوست

ترجمہ: وہ وہ ہے کہ ہر نور اسی کے طفیل سے ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے۔

آنکہ جملہ انبیاء و راستاں　　　خادمانش ہمچو خاکِ آستاں

ترجمہ: وہ کہ تمام انبیاء اور راست باز لوگ خاک در کی طرح سے اس کے خادم ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس دریائے نور کا آخری قیام وہی تھا جہاں پر اس نے ہمارے آقا اور پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ صافی کے سمندر میں گرنا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس نور کے سمندر کا آخری تموج ایک اور بھی تھا جس کو اس نے۔

وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ (الجمعة:4)

کے فرمان میں بیان کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی کی ایک تجلّیٔ عظیم ہوگی۔ اور آپ ہی کے طفیل آپ کے نور کی ضَو فشانی ہوگی اور ایسی ہوگی کہ گویا کوئی اور نہیں بلکہ آپؐ ہی تشریف لے آئے ہیں۔

یہ تجلّی مہدیٔ آخر زمان اور مسیح دوران کی ہے جیسا کہ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

ہست اُو خیر الرّسل خیر الانام　　　ہر نبوّت را برو شد اختتام

ترجمہ: وہ خیر الرسل اور خیر الانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اس پر ہو چکی ہے۔

آنچہ مارا وحی و ایمائے بود　　　آں نہ از خود از ہماں جائے بود

ترجمہ: جو وحی اور الہام ہم پر نازل ہوتا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　　من بعرفاں نہ کمترم زِ کسے

ترجمہ: انبیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

وارثِ مصطفیٰ شدم بہ یقیں          شدہ رنگیں بہ رنگِ یار حسیں

ترجمہ: میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اوراس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں۔

لیکن آئینہ اَم زِ ربِّ غنی          از پئے صورتِ مَہِ مدنی

لیکن میں ربِّ غنی کی طرف سے آئینہ کی طرح ہوں۔اس مدنی چاند کی صورت لوگوں کو دکھانے کے لیے۔

مشاہدہ کریں۔آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے تمام روحانی منصب آپ کے نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔آپ ان کے رخ انور کا آئینہ ہیں اور آپ ان کے انوار کے وارث ہیں۔یہ اتحاد اور الحاق اللہ تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے اس لیے آپ حضرت کی روحانی تجلیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تجلیات ہیں۔

فرماتے ہیں:

مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

اوراس حصولِ نُور کے بعد فرماتے ہیں:

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

اور فرماتے ہیں:

آ ؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے!!
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

اور نثر میں نہایت درجہ یقین اور جلال سے فرماتے ہیں:

''مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔''

(کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد19 صفحہ 61)

اور آخر پر آپ حضرت وقت کی بے دینی اور بے راہ روی کو بیان کرکے اپنی بعثت کی غرض و غایت بیان

کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

اندریں روز ہائے چوں شبِ تار    دست گیرد عنایتِ داوار

ترجمہ:ایسے دنوں میں جواندھیری رات کی طرح ہوتے ہیں خدائے عادل کی مہربانی لوگوں کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔

مے فرستد بخلق صاحبِ نُور    تا شود تیرگی زِ نُورش دور

ترجمہ:وہ خلقت کی طرف ایک نورانی وجود بھیجتا ہے تاکہ اس کے نور سے اندھیرا دور ہو۔

حضرت اقدس کے کلام میں علامت نُور کی نشاندہی قدرے تفصیلی ہوگئی ہے۔ایسا اس لیے ہوا کہ حضرت اقدس نے اس علامت کو تمام روحانی مناصب اور روحانی تجلّیات کے اظہار کیلیے اختیار فرمایا ہے۔اس لیے تفصیل ناگزیر تھی۔گزشتہ میں اس علامت کے بنیادی اور اہم اشارے بتادیے گئے ہیں۔عمومی طور پر فرمانِ قرآن سن لیں۔

 (الحدید:29)

اس فرمان سے لفظ نور کی علامتی وسعت کا اندازہ لگالیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں:

**”تمہیں ایک پاک نور عطا کیا جائیگا جو تمہارے غیر میں ہرگز نہیں پایا جائے گا۔یعنی نورِالہام اورنورِاجابتِ دعا اورنورِکراماتِ اصطفاء“**

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

☆

## صدق

دوسرا لفظ جو حضور سیدی نے اپنے کلام میں علامت اور استعارے کے طور پر اختیار کیا ہے وہ 'صدق' ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ روحانی نظام میں:

اوّل مقام پر اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے۔

اور دوسرے مقام پر اس نور کی تجلی ہے جو صدق کامل ہے اور خدا کے کلام اور انبیاء کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ (الزمر:33)

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اپنی طرف خدا کی جناب سے آنے والے صدق کو جھٹلائے۔

اللہ تعالیٰ نے اوّل اپنی ذات کو صدق کامل کہا اور پھر اپنے کلام کو اور اس کے بعد آنے والی آیت میں قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر تمام مرسلینِ باری تعالیٰ کو اسی بنا پر ہی صدیق کا لقب دیا کہ وہ باری تعالیٰ کے صدقِ کامل کی تصدیق کرنے والے ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النساء: 123)

ترجمہ: اپنے بیان میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کون سچا ہوسکتا ہے؟

فرمایا:

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر:34)

ترجمہ: اور وہ جو خدا کی طرف سے سچی تعلیم لے کر آئے یعنی آنحضرتؐ اور جو اس تعلیم کی تصدیق کرے ایسے لوگ ہی متقی ہوتے ہیں۔

مرسلینِ باری تعالیٰ حقیقت میں فرمودات باری تعالیٰ کے مصدقین ہی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین خدا کو اوّل متقی قرار دے کر اور اُن کی قرارگاہ کو ''مقعد صدق'' کہا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر:55-56)

حضرت اقدس ''فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ '' کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''صدق کی نشست گاہ میں بااقتدار بادشاہ کے پاس''
(دیکھو حضرت اقدس زیر آیت)

''صدق'' کی نشست گاہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو مجھے یاد آیا کہ خاکسار نے ایک مقالے میں انبیاء کے صدق کے تعلق میں دو اشعار پیش کئے تھے ان کی عظمت کی یاد میں اُس اقتباس کو دوبارہ پیش کرتا ہوں

اوّل شعر تو اُس دہن مبارک سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے'' صَـدَّقَ بِـهٖ '' کے القاب سے نوازا ہے اور اپنی ہستی اور اپنے نبیوں کے سردار اور اپنی کتاب کے صدق کو ثابت کرنے کے لیے مبعوث کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعر میں حریم قدس کے پردوں کی سرسراہٹ ہے۔ صداقتِ عظمیٰ کا جلال اور جمال ہے اور ایسی شانِ محبوبی ہے کہ اپنے حسن و جمال کی آپ ہی دلیل اور آپ ہی مثال ہے۔

فرماتے ہیں:

**من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم**
**دستش محافظ است زِ ہر بادِ صرصرم**

ترجمہ: میں وہ چراغِ صداقت ہوں جو کہ حریم قدس میں روشن کیا گیا ہے میری ضیاء پاشی کی بادِ صرصر سے حفاظت خود خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر رہا ہے۔

ایک شعر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ہے۔ صادق اور مصدق کے عنوان میں ایسا بیان نہ کبھی پہلے ہوا ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ عظیم الشان شعر ہے۔ ہر لفظی اور معنوی خوبی کا حامل اور میری ناقص رائے میں آپ کے اشعار کا حاصلِ کلام۔

فرماتے ہیں:

**یا صدقِ محمدؐ عربی ہے یا احمدؑ ہندی کی ہے وفا**
**باقی تو پرانے قصے ہیں زندہ ہیں یہی افسانے دو**

حریم قدس کے چشم و چراغ ہونے کے منصب عالی کی نسبت سے خاکسار نے بھی ایک شعر آپ حضرت کی نذر کیا ہے۔

اُسی شمعِ حریمِ قدس سے روشن چراغ اپنا
اُسی سے میرے قلب وجاں کی ہر تنویر کا رشتہ

صدق کے لفظ کا حقیقی شعور ہمیں پیارے مسیح دوراں کی جناب ہی سے ملا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

''سب سے بڑا صدق لا الہ الا اللہ ہے اور پھر دوسرا صدق محمد رسول اللہ ہے''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 342۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''صدقِ مجسم قرآن شریف ہے اور پیکر صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے مامور و مرسل حق اور صدق ہوتے ہیں''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 243۔جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اس حقیقت کو بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ حضرت کو 'صدق' کا منصب اللہ کی طرف سے خاص عنایت کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔

آپ حضرت کا الہام ہے:

یَا اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ. فَنَفَخْتُ فِیْکَ مِنْ لَّدُنِّیْ رُوْحَ الصِّدْقِ.

ترجمہ: اے احمد! تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجاتِ حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 55۔مطبوعہ 2004ء)

یہ وہ صدق کی روح ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے احسانِ بے پایاں سے مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو دی جو کہ قرآنی فرمان کے مطابق وَ آخَرِیْنَ مِنْھُمْ کی جماعت ہے اور یہی وہ جماعت ہے جن کے ایمان بر رسالتِ نبی اکرمؐ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت محبت سے دیکھا ہے اور ان کو اپنا بھائی کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا اے لوگو ایمان کے لحاظ سے سب سے عجیب مخلوق کون سی ہے؟ صحابہؓ نے کہا نبی۔ تو فرمایا وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ اُن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر صحابہؓ نے کہا آپؐ کے صحابہؓ۔ تو فرمایا میرے صحابہؓ کیسے ایمان نہ لائیں۔ ایمان کے لحاظ سے عجیب قوم وہ ہے جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے اور میری تصدیق کریں گے۔ حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ میرے بھائی ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 12 صفحہ 87 حدیث نمبر 12560)

ان معنوں میں حضرت اقدسؑ نے کس قدر خوبصورتی سے فرمایا ہے:

بیامدم کہ رہے صدق را درخشانم
بدلستاں برم آں را کہ پارسا باشد

ترجمہ: میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور جو بھی نیک اطوار ہے اس کو اُس کے محبوب تک پہنچا دوں

بیا مدم کہ درِ علم و رشد بکشائم
بخاک نیز نمایم کہ در سما باشد

میں اس لیے آیا ہوں تا کہ علم اور ہدایت کا دروازہ کھولوں اور اہل زمین کو وہ چیزیں دکھاؤں جو آسمان میں ہیں۔

اس مقام تک ہم نے قرآنِ کریم کی سند سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ صدق کو

اول: اپنی ذات عزّ و جلّ

دوم۔رسول اکرم (فِداہُ اَبِی وَ اُمِّی) صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام کے لیے

سوم۔قرآن کریم کے لیے اختیار فرمایا ہے اور

چہارم۔تمام مومنوں کو صِدّیق کے لقب سے نوازا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (الحدید: 20)

حضرت اقدسؑ اس آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ’’جو لوگ خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لائے وہی ہیں جو خدا کے نزدیک صدّیق ہیں۔‘‘ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دراصل ’نور‘ اور ’صدق‘ کے الفاظ کو قرآن کریم اور حضرت اقدس نے ہم معنی علامت کے طور پر اختیار کیا ہے۔ کیونکہ صدقِ کامل ہی کا نام نور ہے اور الٰہی تجلّیات نور ہی ہوتی ہیں۔تاہم صدق کے لفظ میں ایک اشارہ دلیری اور وفا اور استقامت کی طرف بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب:24)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’خدا کے مُرسلین اور مامورین کبھی بزدل نہیں ہوا کرتے بلکہ سچے مومن بھی بُزدل نہیں ہوتے۔بزدلی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔صحابہ رضی اللہ عنھم پر مصیبتوں نے بار بار حملے کیے مگر انہوں نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی۔خدا تعالیٰ اُن کی نسبت فرماتا ہے فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا یعنی جس ایمان پر انہوں نے کمر ہمت باندھی تھی اس کو بعض نے تو نبھادیا اور بعض منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور سُرخرو ہوں اور

انہوں نے کبھی کم ہمتی اور بزدلی نہیں دکھائی۔‘‘
(تفسیر حضرت اقدس الاحزاب:24)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے کلام میں صدق کی علامت کو کامل طور پر صرف قرآن کریم کے اتباع میں اختیار کیا ہے۔آپ تمام انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتابِ صدق کہتے ہیں۔

فرمایا:

**ہر رسولے آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہرِ انورے**

ترجمہ:ہر رسول سچائی کا سورج تھا۔ہر رسول نہایت روشن آفتاب تھا

آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متحد در ذات و اصل و گوہرے

ترجمہ:وہ سب ایک سیپی کے سو موتی ہیں جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں

انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے

ترجمہ:تمام نبی روشن فطرت رکھنے والے ہیں مگر احمدؐ اُن سب سے زیادہ روشن ہے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق کا عاشق بھی کہتے ہیں

**عاشقِ صدق و سداد و راستی دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے**

وہ صدق سچائی اور راستی کا عاشق ہے مگر کذب و فساد اور شر کا دشمن ہے

آپ حضرت دوسرے درجے پر اپنی ماموریت کو’’صدق‘‘ کی تجلی کا نام دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

**کمالِ پاکی وصدق وصفا کہ گم شدہ بود دوبارہ از سخن و وعظِ من بپا باشد**

پاکیزگی اور صدق کا کمال جو معدوم ہوگیا تھا وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وحیِ کبریا باشد

اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو کیونکہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

بشنوید اے طالباں کز غیب بکنند ایں ندا مُصلحے باید کہ در ہر جا مفاسِد زادہ اند

اے طالبو! سنو غیب سے یہ آواز آرہی ہے کہ ایک مصلح درکار ہے کیونکہ ہر جگہ فساد پیدا ہوگئے ہیں۔

**صادقم و از طرفِ مولیٰ با نشانہا آمدم صد درِعلم وہدیٰ بر روئے من بکشادہ داند**

میں صادق ہوں اور مولیٰ کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں علم و ہدایت کے سینکڑوں در مجھ پر کھولے گئے ہیں

آسماں بارد نشاں اَلوقت میگوید زمیں ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من استادہ اند

آسماں سے نشان برس رہے ہیں اور زمین کہہ رہی کہ یہی وقت ہے یہ دو گواہ میری تصدیق کی خاطر کھڑے ہیں

اور عربی میں فرماتے ہیں۔

وَ لِلّٰہِ اَسْرَارٌ بِعَاشِقِ وَجْھِہٖ فَسَلْ مَنْ یُشَاھِدُ بَعْضَ ھٰذَا التَّعَلُّقِ

اور خدا کو اس کے عاشق کے ساتھ بھید ہیں۔ پس اُس شخص سے پوچھ جو اس سے تعلق رکھنے والا ہے۔

لِحِبِّیْ خَوَاصٌ فِی الْوِصَالِ وَ فُرْقَۃٍ فَفِی الْقُرْبِ یُحْیِیْنِیْ وَ فِی الْبُعْدِ یُوْبِقُ

میرے دوست کے لیے وصال اور جدائی میں خواص ہیں۔ پس وہ قرب میں زندہ کرتا ہے اور دوری میں ہلاک کرتا ہے

وَ اُعْطِیْتُ عَلَمَ الْفَتْحِ عَلَمُ مُحَمَّدٍ وَ اُعْطِیْتُ سَیْفًا جَزَّ اَصْلَ التَّخَلُّقِ

اور میں فتح کا جھنڈا، جو آنحضرتؐ کا جھنڈا ہے، دیا گیا ہوں اور میں وہ تلوار دیا گیا ہوں جس نے جڑ دروغگوئی کی کاٹ دی

فَتِلْکَ عَلَامَاتٌ عَلٰی صِدْقِ دَعْوَتِیْ فَاِنْ کُنْتَ تَطْلُبُھَا فَفَتِّشْ وَ عَمِّقْ

پس میرے صدق دعوی پر یہ علامتیں ہیں پس اگر تُو ان علامتوں کو طلب کرتا ہے پس تفتیش کر اور سوچ

اور فرماتے ہیں:

اِنِّیْ صَدُوْقٌ مُصْلِحٌ مُتَرَدِّمٌ سَمٌّ مُعَادَاتِیْ وَ سِلْمِیْ اَسْلَمُ

میں صادق اور مصلح ہوں میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے۔

اِنِّی اَنَا الْبُسْتَانُ بُسْتَانُ الْھُدٰی تَاْتِیْ اِلَیَّ الْعَیْنُ لَا تَتَصَرَّمُ

میں باغ ہدایت ہوں میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔

آپ حضرت قرآن کریم کو صبح صداقت کا لقب دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

اَز وحیِ خدا صبحِ صداقت بدمیدہ چشمے کہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیدہ

خدا کی وحی سے صبح صداقت روشن ہوگئی ہے جس آنکھ نے یہ صحف پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا

آں دیدہ کہ نُورے نگرفت است زِ فرقاں حقّا کہ ہمہ عمر زِ کوری نہ رھیدہ

وہ آنکھ جس نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہ پائے گی

خدا کی راہ میں صبر واستقامت اور وفا دکھانے کے معنوں میں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ’’صدق‘‘ کی علامتی تعریف فرمادی۔ آپ حضرت کے الہام خداوندی میں اس مضمون پر بہت ہی خوبصورت اور دلربا اشعار ہیں۔

صادق آں باشد کہ ایّامِ بلا　　　میگذارد بامحبت باوفا

خدا کی نظر میں صادق وہ ہوتا ہے جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گزارتا ہے

گر قضاء را عاشقے گردد اسیر　　　بوسد آں زنجیر را کز آشنا

اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو

(تذکرہ صفحہ 255۔ مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت صحابہ کرام کی وفا اور استقامت کو صدق کا نام دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّحَابَةَ کُلُّھُمْ کَذُکَاءِ　　　قَدْ نَوَّرُوْا وَجْهَ الْوَرٰی بِضِیَاءِ

یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا

تَرَکُوْا اَقَارِبَھُمْ وَ حُبَّ عِیَالِھِمْ　　　جَاءُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَالْفُقَرَاءِ

انہوں نے اپنے اقارب کو اور عیال کی محبت کو بھی چھوڑ دیا اور رسول اللہ کے حضور میں فقراء کی طرح حاضر ہو گئے

ذُبِحُوْا وَ مَا خَافُوْا الْوَرٰی مِنْ صِدْقِھِمْ　　　بَلْ آثَرُوْا الرَّحْمٰنَ عِنْدَ بَلَاءِ

وہ ذبح کیے گئے اور اپنے صدق کی وجہ سے مخلوق سے نہ ڈرے بلکہ مصیبت کے وقت انہوں نے خدائے رحمٰن کو اختیار کیا

تَحْتَ السُّیُوْفِ تَشَھَّدُوْا لِخُلُوْصِھِمْ　　　شَھِدُوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ فِی الْاَمْلَاءِ

اپنے خلوص کی وجہ سے وہ تلواروں کے نیچے شہید ہو گئے اور مجالس میں انہوں نے صدقِ قلب سے گواہی دی

حَضَرُوا الْمَوَاطِنَ کُلَّھَا مِنْ صِدْقِھِمْ　　　حَفَدُوْا لَھَا فِیْ حَرَّةٍ رَجْلَاءِ

اپنے صدق کی وجہ سے وہ تمام میدانوں میں حاضر ہو گئے۔ وہ ان میدانوں کی سنگلاخ سخت زمین میں جمع ہو گئے۔

آپ حضرت عاشقانِ الٰہی کے سلوک کو ’صدق‘ کا عمل قرار دیتے ہیں اور دوسرے مصرعے میں خدا تعالیٰ نے صدق کو سلوک سے مشروط فرمادیا کیونکہ یہ مصرعہ الہامی ہے۔

**عزیزاں بے خلوص وصدق نکشایند راہے را　　　’’مصفّا قطرۂ باید کہ تا گو ہر شود پیدا‘‘**

ترجمہ: اے عزیزو بغیر خلوص اور سچائی کے کوئی راہ نہیں کھل سکتی مصفّہ قطرہ چاہئے تا کہ موتی پیدا ہو۔

حضرت اقدس قرآن سے پیوستگی اور اعتقاد کی درستی اور آخرت کی تیاری کو ’صدق وسداد‘ کہتے ہیں صدق و سداد کے ایک ہی معنی ہیں یعنی گفتار اور کردار کا درست ہونا۔

فرماتے ہیں:

قرآں کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکر معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق وسداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اردو زبان میں 'صدق' کے لفظ کو عشق الٰہی سے تعبیر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

جو عشّاق اُس ذات کے ہوتے ہیں
وہ ایسے ہی ڈر ڈر کے جاں کھوتے ہیں
**وہ اُس یار کو صِدق دکھلاتے ہیں**
**اسی غم میں دیوانہ بن جاتے ہیں**
وہ جاں اُس کی رہ میں فدا کرتے ہیں
وہ ہر لحظہ سو سو طرح مرتے ہیں
**وہ کھوتے ہیں سب کچھ بصدق و صفا**
**مگر اُس کی ہوجائے حاصل رضا**
یہ دیوانگی عشق کا ہے نشاں
نہ سمجھے کوئی اس کو جز عاشقاں

اور آخر پر محبوبِ حقیقی کے عاشقِ صادق کی پہچان بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

**صادقاں را صدق پنہانی نمے ماند نہاں** **نورِ پنہاں بر جبینِ مرد انوار آورد**

ترجمہ: صادقوں کا اندرونی صدق چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔ مخفی نور انسان کی پیشانی پر چمک پیدا کر دیتا ہے

**ہرکہ از دستِ کسے خورد است کاساتِ وصال** **ہر زماں رویش سرورِ واصلِ یار آورد**

ترجمہ: وہ شخص جس نے کسی کے ہاتھ سے شراب وصل کے پیالے پیے ہوں اُس کا منہ ہر وقت اس یار کے وصل کا سرور ظاہر کرتا رہتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

صدق را ہر دم مدد آید زِ ربّ العالمیں　　　صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

ترجمہ: سچائی کو ہر دم ربّ العالمیں سے مدد پہنچتی ہے صادقوں کی آستیں میں خدا کا ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے

ہر بلا کز آسماں بر صادقے آید فرود　　　آخرش گردد نشانے از برائے طالبیں

ترجمہ: ہر وہ بلا جو آسمان سے کسی صادق پر آتی ہے وہ آخر میں طالبانِ حق کے لیے ایک نشان ہو جاتی ہے

ہم نے لفظِ ''صدق'' کے علامتی معانی میں استعمال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جیسے گزشتہ میں 'نور' کا مضمون تشنہ رہ گیا تھا یہ تشنگی اس مقام پر بھی ہے۔

ان علامات پر سیر حاصل نظر ڈالنے کے لیے ان کو ایک مستقل عنوان کے تحت لا کر تحقیق کرنی ہوگی کیونکہ دراصل حضرت اقدس کے کلام کے یہی محور ہیں یعنی باری تعالیٰ کے نور کی تجلّی اور پھر اس صدق کا ابلاغ۔

ہماری کوشش میں یہ مضمون ذیلی موضوعات کے طور پر آیا ہے اس لیے بہت مختصر بیان ہوا ہے تاہم احساس ناتمامی ضرور ہے۔ اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے:

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حسابِ کم و بیش را

ترجمہ: میں نے اپنا تمام سرمایہ تیری جناب میں پیش کر دیا ہے۔ کم و بیش کا حساب تو ہی جانتا ہے۔

## ادبی علائم ورموز

گذشتہ میں بیان ہوا تھا کہ حضرت اقدس کے اشعار میں جو الفاظ مجازاً اور علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ان کا ایک نہایت درجہ مختصر جائزہ پیش کرنا حضرت اقدس کی شعری اور ادبی عظمت کے اظہار کے لیے بہت موزوں ہوگا۔اس غرض کے لیے ہم نے شعری علامات اور رموز کے دو شعبے بنائے ہیں۔ایک روحانی مضامین کے اور دوسرے ادبی مضامین کے علائم۔

روحانی مضامین کے اظہار میں ہم لفظ ''نور'' اور ''صدق'' کو بیان کر چکے ہیں۔

ادبی مضامین کے اعتبار سے ہم نے دو لفظ انتخاب کئے ہیں۔

اول: بہار

دوم: کربلا، گریبان اور جیب

دوسرا لفظ بظاہر ایک نہیں مگر ادبی دلالتوں کے اعتبار سے ایک مضمون ہی کے خدوخال رکھتا ہے۔

**بہار:** حضرت اقدس کے اردو اور فارسی کلام میں **بہار** کا لفظ بہت مقامات میں استعمال ہوا ہے۔اور بہت سے مقامات میں لغوی معنوں سے متبائن اور متضاد معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور بہت خوبصورتی سے ہوا ہے

لغوی اعتبار سے تو بہار کے معانی ماہ و سال کے ان ایّام سے ہے جب کہ سرد ایّام کے بعد نباتی حیات زندہ ہوتی ہے اور پودے پھولتے پھلتے ہیں۔

موسم کی اس نوعیت کے اعتبار سے ادبی اقدار میں بہار زندگی کی اور خزاں افسردگی اور موت کی علامت ہے اس لیے شعری ادب میں یہ متحارب موسم باہم مخالف جذبات اور خیالات کے اظہار کی علامتیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اردو اور خصوصًا فارسی ادب میں باغ و بہار اور گُل وبُلبل ایسے علامتی اشارے ہیں جو جذباتِ عشق ومحبت کے زندہ ہونے اور نئی تمناؤں اور اُمیدوں کے نمودار ہونے کے اظہار کے لیے اختیار کئے جاتے ہیں۔

اس لیے علامتی اعتبار سے مشرقی زبانوں میں گُل محبوب ہے اور باغ اُس کا حسن و جمال ہے اور بلبل عاشق زار ہے۔اور ان سب کیفیات اور احساسات کے زندہ اور متحرک ہونے کا باعث موسم بہار ہے۔معلوم نہیں کس کا ہے مگر اس مضمون میں عظیم الشان شعر ہے۔

روشن کئے چراغِ لحد لالہ زار نے
اس مرتبہ تو آگ لگادی بہار نے

اگر ''لحد'' کوخوابیدہ جذبات اور ناکام تمناؤں کی تمثیل سمجھا جائے۔تو ایسے ہوا کہ بہار کی آمد نے ایسے لالہ زار پیدا کئے کہ جذبات اور تمناؤں کی چنگاریاں بھڑک اُٹھیں اور اس حالت میں یہ عالم ہوا کہ

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی

پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہونگے

اور جب خزاں آئی تو بہار کی یاد میں کہا:

ہم وحشیوں نے صحن گلستاں سے اے خزاں

تنکے بھی چُن لیے کہ شریکِ بہار تھے

حضرت اقدس علیہ السلام نے ''بہار'' کی علامت کو تمام ادبی اقدار کی نہایت حسین پاسداری کرتے ہوئے اختیار فرمایا ہے۔آپ نے اس لفظ کو وحی الٰہی کے مطابق حقیقی معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔زلزلے کی پیشگوئی میں فرماتے ہیں

ایک ہی گردش سے گھر ہو جائیں گے مٹّی کا ڈھیر

جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں ان کا شمار

کب یہ ہوگا ؟ یہ خدا کو علم ہے پر اس قدر

دی خبر مجھ کو کہ وہ دِن ہوں گے ایّامِ بہار

''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پُوری ہوئی''

یہ خدا کی وحی ہے اب سوچ لو اے ہوشیار

(تذکرہ صفحہ 455-456 مطبوعہ 2004ء)

بہار کے لغوی معنوں میں ایک اور الہام حضرت اقدس کا ہے

''پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن''

(تذکرہ صفحہ 525 مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت نے بہار کے معانی تو موسم بہار کے مطابق کئے ہیں۔البتہ ''ثلج'' (جس کے لغوی معانی آسمانی برف اور ژالوں یعنی اولوں کے ہیں) کے بہت سے علامتی معانی فرمائے ہیں یعنی آفات سماوی کا نازل ہونا۔یا اس کے برعکس اطمینان قلب (ثلج قلب) حاصل ہو جانا مزید تحقیق کے لیے تذکرہ صفحہ 520 تا 525 مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ان الہامات باری تعالیٰ سے ایک علامتی معنی تو ضرور ثابت ہوئے ہیں کہ بہار کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کی صداقت کے نشان کے طور سے اختیار کیا ہے کیونکہ موسم بہار میں زمین اپنی روئیدگی اور انسان اپنی تازگی کیساتھ زندہ ہوتا ہے اُسی طور سے حضرت کی صداقت کے نشان ایک نئی زندگی اور شعور پیدا کریں گے اور ایک قہری تجلی ہوگی

مگر ادبی علامت کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت درجہ حُسن وخوبی کیساتھ اس علامت کا الہام کیا اور فرمایا

''رسید مژدہ کہ ایّام نو بہار آمد''

(تذکرہ صفحہ 437 مطبوعہ 2004ء)

حضرت اقدس نے اسی وحی الٰہی کو بہت ہی خوبصورت ادبی حُسن و جمال کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ اس بہار سے دنیاوی عشق و محبت کی بہار مراد نہیں بلکہ محبوبِ حقیقی کی محبت کا زندہ ہونا مراد ہے

رسید مژدہ کہ ایّام نو بہار آمد
زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم

ترجمہ: مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آ گیا تاکہ مَیں زمانہ کو اپنے پھلوں اور پتوں کی خبر کردوں

تعلقاتِ دلآرامِ خویش بنمایم
ہمائے اوجِ سعادت شکارِ خود بکنم

ترجمہ: اور اپنے محبوب کے تعلقات کا اظہار کروں اور ہمائے اوج سعادت کو اپنا شکار بناؤں

یہاں پر ''ایّام نو بہار'' سے مراد وصالِ باری تعالیٰ اور قرب محبوبِ حقیقی ہے اور اس موقع پر آپ کی تمنا ہے کہ آپ اپنے محبوب کی واردات محبت کو بیان کریں اور عاشقانِ الٰہی میں جو انتہائی مقام سعادت ہے اُس کو شکار کریں (حاصل کریں)۔

دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ''بہار'' کو کس خوبصورت علامت کے طور پر قبول فرماتا ہے اور پھر حضرت اقدس کو دیکھیں کہ کتنی خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ کے محبوبانہ التفات کو محسوس کرتے ہوئے کس والہانہ انداز میں اس کی محبت کو بیان کرتے ہیں۔

مشاہدہ کریں کہ آپ حضرت کی ''بہار'' کیا ہے۔ وصالِ باری تعالیٰ کا حصول اور اس کے حاصل ہونے پر محبتِ الٰہی کا حیات بخش جوش اور پھر اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کی ترغیب۔

فارسی ادب میں محبتِ الٰہی کے مضامین بہت ہیں مگر ''تعلقات دل آرامِ خویش'' کا ایسا والہانہ بیان کہیں

دستیاب نہیں ہوگا۔اور یہ سچ بھی ہے کیونکہ نہ ایسی بہار کسی پر آئی نہ اس نے اس بہار کے مزے لوٹے۔
یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت اقدس اپنی آمد اور اپنے وقت کو بہار کی آمد،اور گُل وگلزار کا زمانہ کہتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

**غافلاں من زِ یار آمدہ ام          ہمچو بادِ بہار آمدہ ام**

ترجمہ: اے غافلو میں محبوب کے پاس سے آیا ہوں اور بادِ بہار کی طرح آیا ہوں

**ایں زمانم زمانۂ گلزار          موسمِ لالہ زار و وقتِ بہار**

ترجمہ: یہ میرا زمانہ گلزار کا زمانہ ہے ۔یعنی لالہ زار کا موسم اور بہار کا وقت ہے
اور پھر محبوبِ حقیقی کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ تو ہی میری حقیقی بہار ہے۔

فصلِ بہار و موسمِ گل نایدم بکار          کاندر خیالِ روئے تو ہر دم بگلشنم

ترجمہ: فصلِ بہار اور پھولوں کا موسم میرے لیے بیکار ہیں کیونکہ میں تو ہر وقت تیرے چہرے کے خیال کی وجہ سے ایک چمن میں ہوں۔

اپنی ماموریت اور بعثت کو کس شان اور یقین کیساتھ باغ اور اس کے اثمار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

ماموروم ومراچہ دریں کار اختیار          رو ایں سخن بگو بخداوندِ آمرم!

ترجمہ: میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

**اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر          از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم**

ترجمہ:اے وہ جو میری طرف سینکڑوں کلہاڑے لے کر دوڑا ہے باغبان سے ڈر کیونکہ میں ایک پھلدار شاخ ہوں

اور اسی تشبیہ کے تسلسل میں حیرت سے فرماتے ہیں کہ اب جبکہ میرے باغ میں ہزاروں پھول کِھل چکے ہیں تو پھر بہار کے انتظار میں کسی اور باغ کی طرف کیا دیکھنا۔

چو مہرِ انور و تاباں ھمے فشانم نور          دگر کجا و چنیں قدرتے کرا باشد

ترجمہ:میں روشن اور چمکدار سورج کی طرح نور پھیلا رہا ہوں۔دوسرا کہاں ہے؟اور ایسی قدرت کس میں ہے؟

زکار ہا کہ کنم و زنشاں کہ بنمایم          عیاں شود کہ ہمہ کارم از خدا باشد

ترجمہ: وہ کام جو میں کرتا ہوں اور اُن نشانوں سے جو میں دکھاتا ہوں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا سارا کاروبار خدا کی طرف سے ہے۔

**کنُوں کہ در چمنِ من ہزار گُل بشگفت　　　گر از طلب بنشینی عجب خطا باشد**

ترجمہ: اب جبکہ میرے چمن میں ہزاروں پھول کھل چکے ہیں اگر تو طلب نہ کرے تو سخت غلطی ہوگی

اور اِسی حیرت اور تعجب کے اظہار میں فرماتے ہیں:

**کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح**

**خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار**

**باغ میں ملت کے ہے کوئی گل رعنا کھِلا**

**آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار**

قبل میں کہا گیا تھا کہ حضرت اقدس نے ''بہار'' کو متبائن اور متضاد معنوں میں بھی اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ''بہار'' اور خزاں دو متضاد المعانی الفاظ ہیں۔ مگر آپ نے ان کے علامتی معنی کرتے ہوئے موسم خزاں میں بھی بہار کا نظارا کرا دیا اور بہت ہی خوب کروایا۔ فرماتے ہیں۔

**بہار آئی ہے اِس وقتِ خزاں میں　　　لگے ہیں پُھول میرے بوستاں میں**

ملاحت ہے عجب اس دلستاں میں　　　ہوئے بدنام ہم اِس سے جہاں میں

عدُو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں　　　نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

ہوُا مُجھ پر وُہ ظاہر میرا ہادی

**فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

یعنی ''بہار'' کی آمد آپ کی آمد ہے اور آپ سے غفلت اور دوری خزاں ہے مگر اس کے باوجود اس وقتِ خزاں میں بھی اللہ نے ہزاروں عاشقانِ الٰہی پھولوں کی طرح سے آپ کے دامن میں ڈال دیئے ہیں انہی معنوں میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آ مرے اے ناخدا

آ گیا اس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار

اور

**اے سونے والو! جاگو کہ وقتِ بہار ہے**

**اب دیکھو آ کے دَر پہ ہمارے وہ یار ہے**

ہم بہت معذرت کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت کے کلام میں ''بہار'' کا مضمون بہت اختصار سے بیان کیا ہے۔اس ادبی علامت کے لئے ایک مفصل تحقیقی مقالہ کی ضرورت ہے۔کیونکہ آپ کے کلام کا شوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ حضرت نے باغ و بہار اور گل و بلبل کو ان کی مکمل دلالتوں کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اور ادبی شاہکار تخلیق کیے ہیں۔شاید آخر پر آپ حضرت کے ذیل کے اشعار ہمارے اختصار کی کچھ تلافی کردیں۔

فرماتے ہیں:

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں　　　ہم نے سَو سَو طرح سے سمجھایا

اِس غرض سے کہ زندہ یہ ہو ویں　　　ہم نے مرنا بھی دِل میں ٹھہرایا

**بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے**

**آ ؤ بُلبل چلیں کہ وقت آیا**

## کربلا۔ گریبان اور جیب:

گذشتہ میں کئی مرتبہ کہا گیا ہے کہ شعری زبان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ سراسر استعارہ ہے اور استعارہ لفظ کے معانی غیر لغوی کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے تاہم یہ لازم ہوتا ہے کہ معانی لغوی اور مجازی میں کوئی نہ کوئی تعلق ہو اور کوئی بات ایسی ضرور ہو جس سے ظاہر ہو کہ لفظ مجازی معنوں میں اختیار کئے گئے ہیں۔ اس بات اور عنصر کو قرینہ کہتے ہیں۔

شعر میں ''قرینہ'' کا ثبوت مضمون کے اتحاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور مضمون کی معنوی دلالتوں سے بھی قائم ہوتا ہے تاکہ معنئِ مستعار کا جواز پیدا کیا جائے ایک مشہور عام مثال ہے کہ جو کہ اغلباً حماسہ کے اس مصرع سے اخذ کی گئی ہے۔

''وَلا اُخْمِدَتْ نارٌ لَنَا دُوْنَ طَارِقٍ''

ترجمہ: اور رات کے آخر وقت میں بھی آنے والے مہمان کے لئے ہمارے مطبخ کی آگ جلتی رہتی ہے۔

گو اس مثال میں لفظی قرینہ تو نہیں ہے تاہم معنوی قرینہ ضرور ہے کہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم بہت مہمان نواز ہیں اور ان معنوں میں ہی شعر کا حسن و جمال مضمر ہے۔

تاہم یہ بھی درست بات ہے کہ ''قرینہ'' کی پہچان اور اس کی موجودگی کے شعور کے لئے شعر فہمی اور ذوق سلیم ضروری ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر اس کوچے میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ شعر میں حُسن و جمال اس کے مجازی دلالتوں سے ہی پیدا ہوتا ہے یہ تمہیدی گذارشات اس لئے کی گئی ہیں کہ ہم آپ حضرتؑ کے ایسے شعر کا ادبی تجزیہ کرنا چاہتے ہیں جس نے گذشتہ ایک صدی سے مخالفین کو شک و شبہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

فرماتے ہیں:

کربلائے است سَیرِ ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

یہ شعر غزل کا نہیں۔ نظم اور مثنوی کے اسلوب میں وارد ہوا ہے۔ غزل میں ہر شعر ایک منفرد معانی رکھتا ہے۔ نظم اور مثنوی کے اشعار اپنے مضمون کو اشعار کے تسلسل میں بیان کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اوّل یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ حضرت کس تسلسلِ بیان میں اس شعر کو پیش کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت الہام باری تعالیٰ کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ گو عشق محبوب کے دیدار سے پیدا ہوتا ہے مگر اس کے کلام اور گفتگو سے بھی عشق کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں خاص طور پر محبوب کی راز کی باتیں یہ خصوصیت رکھتی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان راز و نیاز کی باتوں کے فدائی ایک دو یا ہزار نہیں بلکہ ایسے مقتول بے شمار ہیں اور محبوبِ حقیقی بھی ایسے مقتول پسند کرتا ہے اور محبوبِ حقیقی کے چہرے کا غازہ ان شہیدوں کا خون ہوتا ہے

اور فرماتے ہیں کہ یہ سعادت (یعنی مورد الہام باری تعالیٰ ہونا) جب آپ کی قسمت میں لکھی گئی تو آہستہ آہستہ آپ کی باری بھی آ گئی

اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کثرت اور اس طرز سے الہامات سے نوازا کہ آپ کا ہر روحانی سفر کربلا کی طرح سے جاں نثاری کا نمونہ پیش کرنے لگا اور آپ دم بدم حضرت حسینؓ کی طرح سے شہید ہونے لگے آپ کے اشعار کا مطالعہ کریں۔

عشق کو رونماید از دیدار　　　نیز گہ گہ بخیزد از گفتار

وہ عشق جو دیدار سے پیدا ہوا کرتا ہے کبھی کبھی گفتار سے بھی پیدا ہوتا ہے

بالخصوص آں سخن کہ از دلدار　　　خاصیّت دارد اندریں اسرار

خاص کر دلدار کی وہ باتیں جو اسرار کے طور پر عشق پیدا کرنے والی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہیں

**کُشتۂ اُو نہ یک نہ دو نہ ہزار　　　ایں قتیلانِ اُو بروں زِ شمار**

ان باتوں کے فدائی صرف ایک دو یا ہزار انسان ہی نہیں ہیں بلکہ اُس کے کشتے بے شمار ہیں

**ہر زمانے قتیل تازہ بخواست　　　غازۂ روئے اُو دمِ شہداست**

ہر وقت وہ ایک نیا قتیل چاہتا ہے اس کے چہرہ کا غازہ شہیدوں کا خون ہوتا ہے

**ایں سعادت چو بود قسمتِ ما　　　رفتہ رفتہ رسید نوبتِ ما**

یہ سعادت چونکہ ہماری قسمت میں تھی رفتہ رفتہ ہماری نوبت بھی آ پہنچی

**کربلائے است سَیرِ ہر آنم　　　صد حسین است در گریبانم**

کربلا میری ہر آن کی سیر گاہ ہے۔ سینکڑوں حسین میرے گریبان کے اندر ہیں

مشاہدہ کریں کہ مضمون جنگ و جدال کا نہیں ہے۔ الہام باری تعالیٰ کی تاثیرات سے خدا تعالیٰ پر عاشق

ہونے کا ذکر ہے اور فرماتے ہیں کہ ایسے عاشق صرف آپ ہی نہیں بلکہ ہزاروں ہوتے ہیں اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں

اس مقام پر توقف کریں اور جائزہ لیں کہ کیا یہاں پر حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر ہو رہا اور کیا یہ مقتل حضرت حسین کا میدان کربلا ہے یا عاشقانِ الٰہی کی شہادت گاہ ہے۔ دونوں روحانی حادثات کی نوعیت بالکل مختلف ہے اس لیئے تقابل نہیں کیا جا سکتا

آخری شعر میں کربلا اور حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر تو مثال کے طور پر آ گیا ہے۔ مقابلے کی غرض سے نہیں آیا کیونکہ مقابلہ ہمیشہ یکساں حادثات اور ہم نوع کیفیات میں ہوتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی خدا کی راہ میں عظیم الشان شہادت ہوئی مگر وہ تلوار سے ہوئی حضرت اقدس کی شہادت عشق الٰہی کے سمندر میں ڈوب کر ہوئی ہے اور ہزار بار ہوئی ہے۔ اس لیئے اس شعر سے یہ مراد لینا کہ حضرت اقدس اپنے مقابل پر حضرت حسینؓ کو کمتر منصب دے رہے ہیں یکسر غلط خیال ہے کیونکہ تقابل کے لوازمات ناپید ہیں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جب کوئی انسان اپنی شان و عظمت کی مثال دیتا ہے تو ایسے شخص سے دیتا ہے جو خود صاحبِ عظمت ہو اور ایسی مثال ہمیشہ مقام مدح پر ہوتی ہے نہ کہ مقام ذم پر۔ اس لیئے آپ حضرت کا امام حسینؓ کی مثال دینا حضرت حسینؓ کی عزّت افزائی اور علومرتبت کے لئے ہے۔

یہ بات کہ آپ حضرت نے محبتِ الٰہی کی راہ میں جو صبر اور استقامت دکھائی ہے اس کو کربلا کیوں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کربلا کے لفظ سے حضرت کی مراد میدان کربلا نہیں بلکہ وہ کرب و بلا ہے جو آپ نے محبتِ الٰہی میں برداشت کیئے۔ لغت میں اس کے معانی ''رنج اور آفت کا مقام'' کیئے گئے ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ)

فارسی ادب میں کربلا کا لفظ اِسی علامتی معنوں میں استعمال ہوا ہے

حافظ شیرازی محبوب کے ہجر کے بیان میں کہتا ہے کہ اس مصیبت کی مثال کربلا کے مصائب ہی سے دی جا سکتی ہے کہتا ہے۔

آنچہ جانِ عاشقاں از دستِ ہجرت می کشد

کس نہ دیدہ ایں جہاں جز کشتگانِ کربلا

ترجمہ: عاشقوں کی جان جو تیرے فراق میں برداشت کر رہی ہے اسکو کربلا کے شہیدوں کے سوا کسی نے نہیں دیکھا اس بیان میں تو کربلا کیساتھ حضرت حسین کا ذکر بھی آ گیا کیونکہ کشتگان کربلا میں آپ صف اوّل میں تھے

قرۃ العین طاہرہ کہتی ہے کہ عشق میں اس کا ہر لمحہ ہزاروں وادیٔ کربلا کے مانند ہے۔

متظاہر است زہر دمے دو ہزار وادیٔ کربلا

مشاہدہ کریں ایک وادی کربلا نہیں بے شمار ہیں۔

اب

''صد حسین است در گریبانم'' کے فرمان پر غور کریں۔

فارسی زبان میں اور اردو میں بھی ''گریبان'' قمیص کے اس حصے کو کہتے ہیں جو گردن کے نیچے ہوتا ہے فارسی میں اس لفظ کو مرکب سمجھتے ہیں یعنی ''گرے'' بمعنی گردن اور ''بان'' بمعنی محافظ۔ فارسی میں ''جیب'' کے لفظ کو بھی انہیں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر اس لفظ کے لغوی معنوں کو ہی اختیار کرنا ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ حضرتؑ کی قمیص کے بالائی حصہ میں سو حسینؓ قیام فرما ہیں۔ شاید اس قسم کے معانی کر کے شعری زبان سے نابلد احباب نے گذشتہ ایک صدی سے شورِ قیامت بپا کر رکھا ہے۔ شعری زبان کا حد درجہ معمولی شعور رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ شعر میں اس لفظ کے معانی ''دل'' ہیں اور گریبان چاک کرنے کے معنے دلی جذبات کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

میر تقی میرؔ کی مثال کو دیکھ لیں۔

کہتا ہے:

اس نے کھینچا ہے میرے ہاتھ سے دامن اپنا

کیا کروں، گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

اِس شعر میں دامن چھڑانا اور چاک گریبان کے کیا معنے ہونگے؟ یہی کہ محبوب نے بے تعلقی کا اظہار کیا ہے تو میں دلی غم کا اظہار نہ کروں تو کیا کروں۔

فارسی اور اردو شعراء میں ہر شاعر اپنا گریبان چاک کئے ہوئے ہے۔ آپ سوئی دھاگہ لیکر کس کس کی بخیہ گری کریں گے بہتر ہے کہ اس کے علامتی معنوں کو قبول کر لیں۔

علامت اور استعارے کے تعلق میں اس امر کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ہر صاحبِ منصب شاعر اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کے لیے چند الفاظ کو قبول کر کے ان کو علامت کے طور پر کئی معنوں میں بار بار اختیار کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے بھی ''گریبان'' کے لفظ کو صرف ایک بار استعمال نہیں کیا اور صرف حضرت حسینؓ کے لیے

ہی استعمال نہیں کیا۔

اوّل مقام پرتو آپ حضرت نے اس لفظ کو باری تعالیٰ کی دلی محبت اور وصال کامل کے معنوں میں بہت ہی خوبصورت اور حسین انداز میں اختیار فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

پُر زِ نورِ دلستاں شد سینہ ام　　　شُد زِ دستے صیقلِ آئینہ ام
محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا
پیکرم شُد پیکرِ یارِ ازل　　　کارِ من شُد کارِ دلدارِ ازل
میرا وجود اُس یار ازلی کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہوگیا
بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من　　　بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من
چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہوگئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی
**نُورِ حق داریم زیرِ چادرے　　　از گریبانم برآمد دلبرے**
ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا
**احمدِ آخر زماں نامِ من است　　　آخریں جامے ہمیں جامِ من است**
احمدِ آخر زماں میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دُنیا کے لیے) آخری جام ہے

ایک اور مقام میں خدا تعالیٰ کے عشق کے بیان میں فرماتے ہیں:

عشقِ تو بہ نقدِ جاں خریدیم　　　تا دم نہ زند دگر خریدار
ہم نے نقدِ جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے۔ تا کہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے
**غیر از تو کہ سرزدے زِ جیبم!　　　در بُرجِ دلم نماند دیّار**
تیرے سوا اور کون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی بسنے والا ہی نہیں
عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند　　　کردیم و دمے جز از تو دشوار
ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ گذارنا بھی مشکل ہے

رسول اکرمؐ سے کامل اتحاد اور عشق کے بیان میں فرماتے ہیں:

محو روئے او شد است ایں روئے من بوئے او آید زبام و کُوئے من

یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں من ہمانم۔ من ہمانم ۔ من ہماں

از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

**جانِ من از جانِ اُو یابد غذا از گریبانم عیاں شد آں ذکا!**

میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے

**احمد اندر جانِ احمد شد پدید اسم من گردید آں اسم وحید**

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لیے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے

اب دیکھ لیں اوّل مقام پر تو حضرت اقدسؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل ہم رنگ اور اُن میں محو وفنا ہونے کو کس طور سے بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آپ کا آنحضرتؐ سے اسقدر قرب اور تعلق ہے کہ گویا آنحضرت اور آپ ایک ہی وجود ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے آپ کے گریبان سے آنحضرت کے نور کا سورج طلوع ہوا ہے۔ یہاں پر گریبان کے کیا معنی کرینگے؟ یہی کہ آپ کے دل و جان میں آنحضرتؐ کا نور سرایت کر گیا ہے۔

یہی مضمون ذیل کے اشعار میں بھی بیان ہوا ہے کہ انبیاء خدا کی محبت اور پرستش میں اس قدر گم ہوتے ہیں کہ وہ خدائی صفات کے حامل ہو جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

ہمچنیں مے داں مقامِ انبیاء واصلان و فاصلاں از ماسواء

انبیاء کے مقام کی بھی یہی مثال سمجھ۔ وہ واصل باللہ ہیں اور اس کے غیر سے بے تعلق

فانی اند و آلۂ ربّانی اند نُورِ حق در جامۂ انسانی اند!

وہ فنا فی اللہ ہیں اور خدا کا ہتھیار ہیں۔ انسانی جامہ میں خدا کا نور ہیں

سخت پنہاں در قِبابِ حضرت اند گم زِ خود در رنگ و آبِ حضرت اند

بارگاہ الٰہی کے گنبد میں بالکل مخفی ہیں خودی سے الگ ہو کر خدائی رنگ و روپ میں زندگی بسر کرتے ہیں

اس مقام کی کیفیت کے بیان میں فرمایا ہے

**نورِ حق داریم زیرِ چادرے از گریبانم برآمد دلبرے**

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے

اور دوسرے مقام پر آنحضرتؐ سے یک جان اور متحد ہونے اور عشق کے بیان میں تو فرما چکے ہیں۔

**جانِ من از جانِ او یابد غذا　　　از گریبانم عیاں شد آں ذکا**

میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں میں وہی سورج نکل آیا ہے۔

مشاہدہ کریں کہ حضرت ''گریبان'' کی علامت کو صرف حضرت حسینؓ کے لیے اختیار نہیں فرما رہے بلکہ اس کے علامتی معنوں کے اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ آپ کے دل و روح میں محبتِ الٰہی اور محبت رسول کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان امثال سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی کہ آپ حضرت گریبان کے لفظ کو علامت کے طور پر اختیار فرما رہے ہیں تو پھر حضرت حسینؓ کو ان علامتی معنوں سے کیوں محروم رکھا جائے اور کیوں نہ اِن کو دیگر روحانی شخصیتوں کی طرح سے حضرت اقدس کا محبوب سمجھا جائے۔

یہ بات بھی پھر سُن لینی چاہیئے کہ حضرت اقدس۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تجلّی اور وارثِ رسول اللہ ہیں۔ اس نسبت سے اُن کو حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ آپ کے آقا اور محبوب کو تھی۔ اس محبت کے اظہار میں فرماتے ہیں۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

میری جان و دل محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں۔ اور میری خاک آلِ محمدؐ کے کوچے پر قربان ہے۔

اور پھر ایک نادر اندازِ بیان میں اور نہایت درجہ محبت سے فرماتے ہیں۔

ہر کسے اندر نمازِ خود دعائے مے کند　　　من دعا ہائے بروبارِ تو اے باغِ بہار

ہر شخص اپنی نماز میں (اپنے لیے) دعا کرتا ہے مگر میں اے میرے آقا تیری آل و اولاد کے لیے دعا مانگتا ہوں

یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ مُوئے تو ام　　　وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

اے نبی اللہ میں تیرے بال بال پر فدا ہوں اگر مجھے ایک لاکھ جانیں بھی ملیں تو تیری راہ میں سب کو قربان کر دوں

آخر پر یہ گذارش ہے کہ ہم نے اس شعر کا تجزیہ ادبی اور اسالیب کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت اقدس نے ملفوظات جلد چہارم صفحہ 63 میں اس شعر کا علمی تجزیہ فرمایا ہے اس فرمان کو بھی پڑھ لینا ضروری ہے۔

اِس مضمون میں ادبی علامت ''جیب'' کی سند بعد میں آئی ہے اس لیے بعد میں پیش کی جا رہی ہے۔

فارسی اور اردو زبان میں ''جیب'' کا لفظ بھی گریبان کے معنوں میں مستعمل ہے۔ حضرت اقدس کا شعر بیان

ہو چکا ہے:

غیر از تو کہ سر زدے ز جیبم
در بُر جِ دلم نما ند دیّا ر

ترجمہ: تیرے سوا اور کون میرے گریباں میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی بسنے والا ہی نہیں۔

جو سند بعد میں آئی ہے وہ غالبؔ کی ہے۔

کہتا ہے:

چاک مت کر جیب بے ایّا مِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے

مشاہدہ کرلیں کہ ''جیب'' سے مراد گریبان ہی ہے جس سے مراد دل اور اس کی تمنّا ئیں ہیں۔ اور غالبؔ کے کہنے کے مطابق اُن کا اظہار موسمِ بہار ہی میں ہونا چاہیے۔

# حضرت اقدس کا کلام ایک منفرد مکتبِ ادب ہے

گذشتہ میں بہت دفعہ کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا شعری خزانہ ایک جداگانہ اور منفرد مکتبِ شعر ہے یہ وہی مکتبِ ادب ہے جو حضرت داوٴدؑ کے مزامیر اور حضرت سلیمانؑ کی غزل الغزلات کی صورت میں سفر کرتے ہوئے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے موضوعات کے اتبّاع میں ہمارے پیارے مہدی آخر زمان اور مسیح دوراں تک پہنچا ہے۔

ان تمام مکاتیب ادب میں جو وجہ اشتراک اور یکجہتی ہے وہ منشاء باری تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کو تعلیم دینا اوران کے دلوں میں محبتِ الٰہی کو زندہ کرنا ہے یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ایک دائرے کی طرح سے تمام مرسلین باری تعالیٰ کا کلام طواف کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت کے اشعار کے محاسن پیش کرنے سے قبل ہم نے ادب مرسلین کے محرکات تخلیقِ ادب اور ترجیحاتِ قلبی کو متعدد اقدار ادبی کے موضوعات کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ایسا ہو کہ اس مکتب شعر و ادب کی منفرد نوعیت کا شعور حاصل ہو جائے اور مرسلین کرام کے کلام کے محاسن کو اپنے دل و جان میں قبول کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے مگر حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق اس شعور اور صلاحیت کا پیدا ہونا اسی کو نصیب ہے جو ''سعید'' ہو اور جس کی ''فطرت نیک'' ہو جیسے فرمایا:

لوائے ما پنہِ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ گاہ ہوگا اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا

اور اردو میں فرماتے ہیں:

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

اور فارسی میں نہایت درجہ خوبصورتی سے فرماتے ہیں:

فروغِ نورِ عشقِ او ز بام و قصرِ ما روشن
مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را

اس کے نورِ عشق کی تجلّی سے ہمارے بام و قصر روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو۔

اِن اشعار میں ''لوا'' ''ندا'' اور ''آواز'' دراصل حضرت اقدس کا کلام ہے مگر اس کو دل و جان سے قبول

کرنے کے لیے محبتِ الٰہی کی سعادت اور نیک بختی اور بصیرت ضروری ہے۔

اصناف شعر میں ان کی ہیئت کے اعتبار سے غزل کی صنف ایسی ہے کہ وہ اپنے مواد میں محبوب کے حسن و جمال اور اس کی محبت کے بیان میں محدود ہے اس لیے موادِ ادب کے تناظر میں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اقدس کا کلام محبوبِ حقیقی کے عشق کی ایک ایسی داستان ہے جو اصناف شعر کو تبدیل کرتی رہتی ہے مگر اپنے مواد اور ترجیحاتِ قلبی کے اعتبار سے مستقل الحال اور قال ہے تو بالکل درست ہوگا۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔

عاشقِ زار درہمہ گفتار      سخنِ خود کشد بجانبِ یار

عاشق زار اپنی تمام گفتار کا رُخ محبوب کی طرف موڑ لیتا ہے

یہ وہ شرائط اور لوازم ہیں جن کا اثبات اس منفرد ادبِ عالیہ کے حقیقی فہم اور ادراک کے لیے ضروری ہے

حضرت اقدس کے شعری کلام کو ان کے موضوعات کے تحت پیش کرنے سے قبل ان گذارشات کا پیش کرنا ضروری تھا۔ خواہ ان کی تکرار ہی کیوں نہ ہو

ایک اور بات جس کا ابتدا میں ضمناً ذکر ہوا ہے قدرے تفصیل طلب ہے۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ ادب مرسلین میں ''محبتِ الٰہی'' کا موضوع ایک مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ان صاحبِ اکرام ہستیوں کے کلام کے تمام موضوعات طواف کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ایسی نہیں کہ دیدہ ورمحبان الٰہی سے پوشیدہ ہو۔ کیونکہ آپ کے کلام میں جس قدر عنوانات آتے ہیں ان کا بیان دراصل اُس محبوبِ حقیقی کی طرف اشارہ کرر ہا ہوتا ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ حضرت کے کلام کی اس خصوصیت کو ایک مثال کے ساتھ پیش کریں

حضرت اقدس کے کلام کی ایک مخصوص اور دلبرانہ ادا یہ ہے کہ آپ (ایک ہی نظم یا غزل میں) حمد و ثنا سے عشقِ رسول اور عشقِ رسول سے عشق قرآن اور پھر صداقت اسلام اور مناجات کی طرف اور پھر اس ترتیب کے برعکس بھی اس خوبصورتی سے گریز کرتے ہیں کہ یہ سب مضامین باوجود باہم دگر مختلف ہونے کے ایک ہی نظم میں ایسے گُھل مل جاتے ہیں کہ جیسے رنگا رنگ پھولوں کو اس طور سے ترتیب دیا جائے کہ ان کا انفرادی حُسن بھی قائم رہتا ہو اور اجتماعی حسن بھی ایک گلدستے کے طور پر اپنا حسن و جمال دکھا رہا ہو۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ سب مضامین محبتِ الٰہی کے اظہار کی تجلیات ہیں

آپ حضرت کے کلام کی یہ دلفریب ادا تینوں زبانوں میں عیاں ہے مگر کیونکہ آپ حضرت کے کلام کی اوّل مخاطب اردو زبان بولنے والی قوم ہے اس لیے آپ کی ایک اردو نظم کی مثال پیش کرتے ہیں۔

آپ حضرت کی ایک نظم ''شانِ اسلام'' کے عنوان سے درثمین میں درج ہے۔ آپ اس عنوان کے تحت اوّل

قدم پر دین اسلام کی خوبیان بیان کرتے ہیں اور بہت نرمی اور درد سے فرماتے ہیں۔

اسلام سے نہ بھاگو راہ ھدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو! شمس الضحٰی یہی ہے

مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دینِ خُدا یہی ہے

سب دیں ہیں اک فسانہ شرکوں کا آشیانہ
اُس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے

سو سو نشاں دکھا کر لاتا ہے وہ بُلا کر
مجھ کو جو اُس نے بھیجا بس مُدّعا یہی ہے

اسی تسلسل میں دیگر ادیان پر اسلام کی برتری کو بیان کرتے ہوئے اسلام کی کتاب یعنی قرآن کریم کی یاد آجاتی ہے تو نعت قرآن کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔اور کتنی محبت سے فرماتے ہیں۔

شکرِ خُدائے رحماں! جس نے دیا ہے قرآں
غنچے تھے سارے پہلے اب گُل کھِلا یہی ہے

کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا گہنا
دِلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے

**دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں**
**قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے**

قرآن کریم کی یاد کیساتھ ہی اُس پیاری ہستی جس پر ہم سب کے ماں باپ فدا ہوں کی محبت زندہ ہو جاتی ہے تو بہت ہی پیاری اور بے مثل نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مِرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

وہ یارِ لامکانی، وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہ نما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے

وہ طیب و امیں ہے اُس کی ثناء یہی ہے

اور پھر اپنے اصل موضوع یعنی محبوبِ حقیقی کی محبت کا جوش دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی جناب سے یہ احسانات انسان پر کیے گئے اور جو حقیقی محور ہے ان تمام موضوعات کا۔ فرماتے ہیں۔

اے میرے ربِّ رحمٰں تیرے ہی ہیں یہ احساں

مشکل ہو تجھ سے آساں ہردم رجا یہی ہے

جلد آ مرے سہارے غم کے ہیں بوجھ بھارے

منہ مت چُھپا پیارے میری دوا یہی ہے

ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر

جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے

**مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اُڑایا**

**جب سے سُنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے**

**اس عشق میں مصائب سو سو ہیں ہر قدم میں**

**پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے**

**حرفِ وفا نہ چھوڑوں۔ اس عہد کو نہ توڑوں**

**اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے**

حضرت اقدس کے کلام کی یہ ادائے خاص آپ کے تینوں زبانوں کے اشعار میں آشکار ہے۔

اب جبکہ ہم آپ حضرت کے تمام شعری کلام کا ایک مختصر تعارف کروانا چاہتے ہیں تو شعر کی ہیئت کے اعتبار سے آپ کی اس دلربا کیفیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہوگا۔

فنّی اعتبار سے شعر میں ہیئت کو قائم رکھنا مشرقی ادب میں ہی نہیں بلکہ تمام انسانی ادب میں ایک لازمہ ہے اصطلاحی اعتبار سے اس کے ایک معانی یہ بھی ہیں کہ اظہار یا بیان کی خارجی صورت کی نوعیت کو قائم رکھا جائے یہ تو معلوم عام ہے کہ مثنوی غزل۔ قطعہ اور نظم کی ایک خارجی صورت ہے جس کے ذریعہ سے وہ ایک دوسرے سے ممیّز ہوتے ہیں۔

مگر یہاں تک ''ہیّت'' شعر کی خارجی صورت کو متعین کرتی ہے (یعنی شعر کا وزن۔ قافیہ۔ ردیف اور دیگر لوازم شعر)

مگر خارجی ہیئت کی اہمیت کے ساتھ ادبی فن پارہ ایک داخلی ہیئت بھی رکھتا ہے اس کا تعلق ادب کے مواد اور ادیب کے مطمحِ نظر سے ہوتا ہے۔ اس داخلی ہیئت کو بھی اساتذۂ انتقاد نے کم مرتبہ نہیں دیا بلکہ شعر کے حسن و خوبی کا

جائزہ لینے کے لیے ان دونوں اقدار ادب کو اہم قرار دیا ہے۔

حضرت اقدس نے خارجی ہیئت کے قیام میں بہت احتیاط برتی ہے اور وزن قافیہ اور ردیف کا بتا کید التزام کیا ہے۔مگر داخلی ہیئت یعنی مواد ادب میں اصناف شعر کے مطابق اپنے کلام کو محدود اور مقیّد نہیں کیا

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت کے کلام کا مواد ایک ہی ہے اور وہ محبتِ الٰہی ہے جو مختلف اصناف شعر میں صادر ہوا ہے مگر اصناف شعر کے مخصوص موضوعاتِ شعر کو آپ حضرت نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔یعنی یہ کہ اصناف شعر میں غزل ہو یا مثنوی اور قطعات کی ہیئت مگر مواد کو محبتِ الٰہی کے دائرے میں محدود رکھا ہے

یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام کلام میں موضوعاتِ شعری کی ایسی تعیین نہیں ہے کہ اگر ابتدا حمد وثناء یا نعت رسول سے ہوئی ہے تو دیگر روحانی اور دینی موضوعات کا ذکر نہ ہو۔حضرت اقدس تمام روحانی موضوعات کا محور اور نقطۂ مرکزی محبتِ الٰہی میں سمجھتے ہیں۔اس لیے آپ کے کلام میں یہ فنی احتیاط نہیں کہ نظم یا غزل ایک ہی موضوع میں مقیّد ہو۔

آپ کا کلام خواہ غزل کی صنف میں ہو یا مثنوی کی۔اس کا مواد اور موضوع ایک ہی ہے اور وہ محبتِ الٰہی کا بیان ہے جو مختلف تجلیاتِ الٰہیہ کے اظہار میں ظاہر ہوتا ہے۔

اگر تکرار نہ ہو تو عرض کروں کہ آپ حضرت کے کلام کی یہ خاص ادا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے اتبّاع نے پیدا کی ہے جہاں پر باری تعالیٰ نے تمام انبیاء کے کلام اور تعلیم کے فہم وادراک کو حاصل کرنے کے لیے یہ شرط قائم کر دی ہے کہ اس کے حصول کے لیے محبتِ الٰہی کا دل میں ہونا ایک لازم شرط ہے۔جیسے کہ فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ...الی الآخر (اٰل عمران: 32)

آپ حضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اِن کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے''

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

**مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے قلب میں محبتِ الٰہی کو انبیاء کے عرفان اور تعلیم کو سمجھنے کے لیے شرط کے طور پر قائم فرمایا ہے۔**

آپ حضرت کے اسلوبِ بیان کا ایک نمونہ اردو زبان میں دیا جا چکا ہے۔ایک نمونہ فارسی مثنوی کا بھی دیکھ لیں اِن اشعار کی مناجات سے ابتدا ہے

فرماتے ہیں:

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما

اے خدا۔ اے ہمارے دکھوں کی دوا۔ اے ہماری گریہ وزاری کا علاج

اے تو مرہم بخش جانِ ریشِ ما　　　　اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما

تو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے۔ تو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے

اوراس تسلسل بیان میں ایک عظیم الشان نعتِ رسول بیان کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

آں شہ عالم کہ نامش مصطفٰے　　　　سیّدِ عشّاقِ حق شمس الضحٰے

وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفٰی ہے۔ جو عشّاق حق کا سردار اور شمس الضحٰی ہے

آنکہ ہر نُورے طفیلِ نُورِ اُوست　　　　آنکہ منظورِ خُدا منظورِ اُوست

وہ وہ ہے کہ ہر نُور اسی کے طفیل سے ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے

اور پھر عاشقانِ الٰہی کی صفات بیان ہونے لگتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

عاشقاں در عظمتِ مولیٰ فنا　　　　غرقۂ دریائے توحید از وفا

عاشق مولیٰ کی عظمت میں فنا ہیں۔ اور وفاداری کی وجہ سے دریائے توحید میں غرق ہیں

کین و مہرِ شاں ہمہ بہرِ خداست　　　　قہرِ شاں گر ہست آں قہرِ خداست

ان کی دشمنی اور دوستی سب خدا کے لیے ہے۔ اگر ان کو غصہ بھی آتا ہے تو وہ خدا ہی کا غصہ ہے

آنکہ در عشقِ احد محو و فناست　　　　ہرچہ زو آید زذاتِ کبریا ست

جو خدا کے عشق میں فانی اور محو ہے۔ جو کچھ بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے وہ ذات کبریا ہی کی طرف سے ہے

اور آخر پر دین اسلام کی عظمت کو بیان کرتے ہیں۔

دینِ حق شہرِ خدائے امجد است　　　　داخلِ اُو در امانِ ایزداست

دین حق تو خدائے بزرگ و برتر کا شہر ہے۔ جو اس میں داخل ہو گیا وہ خدا کی امان میں آ گیا

در دمے نیک و خوش اسلوبے کند　　　　ہمچو خود زیبا و محبوبے کند

وہ تو ایک دم میں نیک اور خوشحال کر دیتا ہے۔ اور اپنی طرح کا حُسین اور محبوب بنا دیتا ہے

ایک نمونہ عربی زبان میں بھی دیکھ لیں۔

ابتداحمدِ باری تعالیٰ سے فرماتے ہیں۔

يَــا مَـنْ اَحَــاطَ الْـخَـلْـقَ بِــالْاٰ لَاءِ　　　　نُثْنِـىْ عَـلَيْـکَ وَ لَيْـسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے (اپنی) نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی طاقت نہیں ہے۔

اُنْـظُـرْ اِلـيَّ بِـرَحْـمَةٍ وَ عَـطُـوْفَةٍ يـا مَـلْـجَـئِـيْ يَـا كَـاشِفَ الغَـمَّـاءِ

مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن و کرب کو دور فرمانے والے!

اَنْـتَ الْـمَلَاذُ وَ اَنْـتَ كَهْفُ نُفُوْسِنَا فِـيْ هٰـذِهِ الـدُّنْيَا وَ بَـعْـدَ فَـنَـاءِ

تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہگاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔

اور کیونکہ آپ کی حمد وثناء درحقیقت محبتِ الٰہی کا اظہار ہے اس لیے کلام کا رخ اس محور کی طرف موڑ لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

غَـلَبَـتْ عَـلٰى قَـلْبِـيْ مَحَبَّةُ وَجْهِـهِ حَتّٰـى رَمَيْـتُ الـنَّـفْـسَ بِـالْاِلْغَـاءِ

میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آ گئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا۔

وَ اَرَى الْـوِدَادَ اَنَـارَ بَـاطِـنَ بَـاطِنِـيْ وَ اَرَى التَّـعَشُّـقَ لَاحَ فِـيْ سِيْـمَائِـيْ

میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو منوّر کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔

مَـا بَـقِـيَ فِـيْ قَـلْـبِـى سِـوَاهُ تَصَوُّرٌ غَـمَـرَتْ اَيَـادِى الـلّٰهِ وَجْهَ رَجَائِى

میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں کے منہ کو ڈھانپ لیا ہے۔

هَـوْجَـاءُ اُلْـفَـتِـهٖ اَثَـارَتْ حُـرَّتِـيْ فَـفَـدَا جَـنَـانِـيْ صَـوْلَةَ الْهَوْجَـاءِ

اس کی الفت کی تیز ہواؤں نے میری خاک اڑا دی پس میرا دل ان ہواؤں کی شہرت پر قربان ہو گیا۔

محبوبِ حقیقی کی محبت کے بیان کے ساتھ ہی اس محبوب کی یاد آ جاتی ہے جس کی برکت اور دم قدم سے انسان کو محبتِ الٰہی نصیب ہوئی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فرماتے ہیں:

يَـا بَـدْرَ نُـوْرِ الـلّٰـهِ وَ الـعِـرْفَـانِ تَهْـوِيْ اِلَيْـكَ قُـلُـوْبُ اَهْلِ صَفَـاءِ

اے اللہ تعالیٰ کے نور و عرفان کے بدرِ کامل! اہلِ صفا کے دل تیری طرف ٹوٹے پڑتے ہیں۔

يَـا شَـمْـسَـنَـا يَـا مَبْـدَءَ الْاَنْـوَارِ نَـوَّرْتَ وَجْـهَ الْـمُـدْنِ وَ الْبَيْـدَاءِ

اے ہمارے آفتاب اور اے منبع الانوار! تو نے شہروں اور ویرانوں کے چہرے منور کر دیئے۔

اِنِّـى اَرَى فِـيْ وَجْهِـكَ الْـمُتَهَـلِّلِ شَـانًـا يَّـفُـوْقُ شُيُوْنَ وَجْـهِ ذُكَـاءِ

میں تیرے دمکتے ہوئے چہرے میں ایسی شان دیکھتا ہوں جو آفتاب کے چہرے کی شانوں سے بڑھ کر ہے۔

مَا جِئْتَنَا فِیْ غَیْرِ وَقْتِ ضَرُوْرَۃٍ　　قَدْ جِئْتَ مِثْلَ المُزْنِ فِی الرَّمْضَاءِ

تو ہمارے پاس بے وقت اور بے ضرورت نہیں آیا تو ایسے آیا ہے جیسے شدید گرما میں بارش آجائے۔

اِنِّیْ رَاَیْتُ الْوَجْہَ وَجْہَ مُحَمَّدٍ　　وَجْہٌ کَبَدْرِ اللَّیْلَۃِ الْبَلْمَاءِ

میں نے وہ چہرہ دیکھا ہے جو محمدؐ کا چہرہ ہے۔ ایسا چہرہ جیسا چودھویں رات کا چاند ہو۔

شَمْسُ الْھُدیٰ طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَکَّۃَ　　عَیْنُ النَّدَا نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَاءِ

ہدایت کا آفتاب ہمارے لئے مکہ سے طلوع ہوا۔ بخششوں کا چشمہ ہمارے لئے حراء سے پھوٹ پڑا۔

اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں یعنی صحابہؓ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

وَاھًا لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ وَ جُنْدِہٖ　　حَفَدُوْا اِلَیْہِ بِشِدَّۃٍ وَ رَخَاءِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور لشکروں پر آفرین ہو جو دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔

غُمِسُوا بِبَرَکَاتِ النَّبِیِّ وَ فَیْضِہٖ　　فِی النُّورِ بَعْدَ تَمَزُّقِ الْاَھْوَاءِ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اور فیض سے خواہشاتِ نفسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد نور میں ڈوب گئے۔

اور آخر پر آدابِ حمد وثناء کی پاسداری میں اپنے خدا کی جناب میں عرضداشت پیش کرتے ہیں۔

اِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا یُضَاعُ بِفِتْنَۃٍ　　وَ الْاَجْرَ یُکْتَبُ عِنْدَ کُلِّ بَلَاءِ

مقرّب آزمائش سے ضائع نہیں کیا جاتا اور ہر بلا کے وقت اس کا اجر لکھا جاتا ہے۔

یَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا بِکَرَامَۃٍ　　یَا مَنْ یَّریٰ قَلْبِیْ وَ لُبَّ لِحَائِی

اے ہمارے رب! تُو ہمارے درمیان باعزت فیصلہ فرما۔ اے وہ ذات جو میرے دل کو میرے ظاہر کی اندرونی حقیقت کو دیکھ رہی ہے۔

یَا مَنْ اَرَی اَبْوَابَہٗ مَفْتُوْحَۃً　　لِلسَّائِلِیْنَ فَلَا تَرُدَّ دُعَائِیْ

اے وہ ذات! جس کے دروازے مَیں سائلوں کے لئے کھلے دیکھتا ہوں۔ میری دعا کو ردّ نہ فرما۔

آپ کے کلام سے محبت رکھنے والوں کے لیے آپ کے ادب کا منفرد مکتب ادب نام کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم نے چند مثالیں پیش کر کے یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے کلام کی ترجیہاتِ قلبی اور مقاصد تخلیق دُنیوی ادب سے مختلف ہی نہیں بلکہ برعکس ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو آپ کے ادب کو ایک منفرد اور

ممتاز مکتب بناتی ہے۔

آپ حضرت کے اسلوب کے تعارف کے بعد ہم آپ کے اختیار فرمودہ موضوعات کے مطابق آپ کا کلام پیش کرتے ہیں۔

# حمد و ثناء باری تعالیٰ

باری تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ایسی **لایدرک الابصار** اور وراءُ الوریٰ عظمت اور شان ہے کہ اس کی جناب سے آنے والے انبیاء اور مرسلین بھی اس کو بیان کرنے کا یہی طریق اختیار کرتے ہیں کہ جو اس عالی جناب نے اپنی شان میں کہا ہے اس کی وہی حقیقی شان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حقیقی عظمت کو جانتا ہے اور انسان کو یہ عرفان اس کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے اور یہ عرفان اُسی میں محقق ہوتا ہے جو عاشقِ الٰہی ہو بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ ثنائے باری تعالیٰ کا سب سے بڑا محرک اور مُجرا محبتِ الٰہی ہی ہے جس کو اللہ نے ایک شرط کے طور پر قائم کیا ہے۔

فرمایا:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ... **الی الآخر** (ال عمران: 32)

حضرت اقدس اس فرمان الٰہی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہولو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ بخشندہ اور رحیم ہے"

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

"روحانیت کی نشوونما اور زندگی کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ وہ اتباع رسول ہے...... قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو وہ یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:166) کے مصداق ہو اور فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (الِ عمران: 32) پر عمل کرو اور ایسی فناء اتم تم پر آجائے کہ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزمل: 9) کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کرلو"۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت ال عمران:32)

قرب الٰہی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے باری تعالیٰ کی عظمت و شان کا حقیقی مشاہدہ کرنے والے انبیاء علیہ السلام ہی ہوتے ہیں اور زمرۂ انبیاء میں قرب الٰہی میں سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہمارے پیارے آقا اور مطاع پاک محمد مصطفٰے نبیوں کے سردار ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرفان کو سب سے اوّل بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

"لا اُحصِیُ ثَنَاءً عَلَیۡکَ اَنتَ کَمَا اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِکَ"

(مسلم کتاب الصلاۃ باب مایقول فی الرکوع و السجود)

(اے اللہ) میں تیری ثناء کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ تیری ثناء وہی ہے جو تو نے خود کی ہے۔

آپ صلعم کے نائب اور مہدی آخرزمان نے بھی آپ ہی سے تعلیم پا کر وہی بات کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے ذُوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

عربی میں فرماتے ہیں۔

یَا مَنۡ اَحَاطَ الۡخَلۡقَ بِالۡاٰلَاءِ نُثۡنِیۡ عَلَیۡکَ وَ لَیۡسَ حَوۡلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

اسی کمی کی وجہ سے خدا کی حمد کے لیے خدا تعالیٰ سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔

بِکَ الۡحَوۡلُ یَا قَیُّوۡمُ یَا مَنۡبَعَ الۡھُدیٰ فَوَفِّقۡ لِیۡ اَن اُثۡنِیۡ عَلَیۡکَ وَ اَحۡمَدَا

اے قیوم! اے سرچشمۂ ہدایت! تجھ ہی سے طاقت ملتی ہے۔ پس مجھے توفیق دے کہ میں تیری ثنا کروں اور حمد کروں

ان فرمودات کے بعد یہ امر تو ثابت ہے کہ باری تعالیٰ کی حمد وثنا کے مضمون میں کچھ بیان کرنا اس کو زیب دیتا ہے جو محبوب الٰہی ہو اور جس کو دیدار اور گفتار باری تعالیٰ نصیب ہوا ہو۔

جیسے فرماتے ہیں۔

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی

ان گذارشات کی روشنی میں ہم یہ جائزہ لیں گے کہ حمد وثناء کے معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا راہنمائی فرمائی ہے۔

اوّل قدم پر آپ حضرت نے الحمدللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اللّٰہ" خدا تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور

یہ اسمِ اعظم ہے اور وہ موصوف ہے اپنی اُن تمام صفات کا جو اس نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں۔
فرماتے ہیں:

''خداتعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے''

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرآیت)

حضرت اقدس لفظ ''حمد'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

**وما تعلم ما الحمد و التحمید و لم اعلٰی مقامه الرب الوحید. و کفٰی لک من عظمته ان الله ابتدء به کتابه الکریم. لیبیّن للناس عظمة الحمد و مقامه العظیم. وانه لایفور من قلب الّا بعد الھویّة والذوبان. ولایتحقق اِلّا بعد الانسلاخ و دوس اھواء النفس الثعبان. ولا یجری علی لسان الّا بعد اضطرام نار المحبة فی الجنان. بل لا یتحقق الا بعد زوال اثر الغیر من الموھوم و الموجود. ولا یتولد الّا بعد الاحتراق فی نار محبة المعبود.**

اور تجھے کیا خبر ہے کہ حمد کہتے کس کو ہیں اور کیوں اس کا بلند پایہ ہے۔ اور اُس کی عظمت سمجھنے کے لئے تجھے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن شریف کی تعلیم کو حمد سے ہی شروع کیا ہے تا لوگوں کو حمد کے مقام کی بلندی سمجھاوے جو کسی دل میں سے بجز گدازش اور محویت کے جوش نہیں مار سکتی۔ اور اُسی وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ مارنفسِ امّارہ کچلا جائے۔ اور نفسانی چولہ اتارلیا جائے۔ اور یہ حمد کسی زبان پر جاری نہیں ہوسکتی بجز اس کے کہ پہلے دل میں محبت کی آگ بھڑکے۔ بلکہ یہ وجود پذیر ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ غیر کا نام ونشان بکلّی زائل نہ ہوجائے اور پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ ایک شخص آتشِ محبتِ معبودِ حقیقی میں جل نہ جائے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 12، ر۔خ جلد 14)

حمد کی تعریف کے بعد حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ حمد وثناء باری تعالیٰ میں سب سے اعلیٰ منصب ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کیونکہ
فرماتے ہیں:

**وضمخه بعطر نعمه ازید مما ضمخ احدا من الانبیاء و علمه من لدنه و فھّمه من لدنه و عرّفه من لدنه و طھّره من لدنه و ادبه من لدنه و غسله من لدنه بمَاء**

**الاصطفاء . فوجب علیه حمد ھٰذا الرب الذی کفل کل امرہ بالاستیفاء. ادخلہ تحت رداء الایواء.و اصلح کل شانہ بنفسہ من غیرہ منۃ الاساتذ الاٰباء و الامراء . و اتمّ علیہ من لدنہ جمیع انواع الاٰلاء و النعماء فحمدہ روح النبیّ بحمد لا یبلغ فکر الی اسرارہ. و لاتدرک ناظرۃ حدود انوارہ . و بالغ فی الحمد حتّی غاب و فنا فی اذکارہ.**

اور خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے عطر سے اسقدر آنجناب کو معطّر کیا کہ اس سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں کیا گیا۔ خدا نے اپنے پاس سے آپ کو علم دیا اور اپنے پاس سے فہم عطا کیا۔ اور اپنے پاس سے معرفت بخشی ۔ اور اپنے پاس سے پاک کیا۔ اور اپنے پاس سے ادب سکھلایا اور برگزیدگی کے پانی سے اپنے پاس سے نہلایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس خدا کی تعریف کرنا واجب ہو گیا جو اس کے ہر ایک کام کا آپ متکفل ہوا۔ اور اپنی پناہ کی چادر کے نیچے جگہ دی۔ اور ہر ایک کام آنحضرتؐ کا اپنی توجہ خاص سے بغیر توسط استادوں اور باپوں اور امیروں کے بنایا۔ اور اپنے پاس سے اُس پر ہر ایک قسم کی نعمت پوری کی ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح نے خدائے تعالیٰ کی وہ تعریف کی جو کوئی فکر اُس کے بھیدوں تک نہیں پہنچ سکتا اور کوئی آنکھ اُس کے نوروں کی حدود کو پا نہیں سکتی ۔ اور اس نے خدا کی تعریف کو کمال تک پہنچایا یہاں تک کہ اُس کے ذکروں میں گم اور فنا ہو گیا۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 4،5، ر۔خ جلد 14)

ان عنایات بے پایاں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وہ بے مثال تعریف کی کہ کسی اور کو نصیب نہیں۔

فرماتے ہیں:

**ففار قلبہ لتحمید ھٰذا المحسن حتی صار الحمد عین مرادہ. و ھٰذہ مرتبۃ ما اعطاھا اللّٰہ لغیرہ من الرسل و الانبیاء و الابدال و الاولیاء. فانھم وجدوا بعض معارفھم و علومھم و نعمھم بوساطۃ العلماء و الاٰباء و المحسنین و ذوی الاٰلاء. و اما نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم فوجد کل ما وجد من حضرۃ الکبریاء.**

پس اُس محسن کی تعریف کے لئے اُس کے دل نے جوش مارا اور خدا تعالیٰ کی تعریف اُس کی

دلی مراد ہوگئی۔ اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز اُس کے کسی کو رسولوں اور نبیوں اور ابدالوں اور ولیوں میں سے عطا نہیں ہوُا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے بعض معارف اور علوم اور نعمتیں بتوسط عالموں اور باپوں اور احسان کرنے والوں کے پائی تھیں۔مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پایا جناب الٰہی سے پایا۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 6، ر۔خ جلد 14)

اِس عظیم الشان حمد وثناءِ باری تعالیٰ کے بعد ایک علوی نکتہ معرفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تعریفوں کو انعام کے طور پر واپس کر دیتا ہے اور حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔

فرماتے ہیں:

**و کذالک جرت سنته بکل صدّیق وحید. فحمّد محمدنا فی الارض و السماء بامر ربّ مجید. و فی ھٰذا تذکرة للعابدین. و بشریٰ لقوم حامدین. فان اللّٰہ یردّ الحمد الی الحامد و یجعله من المحمودین. فیُحمد فی العالمین.**

اور تمام یگانہ صدیقوں سے اُس کی یہی عادت ہے کہ وہ حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔ پس ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان میں تعریف کیا گیا اور اِس قصے میں پرستاروں کے لئے یاد رکھنے کی بات ہے۔ اور خدا کے ثناخوانوں کو اس میں بشارت ہے۔ کیونکہ خدا تعریف کرنے والے کی تعریف کو اُسی طرف ردّ کر دیتا ہے۔ اور اُسکو قابل تعریف ٹھیرا دیتا ہے۔ پس وہ دنیا میں تعریف کیا جاتا ہے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 8، ر۔خ جلد 14)

اور پھر فرماتے ہیں وہی ہے جس کو اوّل احمد کے نام سے پکارا جاتا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کی عظیم الشان تعریف کی ہوتی ہے اور اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اسکو محمدؐ کا نام دیتا ہے تا کہ اس کی تعریف ہو۔ فرماتے ہیں:

**و ھوا لذی یدعٰی فی السماء باسم احمد و یقرب و یدخل فی بیت العزّ ة و قصار ة الدار. و ھی دارالعظمة و الجلال یقال استعارة ان اللّٰہ بناھا لذاته القھار. ثم یعطیه لحمّاد وجھه فیکون له کالبیت المستعار. فیحمد ھٰذا الرجل فی السماء و الارض بامر اللّٰه الغفّار . ویدعٰی باسم محمّد فی الافلاک و البلاد والدیار. و معناه انه حَمّد حَمُدًا کثیرًا و اتفق علیه الاخیار من غیر الانکار. و ان ھٰذین الاسمین قد وُضعا لنبیّنا من یوم بناء ھٰذه الدار.**

اور وہی شخص ہے جس کو آسمان میں احمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور قریب کیا جاتا ہے اور عزّت کے گھر اور قصارۃ الدار میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ عظمت اور جلال کا گھر ہے جو بطور استعارۃ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اس کو اپنی ذات کیلئے بنایا پھر اس گھر کو بطور مستعار اُس کو دے دیتا ہے جو اُس کی ذات کا ثنا خوان ہو۔ پس یہ شخص زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ساتھ تعریف کیا جاتا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں محمّد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ بہت تعریف کیا گیا۔ اور یہ دونوں اسم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتدا دنیا سے وضع کئے گئے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 13،14، ر۔خ جلد 14)

اور آخر پر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے بعد حمد وثناء باری تعالیٰ کی قبولیت کا یہ منصب اس کو بھی دیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور اظلال ہو۔

فرماتے ہیں:

**ثم یعطیان للذی صار له کالاظلال و الاٰثار. و من اُعطی من هٰذین الاسمین بقبس فقد انیر قلبه بانواع الانوار. و قد جریٰ علیٰ شفتی الرسول المختار. ان اللّٰه یرزق منهما عبدًا له فی اٰخر الزمان کما جاء فی الاخبار. فاقرء وا ثم فکّروا یا اولی الابصار.**

پھر بعد اس کے اس شخص کو بطور مستعار دیے جاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور اظلال و آثار ہو۔ اور جس شخص کو ان دونوں ناموں سے ایک چنگاری دی گئی تو اس کا دل کئی قسم کے نوروں سے روشن کیا گیا۔ اور رسول مختار کے لب مبارک پر جاری ہوا تھا کہ خدا تعالیٰ آخری زمانہ میں ایک اپنے بندے میں یہ دونوں صفتیں جمع کر دیگا جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔ پس اے دانشمندو! اِن حدیثوں کو پڑھو اور سوچو۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 14، ر۔خ جلد 14)

یہ وہی معرفت ہے جو حضرت اقدس نے سورۃ القصص کی ذیل کی آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: 71)

فَامأ فِیہ اِلٰی اَحمَدَینِ وَ جَعَلَھُمَا مِن نُعَمَائِہِ الکَاثِرَۃِ . فَالاَوَّلُ مِنھُمَا اَحمَدُ نِ المُصطَفٰی وَ رَسُولُنَا المُجتَبٰی وَ الثَّانِی اَحمَد اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِی سُمِّیَ مَسِیحًا وَ مَھدِیًّا مِّنَ اللّٰہِ المَنَّانِ . وَ قَد اسۡتُنبِطَتُ ھٰذِہِ النُّکتَۃُ مِن قَولِہٖ. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ. فَلۡیَتَدَبَّرۡ مَنۡ کَانَ مِنَ الۡمُتَدَبِّرِیۡنَ

(ترجمہ از مرتب) اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفٰی اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا احمد احمدِ آخر الزمان ہے جس کا نام مُحسن خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی بھی رکھا گیا ہے۔ یہ نکتہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے قول اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ سے اخذ کیا ہے۔ پس ہر غور و فکر کرنے والے کو غور کرنا چاہئیے۔

(اعجاز المسیح ، ر۔خ جلد 18 صفحہ 139)

اس مضمون کی مزید وضاحت میں فرماتے ہیں:

فَحَاصِلُ ھٰذَا الۡبَیَانِ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اَحۡمَدَیۡنِ فِیۡ صَدۡرِ الۡاِسۡلَامِ وَ فِیۡ اٰخِرِ الزَّمَانِ. وَ اَشَارَ اِلَیۡھِمَا بِتَکۡرَارِ لَفۡظِ الۡحَمۡدِ فِیۡ اَوَّلِ الۡفَاتِحَۃِ وَ فِیۡ اٰخِرِھَا لِاَھۡلِ الۡعِرۡفَانِ وَ فَعَلَ کَذَالِکَ لِیَرُدَّ عَلَی النَّصۡرَانِیِّیۡنَ. وَ اَنۡزَلَ اَحۡمَدَیۡنِ مِنَ السَّمَاءِ لِیَکُوۡنَا کَالۡجِدَارَیۡنِ لِحِمَایَۃِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ.

(ترجمہ از مرتب) پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے ایک اِسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور ایک آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں اَلْحَمْد کا لفظاً و معناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اُتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔

(اعجاز المسیح ، ر۔خ جلد 18 صفحہ 198)

اس مضمون کو حضرت اقدسؑ نے ایک نہایت درجہ حسین اور جاں فزا نظم میں بیان کیا ہے۔ دونوں احمدوں کا ذکر بھی ہے اور عیسائیوں سے خطاب بھی ہے کہ انہوں نے خدائے واحد کی عظمت و شان کو بھلا کر وہ منصب ابنِ مریم کو دے دیا ہے فرماتے ہیں۔

زندگی بخش جامِ احمدؐ ہے — کیا ہی پیارا یہ نامِ احمدؐ ہے

لاکھ ہوں انبیاءؑ مگر بخُدا سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا میرا بُستاں کلامِ احمدؐ ہے

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

مشاہدہ کریں کہ جامِ احمد میں کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی کبریائی کا آبِ زمزم ہی تو ہے۔
یہی وہ ثمر ہے جو آپ نے اپنے آقا کے باغ سے نوش فرمایا اور اس کی برکت سے الٰہی عظمت وشان اور مدح وثناء کو حضرت عیسیٰؑ سے چھین کر باری تعالیٰ کے قدموں میں ڈال دیا۔
اس طور سے آپ

ابنِ مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے____بن گئے

حمد وثناء کے عنوان میں حضرت اقدس کے الفاظ میں اس موضوع کی ''تعریف'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اِن کے نائب اور وارث کا حمد باری تعالیٰ کی نسبت سے منصب بیان کرنے کے بعد ہم رسول اکرمؐ کے فرمان لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ. اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام عظمتوں اور صفاتِ حسنہ کا احاطہ نہیں کرسکتا مگر جیسا کہ حضرت اقدس نے بیان فرمایا ہے کہ انسانوں میں جس کو سب سے اعلیٰ ثناء باری تعالیٰ کرنے کا افتخار ملا ہے وہ ہمارے مولیٰ وآقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ آقاءِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اس منصب علوی کے بیان میں فرماتے ہیں:

**عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَ حُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ عَلٰی اَحَدٍ قَبْلِیْ.**

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل باب قولہ ذریۃ من حملنا مع نوح)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے محامد اور ثناء کے معارف اس طور پر کھولے ہیں کہ مجھ سے قبل کسی اور شخص پر اس طرح نہیں کھولے گئے۔
باری تعالیٰ کی حمد کی نسبت آپ کا مقام سب سے اعلیٰ ہے مگر اس فرمان کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی بے حد وانتہاء عظمتوں کا عرفان رکھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ کسی انسان سے ان عظمتوں کا احاطہ

کر لینا ممکن نہیں۔اسی عرفانِ ذاتِ باری تعالیٰ کے اظہار میں فرمایا:

**لااُحصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ. اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ**

(مسلم کتاب الصلوٰة باب مایقول فی الرکوع و السجود)

اس فرمان کے اتّباع میں اور رہنمائی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم ثناء باری تعالیٰ کے مضمون کو فرمودات قرآن اور ارشاد رسول اکرم (اوران دونوں ماخذوں کی جوتعبیر وتفسیر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے) کے دائرے میں محدود رکھیں۔

دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے جس ثناء کی طرف اشارہ کیا ہے وہ قرآن کریم میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے محامد ہیں۔

چنانچہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات میں بے انتہا اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی حمد وثناء کس طور سے کی ہے

اوّل مقام پر حضرت اسم اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''اللہ جو خدائے تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفات کاملہ کا مستجمع ہے......کہتے ہیں کہ اسم اعظم یہی ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں''۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرآیت)

اورتفصیلاً فرماتے ہیں:

**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ.**

**الحمد للّٰہ** ۔تمام محامد اِس ذات معبودِ برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔قرآنِ شریف کی اصطلاح میں اللہ اُس ذاتِ کامل کا نام ہے جو معبودِ برحق مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ اور تمام رذائل سے منزّہ اور واحد لاشریک اور مبدءِ جمیع فیوض ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآنِ شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لیے اُس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے پس خلاصہ مطلب الحمد للہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اُس میں کوئی دوسرا شریک نہیں!

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرآیت)

اس فرمان کی روشنی میں ''اللہ'' باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور قرآن میں جو دیگر صفات خداوندی بیان ہوئی ہیں وہ اسم اللہ ہی کی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اسم اللہ جو کہ اس کا اسم ذات اور اسم اعظم ہے دو ہزار سے زائد مرتبہ بیان ہوا ہے اور اگر ہم اسم ذات کے صفاتی اسماء باری تعالیٰ کا شمار کرنے لگیں تو وہ شمار میں اس قدر ہیں کہ یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے اسماء علوی پر ہی مشتمل ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی اس آیت کو یہ فخر بھی ہے کہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مرتبہ مکمل الفاظ میں ارشاد کیا ہے۔ جیسے فرمایا

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام: 46)

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس: 11)

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المومن: 66)

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الصافات: 182-183)

بہت مختصر بات یہ ہوئی کہ قرآن کریم میں ثناء باری تعالیٰ اسم ذات اور اسماء صفات کے معانی اور عرفان پر مشتمل ہے ان مناقب باری تعالیٰ کا حقیقی اور جامع بیان تو سورۃ الفاتحہ میں ہوا ہے جس میں اسم ذات کے ساتھ اللہ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں جن کو حضرت اقدس نے ام الصّفات قرار دیا ہے اور فرمایا کہ دیگر تمام صفات ان چار صفات کے ذیل میں آتی ہیں۔

فرماتے ہیں:

> سورۃ فاتحہ میں اُس خدا کا نقشہ دکھایا گیا ہے جو قرآن شریف منوانا چاہتا ہے اور جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے چنانچہ اُس کی چار صفات کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو امہات اُلصّفات کہلاتی ہیں جیسے سورۃ فاتحہ ام الکتاب ہے ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بھی ام الصفات ہی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ربّ العالمین الرّحمان الرّحیم ملک یوم الدین ان صفات اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آجاتا ہے۔
>
> (تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حضرت مسیح موعود کی قرآنی تفسیر و تعبیر کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بیان سے بھرا ہوا ہے بلکہ درحقیقت قرآن کا یہی موضوع ہے جو مختلف انداز میں بیان ہوا ہے کبھی اپنی صفات کی عظمت و شان کو ظاہر کر کے اور کبھی اپنی ذات کی عبادت کی تلقین فرما کر۔ جیسا کہ سورہ ہود میں فرمایا:

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ (ھود: 2-3)

حضرت ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ

ایک عجیب بات سوال مقدّر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علّت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات: 57)

ان ارشادات عالیہ کے اتّباع میں ہم نہایت درجہ عاجزی سے عرض کرتے ہیں کہ گو قرآن کریم ذات باری تعالیٰ کے بیان سے مملو ہے مگر اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس مضمون کو اس طور سے ترتیب دیا ہے کہ اوّل ان قرآنی فرمودات کو بیان کیا جائے جہاں پر باری تعالیٰ نے عمومی اور اصولی طور پر اپنی تسبیح و تحمید کی ہے اور دوسرے مقام پر ان فرمودات کو پیش کیا جائے جہاں باری تعالیٰ نے اپنی ذات کی ثناء کی ہے اور تیسرے مقام پر ان فرمودات کو پیش کیا جائے جہاں باری تعالیٰ نے اپنی صفاتی عظمت کو بیان فرمایا ہے۔ اصولی ثناء باری تعالیٰ کے عنوان میں اوّل سورۃ بنی اسرائیل کی آیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 45)

حضرت اقدسؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیہ کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (الاعراف: 173) کے ہر یک ذرّہ ذرّہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اس کشش سے ایک ذرّہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کے لئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ

بِحَمْدِہٖ یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لے گا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

اس مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ سورۃ الجمعہ زیر آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (الجمعة: 2)

قرآن کہتا ہے کہ یہ نہیں کہ زمین تقدیس سے خالی ہے بلکہ زمین پر بھی خدا کی تقدیس ہو رہی ہے نہ صرف آسمان پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 45)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی ذرہ ذرہ زمین کا اور آسمان کا خدا کی تحمید اور تقدیس کر رہا ہے اور جو کچھ ان میں ہے وہ تحمید اور تقدیس میں مشغول ہے۔ پہاڑ اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ دریا اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ درخت اس کے ذکر میں مشغول ہیں اور بہت سے راست باز اس کے ذکر میں مشغول ہیں اور جو شخص دل اور زبان کے ساتھ اُس کے ذکر میں مشغول نہیں اور خدا کے آگے فروتنی نہیں کرتا اُس سے طرح طرح کے شکنجوں اور عذابوں سے قضا وقدر الٰہی فروتنی کرا رہی ہے اور جو کچھ فرشتوں کے بارے میں خدا کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ نہایت درجہ اطاعت کر رہے ہیں۔ یہی تعریف زمین کے پات پات اور ذرہ ذرہ کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہر ایک چیز اُس کی اطاعت کر رہی ہے ایک پتہ بھی بجز اُس کے امر کے گر نہیں سکتا اور بجز اُسکے حکم کے نہ کوئی دوا شفا دے سکتی ہے اور نہ کوئی غذا موافق ہو سکتی ہے اور ہر ایک چیز غایت درجہ کے تذلّل اور عبودیت سے خدا کے آستانہ پر گری ہوئی ہے اور اس کی فرمانبرداری میں مستغرق ہے۔ پہاڑوں اور زمین کا ذرہ ذرہ اور دریاؤں اور سمندروں کا قطرہ قطرہ اور درختوں اور بوٹیوں کا پات پات اور ہر یک جُز اُن کا اور انسان اور حیوانات کے کُل ذرّات خدا کو پہچانتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اُس کی تحمید و تقدیس میں مشغول ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی جیسے آسمان پر ہر یک چیز خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے ویسے زمین پر بھی ہر ایک چیز

اُس کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

قرآن کے فرمودات کے مطابق حضرت اقدس نے ثناء باری تعالیٰ کے معنوں کو لامتناہی وسعتوں سے ہمکنار کردیا ہے۔اور کائنات کے ہر ذرہ کو اس کے قانونِ قدرت کی اطاعت سے سرِ موانحراف نہ کر سکنے کو اس کی ثناء کرنے اور اس کی کبریائی کو قبول کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور ایسا ہی لازم بھی تھا کیونکہ جس طور سے اس کی لامتناہی عنایات ہیں ویسے ہی اس کی ثناء بھی لامتناہی ہوگی۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بہت مقامات میں بیان کیا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید:2)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:2)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الصف:2)

فارسی زبان میں حضرت اقدس باری تعالیٰ کی اس اصولی اور آفاقی ثناء کے بیان میں بہت ہی خوبصورتی اور محبت سے عرض کرتے ہیں۔

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار — کز وجودش ہر وجودے آشکار

خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا

ایں جہاں آئینہ دارِ روئے اُو — ذرّہ ذرّہ رہ نماید سوئے اُو

جہان اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے۔ ذرّہ ذرّہ اُسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے

کرد در آئینہ ارض و سما — آں رُخِ بے مثلِ خود جلوہ نما

اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا

ہر گیاہے عارفِ بُنگاہِ اُو — دست ہر شاخے نماید راہِ اُو

اس کا ہر پتّہ اس کے کون ومکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اُسی کا راستہ دکھاتی ہے

نُورِ مہر و مہ زِ فیضِ نُور اُوست — ہر ظہورے تابعِ منشورِ اُوست

چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اُسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے

ہر سرے سِرّے زِ خلوتِ گاہِ اُو — ہر قدم جوید درِ باجاہِ اُو

ہر سَر اُس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اُسی کا باعظمت دروازہ تلاش کرتا ہے

مطلب ہر دل جمالِ روئے اُوست گمرہے گرہست بہرِ کوئے اُوست

اُسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اُسی کے کوچہ کی تلاش میں ہے

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثناء اپنی ذات کی عظمت اور صفات کے حسن و جمال کے اظہار میں بیان کی ہے اس لئے ثناء کے مضمون میں قرآن کریم کے اصولی بنیادی فرمودات پیش کرنے کے بعد ہم خدا تعالیٰ کے ان فرمودات کو پیش کرتے ہیں جن میں باری تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی عظمت کو بیان کیا ہے

اس عنوان میں ہم نے اوّل سورۃ البقرۃ کی آیت الکرسی کا انتخاب کیا ہے اور دوم سورۃ الاخلاص کا۔ یہ انتخاب دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جیسا کہ آپ نے اس آیت کریمہ کو ''سیّدۃ آیۃ القرآن'' یعنی آیات قرآنیہ کی سردار کہا ہے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن)

اور سورۃ اخلاص کے بارے میں فرمایا:

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ'' (ترمذی کتاب فضائل القرآن)

یعنی سورۃ الاخلاص قرآن کریم کا ثلث ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرۃ:256)

حضرت اقدسؑ اس آیت کریمہ کے معانی اور تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی وُہی خدا ہے اُس کے سِوا کوئی نہیں وہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اس آیت کے لفظی معنے یہ ہیں کہ زندہ وُہی خدا ہے اور قائم بالذات وہی خدا ہے۔ پس جبکہ وُہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذات ہے تو اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو اس کے سِوا زندہ نظر آتا ہے وُہ اُسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اسی کی ذات سے قائم ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

فرماتے ہیں:

حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفاتِ حقیقیہ خاص خدا کے لیے ہیں کوئی اُن میں اُس کا شریک نہیں وہی بذاتہٖ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعہ سے ہیں۔ اور وہی اپنی

ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطّل حواس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اُس پر جائز نہیں۔مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے کون ہے جو بغیر اُس کے حکم کے اُس کے آگے شفاعت کرسکتا ہے وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کرسکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔اس کی قدرت اور علم کا تمام زمین وآسمان پر تسلط ہے وہ سب کو اُٹھائے ہوئے ہے یہ نہیں کہ کسی چیز نے اُس کو اٹھا رکھا ہے اور وہ آسمان وزمین اور اُن کی تمام چیزوں کے اُٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اُس کی طرف منسوب کی جائے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

اور فرماتے ہیں

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۔یعنی خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین وآسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ اُن سب کو اٹھائے ہوئے ہے ان کے اٹھانے سے وہ تھکتا نہیں ہے اور وہ نہایت بلند ہے کوئی عقل اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی اور نہایت بڑا ہے اس کی عظمت کے آگے سب چیزیں ہیچ ہیں۔ یہ ہے ذکر کرسی کا اور یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے یہ جتلانا منظور ہے کہ زمین وآسمان سب خدا کے تصرّف میں ہیں اور ان سب سے اس کا مقام دور تر ہے اور اس کی عظمت ناپیدا کنار ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

دوسرے نمبر پر باری تعالیٰ کی ثناء ذاتی کے اظہار کے لیے ہم نے سورۃ الاخلاص کا انتخاب کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

(الاخلاص : 2-5 )

حضرت اقدسؑ اس سورۃ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں

حُسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دِل کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حُسنِ باری تعالیٰ اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور بزرگی اور

صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرّہ ذرّہ اسی سے زندگی پاتا ہے۔ وہ کُل چیزوں کے لئے مبداءِ فیض ہے اور آپ کسی سے فیض یاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ۔ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمت دکھلا کے لوگوں کو توجّہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کو مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

ایک اور مقام پر اس سورۃ کی نہایت درجہ عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کی صاف تعلیم یہ ہے کہ وہ خداوندِ وحید وحمید جو بالذات توحید کو چاہتا ہے اُس نے اپنی مخلوق کو متشارک الصفات رکھا ہے اور بعض کو بعض کا مثیل اور شبیہ قرار دیا ہے تا کسی فردِ خاص کی کوئی خصوصیّت جو ذات و افعال و اقوال اور صفات کے متعلق ہے اِس دھوکہ میں نہ ڈالے کہ وہ فردِ خاص اپنی بنی نوع سے بڑھ کر ایک ایسی خاصیّت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص نہ اصلاً و نہ ظلاً اس کا شریک نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح کسی اپنی صفت میں واحد لاشریک ہے چنانچہ قرآن کریم میں سورۃ اِخلاص اِسی بھید کو بیان کر رہی ہے کہ احدیّتِ ذات وصفات خدا تعالیٰ کا خاصّہ ہے۔ دیکھو اللہ جل شانہ فرماتا ہے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

ثناء باری تعالیٰ کے مضمون میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کے حوالہ سے قرآن کریم کے بیان فرمودہ دو اہم نمونے پیش کرنے کے بعد ہم ان فرمودات کو پیش کریں گے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء صفاتی میں اپنی عظمت و شان اور حسن و جمال پیش کیا ہے۔ چنانچہ ہم گذشتہ میں باری تعالیٰ کے اسم ذات ''اللہ'' کے عنوان میں عرض کر چکے ہیں کہ ''اللہ'' کا اسم گرامی قرآن کریم میں کئی ہزار مرتبہ بیان ہوا ہے۔ اُس طور سے اگر باری تعالیٰ کے اسماء صفاتی کو شمار کرنے لگیں تو اس تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو بے حد و شمار کہا جائے تو درست ہوگا۔ شاید ہی کوئی آیت قرآنیہ ایسی ہوگی جس کے اوّل آخر میں کسی صفاتی اسم باری تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اور اکثر آیات تو ایسی ہیں جنھوں نے کئی صفات باری تعالیٰ کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہم نے قرآن کریم کے اسماء صفاتی کے بیان میں بھی صرف دو فرموداتِ قرآن کو اختیار کیا ہے۔

جن میں اوّل سورۃ الفاتحہ ہے اور دوم درجہ پر سورۃ الحشر کی آخری تین آیات ہیں۔ یہ انتخاب ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت ہے

سورۃ الفاتحہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کی سورتوں میں عظیم تر سورۃ ہے یہی قرآن العظیم اورسبع المثانی ہے

جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں فرمانِ رسولؐ ہے:

**عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ اُجِبْہُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ فَقَالَ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ ﴿اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ﴾ ثُمَّ قَالَ لِیْ لَاُعَلِّمَنَّکَ سُوْرَۃً ھِیَ اَعْظَمُ السُّوَرِ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یَخْرُجَ قُلْتُ لَہٗ اَلَمْ تَقُلْ لَاُعَلِّمَنَّکَ سُوْرَۃً ھِیَ اَعْظَمُ السُّوَرِ فِی الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ.**

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن)

ترجمہ: ابن سعید بن معلٰی سے روایت ہے: انہوں نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں ایک دن نماز ادا کرر ہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نماز سے فارغ ہوکر حاضر ہوااورعرض کیا کہ یارسول اللہ میں نماز میں تھا، اس لیے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی۔آپ نے فرمایا، کیا اللہ تعالٰی نے یہ حکم نہیں دیا کہ جب تم کو اللہ کا رسول بلائے تو فوراً اُس کی خدمت میں پہنچو۔اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں، تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو کہ ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر جانے لگے۔ میں نے یاددہانی کرائی تو ارشاد ہوا کہ وہ **الحمد** کی سورت ہے۔اوراس میں سات بار بار دہرائی جانے والی آیات ہیں جن کو سبع مثانی کہتے ہیں۔اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس سورت کی شان اوراس میں ثناء باری تعالٰی کے بیان میں فرماتے ہیں:

**انَّ لـلـفـاتـحة اسـماءً اُخری منها سورة الحمد بما افتتح بحمد ربّنا الاعلٰی و منهـاا اُمُّ الْـقُـرْاٰنِ بِـمَـا جَمَعَتُ مَطَالِبَهٗ کُلَّهَا بِاَحْسَنِ الْبَیَانِ. وَتَأَبَّطَتُ کصدف دُررالفرقان و صارت کَعُشٍّ لِّطیرِ الْعِرُفَانِ**

سورۃ فاتحہ کا دوسرا نام سورۃ الحمد: سورۃ فاتحہ کے اور نام بھی ہیں جن میں سے ایک سورۃ الحمد بھی ہے کیونکہ یہ سورۃ ہمارے ربّ اعلیٰ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔

سورۃ فاتحہ کا تیسرا نام اُمّ القرآن: سورۃ فاتحہ کا ایک نام امّ القرآن بھی ہے کیونکہ وہ تمام قرآنی مطالب پر احسن پیرایہ میں حاوی ہے اور اس نے سیپ کی طرح قرآن کریم کے جواہرات اور موتیوں کو اپنے اندر لیا ہوا ہے اور یہ سورۃ علم و عرفان کے پرندوں کے لیے گھونسلوں کی مانند بن گئی ہے

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں

اس کا نام ام الکتاب بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا اس میں خلاصہ اور عطر موجود ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

**و مـن الـممکن ان یکون تسمیة هٰذه السورة باُمِّ الکِتٰبِ نَظَرًا الٰی غَایة التعلیم فـی هٰـذا الُبـاب. فَاِنّ سُلوک السالکین لایتمّ الا بعد ان یستولی علٰی قلوبهم عـزة الربوبیة وذلة العبودیة و لن تجد مرشدا فی هٰذا الامر کهذهِ السور ة من الحضرة الاحـدیة اَلاتری کیف اظهر عزة الله و عظمته بقوله الحمد لله ربّ العٰلمین الٰی مالک یوم الدین.**

سورۃ فاتحہ کا چوتھا نام: اس سورۃ کا چوتھا نام امّ الکتاب رکھنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ امور روحانیہ کے بارے میں اس میں کامل تعلیم موجود ہے، کیونکہ سالکوں کا سلوک اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے دلوں پر ربوبیت کی عزت اور عبودیت کی ذلت غالب نہ آجائے۔ اس امر میں خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے نازل شدہ سورت فاتحہ جیسا رہنما اور کہیں نہیں پاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اُس نے کس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے لے کر مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک کیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں۔

**و من اسماء هٰذه السورة السبعُ المثاني. وسبب التسمية انها مثنى نصفها ثناء العبد للرب و نصفها عطاء الرب للعبد الفاني. وقيل انها سميت المثانی بها انها مستثناة من سائر الكتب الالٰهية و لا يوجد مثلها فی التوراة ولا فی الانجيل و لا فی الصحف النبوية.**

سورۃ فاتحہ کا پانچواں نام السبع المثانی: اس سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام سبع مثانی ہے اوراس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے دو حصے ہیں، اس کا ایک حصہ بندہ کی طرف سے خدا کی ثناء اور دوسرا نصف فانی انسان کے لیے خدا تعالیٰ کی عطا اور بخشش پر مشتمل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس کا نام السبع المثانی اس لیے ہے کہ یہ سورۃ تمام کتب الٰہیہ میں امتیازی شان رکھتی ہے اور اس کی مانند کوئی سورۃ تورات یا انجیل یا دوسرے صحف انبیاء میں نہیں پائی جاتی۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

**كمالايخفى على اهل الدهاء و اما تخصيص ذكر الربوبية و الرحمانية والمالكية فی الدنيا و الاٰخرة فلاجلٍ ان هٰذه الصفات الاربعة امّهات لجميع الصفات المؤثرة المفيضة. ولاشک انها محركات قوية لقلوب الداعين.**

جیسا کہ عقلمندوں پر پوشیدہ نہیں لیکن ان چاروں صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کا ذکر جن کا تعلق دنیا و آخرت سے ہے خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ چاروں خدا کی تمام صفات کی اصل ہیں اور بلاشبہ کہ یہ چاروں صفات خدا کی باقی تمام موثر اور مفیض صفات کے لیے بطور اصل کے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ دعا کرنے والوں کے دلوں میں زبردست تحریک پیدا کرنے والی ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی صفاتی ثناء کے بارے میں یہ وضاحت تو ہوگئی کہ سورۃ الفاتحہ کی تین آیات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اصولی طور پر باری تعالیٰ کی تمام صفات حسنہ کا اصل اور منبع ہیں۔ اس لئے جب ان صفات اربعہ کا بیان حضرت اقدسؑ کی تفسیر وتعبیر کے مطابق ہوگیا تو گویا تمام صفات حسنہ باری تعالیٰ میں جو ثناء ہوئی ہے اس کا بیان ہوگیا ہے۔

سورۃ الفاتحہ اوراس میں بیان شدہ امّ الصفات کے بارے میں اس حقیقت کا اظہار کرنا بھی اشد ضروری ہے کہ اس مضمون میں حضرت اقدسؑ کے فرمودات دراصل ان کے آقا ومطاع صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہیں۔جیسا کہ ذیل کی حدیث نبویؐ میں بیان ہوا ہے کہ سورۃ الفاتحہ امّ القرآن ہے۔اوراس میں بیان شدہ صفات اربعہ دراصل حمد وثناء باری تعالیٰ کواس قدر محبوب ہے کہ ان کو پیش کرنے والے کی ثناء کو محبت سے قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**عن ابی هریرة عَن النّبیّ ﷺ قال من صلّی صَلاةً لم یقرأْ فیها بام القرآن فهی خِداجٌ ثَلاثًا غَیْرُ تَمَامٍ فقیل لأبی هُریرة انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسک فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول قال الله تعالیٰ قَسَمْتُ الصَّلوٰةَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ ﴿مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وقَالَ مَرّةً فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ فَاِذَا قَالَ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾قَالَ هٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ فَاِذَا قَالَ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ﴾قَال هٰذَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ**

**(مسلم کتاب الصلوة)**

ترجمہ:ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو اُس کی نماز پوری نہیں ہوئی بلکہ اس کی نماز ناقص رہی۔ یہ جملہ آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا۔لوگوں نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ابو ہریرہؓ نے جواباً کہا اس وقت تم لوگ آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزّ وجل کا یہ قول بیان فرماتے سُنا ہے کہ نماز میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھی تقسیم ہو چکی ہے۔اور میرا بندہ جو سوال کرتا ہے وہ پورا کیا جاتا ہے۔جب کوئی شخص اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتا ہے تو اللہ عزّ وجل کہتا ہے میرے بندہ نے میری تعریف کی۔اور نمازی جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری توصیف کی۔اور جب نمازی مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی۔اور یوں بھی کہتا ہے کہ میرے بندہ نے اپنے سب کام میرے سپرد کردیے

ہیں۔اور جب نمازی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتا ہے۔تو اللہ عزوجل کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کا درمیانی معاملہ ہے میرا بندہ جو سوال کرے گا وہ اس کو ملے گا۔ پھر جب نمازی اپنی نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ سب میرے اس بندہ کے لیے ہے اور جو کچھ طلب کرے گا وہ اُسے دیا جائے گا۔

مگر اس خیال کے پیش نظر کہ ان صفات اربعہ کی ذیل اور تفصیل میں باری تعالیٰ نے جو اپنی ثناء اپنا حسن و جمال دکھایا ہے اس کو بھی ظاہر کرنا چاہیے۔ہم چند ایک فرمودات قرآن پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قبل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی بیشتر آیات میں خدا تعالیٰ کی صفاتی عظمت و شان بیان ہوئی ہے۔ اس لئے درحقیقت تمام فرمودات قرآن دراصل باری تعالیٰ کی ثناء ہی کا مضمون بیان کر رہے ہیں اور یہی قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ جس حکم اور علم کا بیان ہو رہا ہو اس کی محرک صفت الٰہی کا اظہار کر دیا جائے مگر بعض مقامات قرآن ایسے ہیں جس پر اللہ جل شانہ نے غایت درجہ جلال اور جمال سے اپنی عظمت و شان بیان کی ہے۔

اس مضمون کی ابتدا میں ہم سورۃ بنی اسرائیل اور آیت الکرسی اور سورۃ الجمعہ کی آیات کو پیش کر چکے ہیں۔ان کا شمار بھی ایسی ہی آیات میں آتا ہے مگر اس مقام پر ہم سورۃ الحشر کی آیات 23، 24، 25 پیش کرنا چاہتے ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

یہ وہ آیات ہیں جن کی عظمت و شان اور ان کی برکات کے ذکر میں ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مومن تعوّذ کے بعد ان آیات کو صبح کے وقت پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا اور اگر شام کو پڑھے گا تو صبح تک ایسا ہی ہوگا اور اگر اس دوران اس پر موت وارد ہو جائے تو اس کی موت شہادت کی موت ہوگی۔

**عن معقل ابن یسار عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال من قال حین یصبح**

**ثلاث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم و قرأ ثلاث آیات من آخر سورۃ الحشر وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتّٰی یُمْسِیَ و ان مات فی ذلک الیوم مات شہیدًا و من قالہا حین یمسی کان بتلک المنزلۃ**

(ترمذی کتاب فضائل القرآن عن رسول اللّٰہ)

ترجمہ: معقل بن یسار سے مروی ہے آپ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھ کر سورۃ حشر کی آخری تین آیات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستّر ہزار فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو اس کے لیے شام تک دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ اُس دن مرجائے تو اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔ اور یہ بھی کہ جس نے رات کو ایسا کیا اس کے لیے رات بھر اسی کے مطابق ہوگا۔

حضرت اقدسؑ نے ان آیات کی بہت تفصیلی اور پر معارف تفسیر فرمائی ہے جو آپ کی تفسیر میں سورۃ الحشر کے تحت بیان ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر ان آیات میں بیان شدہ صفات باری تعالیٰ کا وہ ترجمہ پیش کرتے ہیں جو حضرت اقدس نے کیا ہے۔

**هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ**

وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عٰلم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔

................ پھر فرمایا هو الرحمٰن یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں اُن کے لیے سامانِ راحت میسّر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمان کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہ الرحیم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزاء دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ

اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغِ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں ہے۔......

پھر فرمایا السَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔......

پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔

اور پھر فرمایا اَلْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کام بنانے والا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی وہ اللہ خالق ہے یعنی پیدا کنندہ ہے وہ باری ہے یعنی روحوں اور اجسام کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے۔ وہ مصور ہے یعنی صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ عطا کرنے والا ہے کیونکہ اسی کے لئے تمام اسماء حسنہ ثابت ہیں یعنی جمیع صفاتِ کاملہ جو باعتبار کمال قدرت کے عقل تجویز کرسکتی ہے اسکی ذات میں جمع ہیں۔ لہٰذا نیست سے ہست کرنے پر بھی وہ قادر ہے کیونکہ نیست سے ہست کرنا قدرتی کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے۔......اور پھر فرمایا یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اِس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حمد وثناء باری تعالیٰ کا مضمون دراصل جان ہے تمام روحانی اور جسمانی نظام زندگی کی۔ جیسے فرمایا

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:45)

جس کی تفسیر میں حضرت اقدس کا بیان ہے:

ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے اس کی طرف جھکنے کے

لیے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس لیے تمام معمولات زندگی اس مرکزی مضمون کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اگر یہی حقیقت ہے اور یقیناً ہے تو اس مضمون کی وسعتوں کا اندازہ بھی ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ باری تعالیٰ جل شانہ کی ثناء کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

ہمارے پیارے مسیح علیہ السلام نے کتنی محبت سے یہی بات کی ہے۔

**یا من احاط الخلق بالالاء نثنی علیک و لیس حول ثنائی**

اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ہم تیری تعریف کرتے ہیں مگر تعریف کی طاقت نہیں پاتے

اس صورت میں ہم نے اوّل تو یہ دستور بنایا ہے کہ حمد وثناء کے مضمون کو قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات تک محدود رکھیں۔ کیونکہ عرفان باری تعالیٰ کے ان سرچشموں کے سوا تو سب غیر ہیں اور

غیر کو غیر کی خبر کیا ہو
نظرِ دور کارگر کیا ہو

اس احتیاط کو قائم رکھتے ہوئے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ثناء باری تعالیٰ کے ان تیزی سے بہتے ہوئے چشموں سے اصولی فرمودات کے چلو بھر عنوانات لیے ہیں۔ کیونکہ اگر اختصار کی کوشش نہ کی گئی تو یہ عنوان تو بے انتہاء ہے۔

اس مقام تک ہم نے ثناء باری تعالیٰ کی تعریف عمومی ثناء اور باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عنوانات پیش کئے ہیں۔اس تسلسل میں ایک بہت اہم عنوان باقی رہ گیا ہے اُس کا نام ''ذکر الٰہی'' ہے اس عنوان کو ''اہم'' اس لیے گردانا گیا ہے کہ اوّل بیان کردہ مضامین دراصل علمی مضامین ہیں جن میں باری تعالیٰ کی عظمت وشان اور حسن و جمال کا ذکر علمی اور معلوماتی طور پر ہوا ہے۔مگر ''ذکر الٰہی'' کا مضمون ایک عملی مضمون ہے۔جس میں ثناء باری تعالیٰ کرنے کے آداب۔اس کی تلقین اور اس کی برکات کا ذکر ہوگا۔سب سے اوّل تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر الٰہی کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔دو ارشاد پیش خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا
(الاحزاب: 42،43)

اے مومنوں اللہ کا ذکر بہت کیا کرو اور صبح شام اسکی تسبیح کیا کرو

اور فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ: 153)

حضرت اقدس اس آیت کے معانی اور تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اور مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔اور میرا شکر کرو اور مجھ سے دعا مانگو۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھونگا اور میرا شکر کیا کرو میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اُس سے غفلت کا نام کفر ہے پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا یعنی آرام اور خوشحالی کے وقت تم مجھ کو یاد رکھو اور میرا قرب حاصل کرو تا کہ مصیبت میں تم کو یاد رکھوں۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اوّل بیان شدہ فرمان قرآن ہی کی تفسیر و تعبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں کہ

''تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں'' (حصن حصین)

اور فرمایا:

''تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہنی چاہیئے'' (حصن حصین)

اور فرمایا:

''اللہ کا ذکر کرنے والے اور نہ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے''
(حصن حصین)

ذکر الٰہی کے عنوان میں ہم سورۃ الفاتحہ میں بیان فرمودہ صفات اربعہ کا ذکر کر چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت درجہ پیاری حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سورۃ الفاتحہ کی ثناء کسقدر قبول خاطر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طور سے قرآن کریم باری تعالیٰ کے اسماء حسنہ سے معمور ہے اُسی طور پر احادیث نبوی ؐ میں

بھی بے شمار اذکار الٰہی مذکور ہیں۔ جو کہ تمام تر ثناء باری تعالیٰ ہی ہے۔

تاہم ایک فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جن اذکار کا تاکیدًا حکم ہے پیش کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

**عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قلت يا رسول الله و ما رياض الجنة قال المساجد قلت و ما الرتع يا رسول الله قال سبحان الله و الحمد لله و لا اله الا الله و الله اكبر**

**(سنن ترمذی کتاب الدعوات عن رسول الله)**

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تو جنّت کے باغوں میں سے گزرو تو ان میں چرو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جنّت کے باغ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا مسجدیں۔ میں نے عرض کی اور چرنا کیا ہے؟ فرمایا **سبحان الله و الحمدلله و لا اله الا الله و الله اكبر** کا ورد کرنا۔

ان اذکار کے متعلق یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتخاب قرآن کریم کے فرمودات کے مطابق ہی کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر مقامات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء انہی مبارک کلمات سے کی گئی ہے۔ اشارۃً ہم ہر کلمہ کی نسبت سے فرمودات قرآن کو پیش کرتے ہیں

(1) ''**سبحان الله**'' کے تحت باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا

**(الاحزاب: 42،43)**

اور پھر ذکرا کثیرا کی تفسیر و تعبیر میں فرمایا

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ **(الروم:18،19)**

پس اللہ کی تسبیح کرو جب تم شام کے وقت میں داخل ہو یا صبح کے وقت میں داخل ہو اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی تعریف ہے اور بعد دوپہر بھی اُس کی تسبیح کرو اور اسی طرح عین دوپہر کے وقت بھی۔

(2) ''الحمدللّٰہ''۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: 71)

حضرت اقدسؑ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کے لیے تمام محامد ثابت ہیں اور دُنیا و آخرت میں وہی منعم حقیقی ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر یک حکم ہے اور وہی تمام چیزوں کا مرجع و مآب ہے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

(3) ''ولا الہ الا اللہ''۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

(الحشر: 23)

حضرت اقدس لا الہ الا اللّٰہ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہی ایک سب کا ربّ ہے''

(سورۃ الحشر کی آیت 23۔24۔25 کی تفسیر حضرت اقدس گزشتہ میں بیان ہو چکی ہے)

(4) ''اللہ اکبر'' کے تحت باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(الجاثیة: 37،38)

پس اللہ جو آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے اور تمام جہانوں کا ربّ ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب بڑائی بھی اُسی کی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ثناء باری تعالیٰ کے تعارف کے اس نہ ختم ہونے والے مضمون کو ہم اس حد تک بیان کر کے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی شعری ثناء کے چند منتخب نمونے پیش کرتے ہیں۔ اسی پیش کش سے قبل یہ یاددہانی بہت ضروری ہے کہ ہم گذشتہ میں بہت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ حضرت کے ادبی شاہ پاروں کی خصوصیت اور محور محبتِ الٰہی ہے اس لئے ثناء باری تعالیٰ میں گو آپ باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی حمد و تعریف بھی کرتے ہیں مگر اس کا حقیقی محرک محبتِ الٰہی ہے۔ جس نے باری تعالیٰ کی عظمت اور حسن و جمال کو صرف علمی طور پر ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس کی محبت میں مبتلا ہو کر بیان کیا ہے۔ یہی وہ ''چیز'' ہے جو آپ کے کلام کو دیگر شعراء

کے کلام سے ممتاز کرتی ہے۔

الہام حضرت اقدسؑ:

’’در کلام تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست‘‘

(تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شاعروں کو نصیب نہیں ہوئی)

## ثناء باری تعالیٰ اردو زبان میں

مشرقی یا اسلامی ادب میں دستورادبی کے مطابق اکثر شعراء نے اپنے کلام کی ترتیب میں اس کا التزام کیا ہے کہ وہ مجموعہ کلام اوّل قدم پر ثناء باری تعالیٰ سے شروع ہو۔اس لیئے اردو شعراء میں یہ صنفِ شعر کافی معروف اور مقبول ہے۔مگر تمام دواوین اور مجموعہ ہائے اردو ادب کی چھان بین کرلیں ثناء باری تعالیٰ میں حضرت کی اس نظم کے چند اشعار ہی اِن سب پر بھاری ہوں گے۔

فرماتے ہیں:

حمدوثنا اُسی کو جو ذاتِ جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اِک دل کا یارِ جانی
دِل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اسکی عظمت
لرزاں ہیں اہلِ قُربت کرّوبیوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شُکرِ نعمت
ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلفت کب چاہے اسکی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

جو کچھ ہمیں ہے راحت سب اس کی جُود و منّت
اُس سے ہے دل کو بیعت دل میں ہے اسکی عظمت
بہتر ہے اُس کی طاعت طاعت میں ہے سعادت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دِلبر وہی ہمارا

اُس بِن نہیں گذارا غیر اُس کے جُھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یہ چند بند آپ حضور کی نظم بعنوان ’’محمود کی آمین‘‘ کا ابتدائیہ ہے اور دعائیہ نظم ہونے پر دستور ادب کے مطابق اوّل اشعار ثناء باری تعالیٰ کے ہیں۔ یہ وہ بند ہیں کہ جن کی بندش اور بیان کے حسن وخوبی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں کہ اردو ادب کے اسلوب کے لحاظ سے بے انتہا نرم ونازک کلام اور سہل ممتنع کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ اور ثناء کے ساتھ ساتھ محبتِ الٰہی ایسی ہے جیسے ایک شفاف صراحی سے قطرہ قطرہ آب کوثر ٹپک رہا ہے۔ درحقیقت ان کی کچھ ایسی ہی تاثیر ہے جس نے اِن کو ہر احمدی کا حرزِ جان بنا دیا ہے۔ اِن کا کوئی خوشی کا موقع اور قومی تہوار ایسا نہیں جہاں پر یہ بند بغرض دعا وبرکت پڑھے نہ جاتے ہوں۔

اس نوعیت کے چند ثناء کے اشعار خاکسار کو بہت پیارے ہیں۔ یہ اشعار حضرت اقدس نے بزبان حضرت امّاں جان اظہار تشکر میں رقم فرمائے ہیں:

ہے عجب میرے خُدا میرے پہ اِحساں تیرا
کِس طرح شکر کروں اے مِرے سُلطاں تیرا

ایک ذرّہ بھی نہیں تونے کِیا مجھ سے فرق
میرے اِس جسم کا ہر ذرّہ ہو قُرباں تیرا

سَر سے پا تک ہیں الٰہی ترے اِحساں مجھ پر
مُجھ پہ برسا ہے سَدا فضل کا باراں تیرا

فضل سے اپنے بچا مجھ کو ہر اک آفت سے
صدق سے ہم نے لیا ہاتھ میں داماں تیرا

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو ترا طالب ہے
کوئی رُسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا

آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں
کوئی ہو جائے اگر بندۂ فرماں تیرا

جس نے دِل تُجھ کو دیا ہوگیا سب کچھ اُس کا
سب ثنا کرتے ہیں جب ہووے ثناخواں تیرا

اِس جہاں میں ہے وُہ جنت میں ہی بے رَیب وگماں

وُہ جو اِک پختہ توکّل سے ہے مہماں تیرا

دیکھ لیں۔عجز ہے۔انکساری ہے۔انہیں میں لپٹا ہوا شکر اور حمد ہے محبان الٰہی پر خدا تعالیٰ کے انوار کا یقین کامل ہے اور مشاہدہ کریں کہ آپ حضرت کا یہ مضمون کہ خدا تعالیٰ حمد کرنے والے کو محمود بنا دیتا ہے کس خوبی سے بیان ہوا ہے۔

جس نے دل تجھ کو دیا ہو گیا سب کچھ اُس کا

سب ثنا کرتے ہیں جب ہووے ثنا خواں تیرا

بہت مرتبہ بیان ہوا ہے کہ حضرت اقدس کا اسلوب شعر یہ ہے کہ ہر موضوعِ شعر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی محبت جلوہ گر ہو جاتی ہے۔اس لیئے آپ کا تمام کلام دراصل ثناء باری تعالیٰ ہی ہے۔تاہم خالص حمد وثنا کی صنفِ شعر میں بھی آپ نے ایک نظم رقم فرمائی ہے۔جو اردو ادب میں ایک درخشندہ ستارے کی طرح سے ہمیشہ درخشاں وتاباں رہیگی۔یہ اردو ادب کا شاہ کار ہے۔اردو ادب پر واجب ہے کہ اس پر ناز کرے۔فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا

کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اس بہارِ حُسن کا دِل میں ہمارے جوش ہے

مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف

جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں

ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک

اُس سے ہے شورِ محبت عاشقان زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھّے ہیں خواص

کو ن پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کُھل سکتا ہے پیچ اس عُقدۂ دشوار کا
خُوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
**چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے**
**ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسُوئے خمدار کا**
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سوسو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دِلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کے لیے ہم مِل گئے ہیں خاک میں
تا مگر دَرماں ہو کُچھ اس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کَل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
**شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر**
**خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا**

اس ثنا کی ادبی خوبی اور حُسنِ بیان کا ذکر تو ہم نے چند الفاظ میں بے انتہا اختصار سے کر دیا ہے۔ ادبی شعر کے اسالیب کو سمجھنے والے اس عظیم الشان ''سہل ممتنع'' کا ادبی اقدار کی روشنی میں تنقیدی تجزیہ کر کے اس کے محاسن کی مزید نقاب کشائی کر سکتے ہیں مگر جس خوبی اور حُسن کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ اس ثناء کا اتّباع قرآن ہے کیونکہ حمد وثناء وہ موضوع ہے جس کے بارے میں ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم یہ عارفانہ فیصلہ صادر کر چکے ہیں کہ حقیقی ثناء باری تعالیٰ وہی ہے جو ہمارے خدا نے اپنی ذات والاصفات کے لیئے کی ہے۔

اس لیئے کسی بھی حمد وثنا کے حُسن وخوبی کے تعین میں ہماری میزان اور کسوٹی قرآن کریم کے فرمودات ہی ہونگے اور جو ثنا اِن فرمودات کے اتّباع میں اور ان ہی کا عکس ہوگی وہی ہمارے لئے محترم اور محبوب ہوگی اس معیار کی روشنی میں اگر اس ثنا کا تجزیہ کیا جائے تو اوّل کے تین شعر یعنی

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
اس بہارِ حُسن کا دِل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

تو مکمل طور پر باری تعالیٰ کی اس ثنا کی تفسیر و تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:36)

حضرت اقدسؑ اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خدا آسمان و زمین کا نور ہے۔یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اُسی کے فیض کا عطیہ ہے''۔(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کریں مطلع کے اشعار نظم میں وہی بیان کر رہے ہیں جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِن اشعار کے بعد

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

سے لے کر

چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسُوئے خمدار کا

تمام اشعار خدا تعالیٰ کے ذیل کے فرمان کی تفسیر ہے۔

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:45)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں ''یعنی ہر ایک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ مشاہدہ کریں کہ یہ مضمون وہی ہے جو درج بالا اشعار میں بیان ہوا ہے۔اور

''چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے''

سے لے کر آخری دلفریب شعر تک

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

خدا تعالیٰ کی ثناء اُس کی محبت کے اظہار کی نسبت سے کی گئی ہے۔اور یہ شعر خدا تعالیٰ کے فرمان

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ:201)

حضرت اقدسؑ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یعنی اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے''

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

''یادرکھنا چاہیے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقع ہو جاتی ہے''

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا کہ اس کی یاد اور اُس کا ذکر اور ثنا ایسی محبت سے کرو جیسی کہ اپنے باپوں بلکہ اُن سے بڑھ کر کی جاتی ہے۔

گذشتہ کے تقابل سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ثنا کے یہی اسالیب بیان کئے ہیں۔

اول:۔اس کی ذات کا حسن و جمال بیان ہو۔

دوم:۔اس کی عظمت اور کبریائی کا ذکر ہو۔

سوم:۔اس کی محبت کا دل و جان سے اقرار ہو۔

چہارم:۔دعا اور مناجات ہو۔کیونکہ یہ اس کی کبریائی اور انسانی عبودیت کا عملی ثبوت ہے۔

یہ بات درست ہے کہ آپ حضرت نے ان موضوعات کو لازمًا اس ترتیب سے اختیار نہیں فرمایا مگر اس بیان میں صداقت ہے کہ آپ حضرت کی ثناء کے یہی عناصر اربعہ ہیں۔اور یہی وہ دستور اور اسلوب ہے جو حضرت اقدس نے باری تعالیٰ کی حمد وثنا کے لئے اختیار فرمایا ہے اور اس کا التزام آپ حضرت نے اپنے اردو اور عربی فارسی کلام میں کیا ہے۔

ان گذارشات کی روشنی میں ہم اپنے قارئین سے عرض کریں گے کہ دیگر زبانوں کی حمد وثنا کو اِسی معیار کے تحت مشاہدہ کریں۔کیونکہ ایک ہی بات کو بار بار دہرانا زیب نہیں دیتا۔

# فارسی زبان میں ثناءِ باری تعالیٰ

فارسی زبان میں اصولی اور آفاقی ثناء باری تعالیٰ کا ایک بہت ہی باوقار اور محبت بھرا نمونہ گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔اس مضمون کی ترتیب کو قائم رکھنے کی غرض سے ادب پارے کے آخری دو شعر دوبارہ پیش کئے جاتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

ہر سَرے سِرّے زخلوت گاہِ اوست　　ہر قدم جوید درِ با جاہِ اوست

ہر سَر اس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے　　ہر قدم اُسی کی باعظمت بارگاہ کی تلاش میں ہے

مطلب ہر دل جمالِ روئے اُوست　　گمرہے گر ہست بہرِ کوئے اُوست

اُسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اگر کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچے کی تلاش میں ہے

باری تعالیٰ کی آفاقی ثنا میں یہ اشعار شاہکار ہیں یہ تو کہا جا چکا ہے کہ فارسی زبان بولنے والے ادیبوں نے اسلام کا پیغام قبول کرنے پر بہت جلد اپنا موضوع ادب محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول بنا لیا تھا اس لیئے اس زبان میں اِن مضامین کو بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ گو حضرت اقدس کا حقیقی موضوعِ کلام محبت اور عظمت الٰہی کے بیان ہی میں ہے مگر فارسی زبان میں یہ موضوع آپ کا دل پسند عنوان ہے اس لیئے آپ ہر قدم پر اس کی طرف بار بار لوٹ کر آتے ہیں اور بے انتہا ادبی شان اور دلی جذبے سے اس کو بیان کرتے ہیں۔

آپ حضرتؑ کے حمد وثنا کے کلام کے جو اسالیب ہم نے بیان کیے ہیں ان کے مطابق ذیل کی عظیم الشان اور لاثانی ثنا کا مشاہدہ کریں۔دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

اول۔

سخن نزدم مراں از شہر یارے　　کہ ہستم بر درے اُمّید وارے

میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر نہ کر کیونکہ میں تو ایک اور دروازہ پر امیدوار پڑا ہوں

خداوندیکہ جاں بخشِ جہان ست　　بدیع و خالق و پروردگارے

وہ خدا جو دنیا کو زندگی بخشنے والا ہے اور بدیع اور خالق اور پروردگار ہے

کریم و قادر و مشکل کشائے　　رحیم و محسن و حاجت برارے

کریم و قادر ہے اور مشکل کشا ہے رحیم ہے۔محسن ہے اور حاجت روا ہے

فتادم بر درش زیر آنکہ گویند　　برآید درجہاں کارے ز کارے

میں اُس کے دروازہ پر آ پڑا ہوں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دنیا میں ایک کام میں سے دوسرا کام نکل آتا ہے

چوآں یار وفادار آیدم یاد فراموشم شود ہر خویش و یارے
جب وہ یار وفادار مجھے یاد آتا ہے تو ہر رشتہ دار اور دوست مجھے بھول جاتا ہے
بغیر اوچساں بندم دلِ خویش! کہ بے رویش نمے آید قرارے
میں اُسے چھوڑ کر کسی اور سے کس طرح دل لگاؤں کہ بغیر اُس کے مجھے چین نہیں آتا
دلم درسینۂ ریشم مجوئید کہ بستیمش بدامانِ نگارے
دل کو مرے زخمی سینے میں نہ ڈھونڈ کہ ہم نے اُسے ایک محبوب کے دامن سے باندھ دیا ہے
دلِ من دلبرے را تخت گاہے سرِ من در رہِ یارے نثارے
میرادل دلبر کا تخت ہے اور میرا سر یار کی راہ میں قربان ہے
چہ گویم فضلِ اوبر من چگون ست کہ فضلِ اوست ناپیدا کنارے
میں کیا بتاؤں کہ مجھ پر اُس کا فضل کس طرح کا ہے کیونکہ اس کا فضل تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے
عنایتہائے اُورا چوں شمارم کہ لُطفِ اوست بیروں از شمارے
میں اُس کی مہربانیوں کو کیونکر گنوں کہ اُس کی مہربانیاں تو حدّ شمار سے باہر ہیں
مرا کاریست باآں دلستانے ندارد کس خبرزاں کاروبارے
مجھے اُس دلبر سے ایسا تعلق ہے کہ کسی کوبھی اُس معاملہ کی خبر نہیں
بنالم بردرش زاں ساں کہ نالد بوقتِ وضعِ حملے باردارے
میں اُس کے دروازے پر اس طرح روتا ہوں جس طرح بچہ پیدا ہوتے وقت حاملہ عورت روتی ہے۔
مرا باعشقِ او وقتے ست معمور چہ خوش وقتے چہ خرّم روزگارے
میرا ہر لمحہ اُسی کے عشق سے بھرپور ہے واہ کیا اچھا وقت ہے اور کیا عمدہ زمانہ ہے؟
ثناء ہا گوئمت اے گلشنِ یار کہ فارغ کردی از باغ و بہارے
اے یار کے گلزار تیرے کیا کہنے تونے مجھے دنیا کے باغ و بہار سے بے پرواہ کردیا

دوم:

اے دلبر و دلستان و دلدار والے جانِ جہان و نُورِ انوار
اے دلبر۔ محبوب اور دلدار اے جہاں کی جان اور نوروں کے نور
لرزاں ز تجلّیت دل وجاں حیراں زِ رُخت قلوب و ابصار
جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں قلوب اور نظریں تیرے رُخ کو دیکھ کر حیران ہیں

در ذاتِ تو جز تحیّرے نیست        ہنگامِ نظر نصیبِ افکار!
تیری ذات کے بارے میں حیرت ہی حیرت ہے۔ غور وفکر سے جب بھی دیکھا جائے
در غیبی و قدرتت ہویدا        پنہانی و کارِ تو نمودار!
تو آپ غیب میں ہے مگر تیری قدرت ظاہر ہے تو مخفی ہے مگر تیرے کام نمایاں ہیں
دوری و قریب تر ز جاں ہم        نوری و نہاں تر از شبِ تار
تو دور ہے مگر جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو نور ہے مگر اندھیری رات سے زیادہ پوشیدہ
آں کیست کہ منتہائے تو یافت        واں کُو کہ شود محیطِ اسرار
وہ کون ہے جس نے تیری انتہا کو پایا اور وہ کون ہے جو تیرے بھیدوں پر حاوی ہوگیا
کردی دو جہاں عیاں ز قدرت        بے مادہ و بے نیازِ انصار
تو نے محض قدرت سے دونوں جہان پیدا کردیئے بغیر مادّہ کے اور بغیر مددگاروں کی امداد کے
و ایں طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد        با آنکہ عطائے تُست بسیار
پھر لطف یہ ہے کہ ان نعمتوں میں کوئی کمی نہیں پڑتی باوجودیکہ تیری بخششیں بے حد ہیں
حُسنِ تو غنی کند ز ہر حُسن!        مہرِ تو بخود کشد ز ہر یار!
تیرا حسن ہر حسن سے بے نیاز کردیتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
حُسنِ نمکینت ار نہ بودے        از حُسن نہ بودے ہیچ آثار
اگر تیرا نمکین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام ونشان نہ ہوتا
شوخی زِ تو یافت روئے خوباں        رنگ از تو گرفت گُل بہ گلزار
محبوبوں کے چہروں نے تجھ سے رونق پائی پھول نے چمن میں تجھ سے رنگ حاصل کیا
سیمیں ذقناں کہ سیب دارند        آمد زِ ہماں بلند اشجار
حسینوں کے پاس جو سیب جیسے رخسار ہیں۔ یہ اُنہی اونچے درختوں سے آئے ہیں۔
ایں ہر دو ازاں دیار آیند        گیسوئے بتان و مشکِ تاتار
یہ دونوں بھی اُسی ملک سے آتے ہیں۔ حسینوں کے گیسو اور تاتار کا مشک
از بہرِ نمایشِ جمالت!        بینم ہمہ چیز آئینہ دار!
تیرے جمال کی نمایش کے لئے میں ہر چیز کو آئینہ سمجھتا ہوں

ہر برگ صحیفۂ ہدایت! ہر جوہر و عرض شمع بردار
ہر پتّا ہدایت کی ایک کتاب ہے۔ ہر ذات وصفت تجھے دکھانے کے لئے مشعلچی ہے
ہر نفس بتو رہے نماید ہر جاں بدہد صلائے ایں کار
ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے اور ہر جان بھی اس بات کی ہی آواز دیتی ہے
ہر ذرّہ فشاند از تو نُورے ہر قطرہ بِرانَد از تو انہار
ہر ذرہ تیرا نور پھیلاتا ہے۔ ہر قطرہ تیری توصیف کی نہریں بہاتا ہے
ہر سُو زِ عجائبِ تو شورے ہرجا زِ غرائبِ تو اذکار!
تیرے عجائبات کا ہر طرف شور ہے اور تیرے غرائب کا ہر جگہ ذکر ہے
از یادِ تو نُورہا بہ بینم! در حلقۂ عاشقانِ خونبار
میں تیرے ذکر کی برکت سے انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں
آنکس کہ بہ بندِ عشقت اُفتاد دیگر نشنید پندِ اغیار
وہ شخص جو تیری قید محبت میں گرفتار ہوگیا۔ پھر اس نے دوسروں کی نصیحت نہ سُنی
اے مونسِ جاں چہ دلستانی کز خود بِربُودیم بہ یکبار!
اے میرے مونسِ جاں! تو کیسا دلستاں ہے کہ دفعتًا تو نے مجھے مدہوش کردیا
از یادِ تو ایں دلے بہ غم غرق دارد گہرے نہاں صدف وار
تیری یاد میں میرا دل غم میں غرق ہوکر صدف کی طرح ایک موتی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے
چشم و سرِ ما فدائے رویت جان و دلِ ما بتو گرفتار
میری آنکھ اور سر تجھ پر قربان ہیں اورمیرے جان و دل تیری محبت میں قید
عشق تو بہ نقدِ جاں خریدیم تا دم نہ زند دِگر خریدار
ہم نے نقدِ جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے ۔ تاکہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے
غیر از تو کہ سرزدے زجیبم! در بُرجِ دلم نماند دیّار
تیرے سوااورکون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اورکوئی بسنے والا ہی نہیں
عمر یست کہ ترکِ خویش و پیوند کردیم و دمے جز از تو دشوار
ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اوررشتہ داروں سے تعلق منقطع کرلیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ گذارنا بھی مشکل ہے۔

نظم کی صنف میں یہ قدرے طویل ہیں۔خیال تھا کہ ان کے چیدہ چیدہ اشعار کا انتخاب کر کے پیش کر دیں گے مگر ایسا عمل ممکن نہیں ہوا۔اوّل تو اس لیئے کہ کوئی بھی شعر ایسا نہیں تھا جس کو نظرِ انتخاب درخورِ اعتناء نہ سمجھتی ہو اور قبول نہ کرتی ہو اور دوم اس لیئے کہ نظم ایک ایسی صنف ہے جس کا ہر شعر باہم مربوط اور منظّم ہوتا ہے۔اور اس کا حُسن تسلسل بیان میں ہی ہوتا ہے۔تاہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ آپ حضرت کے اسالیب ثنا کے تحت اس کلام کے حُسن وخوبی کو پیش کریں۔

اوّل نظم کے ابتدائی تین اشعار

سخن نزدم مراں از شہر یارے

سے لیکر

رحیم و محسن و حاجت برارے

میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر ہے اور ایسے جوش وجذبے سے ہے کہ فارسی زبان میں ایسی مثال تلاش کرنا بے سود ہوگا۔

اس ابتدا کے بعد جو دراصل اس نظم کا مطلع ہے۔آپ محبت باری تعالیٰ کو بیان کرتے ہیں اور ’’چوں آں یارِ وفادار آیدم یادؔ‘‘ سے لیکر ’’مرا باعشقِ او وقتے ست معمور‘‘ تک خدا تعالیٰ پر محبت سے فدا ہونے کا بہت ہی خوبصورت بیان ہے اور اس کے احسانات کی یاد ہے

مشاہدہ کریں۔

دلم درسینۂ ریشم مجوئید ... کہ بستیمش بدامانِ نگارے

دل من دلبرے را تخت گاہے ... سرِ من در رہِ یارے نثارے

مرا باعشقِ او وقتے ست معمور ... چہ خوش وقتے چہ خرّم روزگارے

بہت ہی خوبصورت اور محبت کے جوش سے بھرپور کلام ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ اپنے کامل حسن وجمال کے ساتھ آپ کے روبرو ہو اور آپ محبت میں بیتاب ہو کر اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے یہ عرض کر رہے ہوں

چہ خوش وقتے چہ خرّم روزگارے

دوسرے نمبر کی ثنا بھی اوّل ثنائیہ نظم کے تمام محاسن اور ادبی عظمت اور شان رکھتی ہے ایسا ہونا لازم بھی تھا کیونکہ دونوں میں محبوب مشترک ہے اور اس کا حسن و جمال بھی مشترک۔

تاہم

اوّل نظم میں ایک عاشقانہ ترنگ ہے ایک نعرۂ مستانہ ہے۔ عشق کے جذبے کی بےساختہ اور بے قابو نمود ہے۔ دوسری نظم بھی ان تمام خوبیوں کی حامل ہے۔ باری تعالیٰ کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ اپنے عشق کا بیان بھی ہے مگر بیان باوقار اور سنجیدہ ہے۔ اسلوب عالمانہ ہے۔

''اے دل بر و دلستاں و دلدار'' سے لے کر ''ہر سوز عجائبِ تو شورے'' تک باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور بہت ہی عالمانہ اور باوقار انداز سے ہے اور آخری اشعار میں بے انتہا خوبی اور ادیبانہ انداز میں اپنے عشق کا اظہار ہے۔

دوبارہ سُن لیں۔

از یادِ تو نورہا بہ بینم — درحلقۂ عاشقانِ خونبار
چشم و سرِ ما فدائے رویت — جان و دلِ ما بتو گرفتار
عشق تو بہ نقد جاں خریدیم — تادم نہ زند دِگر خریدار
غیر از تو کہ سرزدے ز جیبم — در بُرجِ دلم نماند دیّار

فارسی ادب میں حمد وثنا کا موضوعِ سخن بہت عام ہے۔ سعدیؔ۔ جامیؔ۔ اور سنائیؔ اس صنف شعر کے اساتذہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ ان کے دواوین کی چھان بین کر لیں۔ آپ حضرات ان دو ادبی شاہکاروں کے مقابل تو کیا ان کے قریب سے بھی نہیں گذرتے۔ ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ حمد وثنا کا سَوتا عشق و محبت سے پھوٹتا ہے اور آپ حضرت سے بڑھ کر عاشقِ الٰہی کون ہوگا اور کون یہ کہہ سکے گا۔

عشق تو بہ نقد جاں خریدیم — تادم نہ زند دِگر خریدار

یعنی میں نے تیرا عشق اپنی جان قربان کر کے خریدا ہے تاکہ کوئی اور خریدار میرے مقابل پر نہ آ سکے۔

☆

# عربی زبان میں ثناء باری تعالیٰ

اسلامی ادب میں حمد وثنا اور نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ایسے موضوع ہیں جن کو فارسی اور اردو زبان کے شعراء نے بہت محبت سے قبول کر کے نغمہ سرائی کی ہے۔ یہ قبولیت صرف جستہ جستہ شعر کہنے تک محدود نہیں بلکہ بہت سے ایسے بلند مرتبہ شاعر ہیں جنہوں نے ان موضوعات کو اپنا خاص اور مستقل موضوعِ سخن بنالیا تھا۔

عربی زبان میں ایسی روایت قائم نہیں ہوسکی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عربی ادب میں ان موضوعات کا تعارف قرآن کریم کی برکت سے ہوا ہے اور ایسی عظیم الشان ادبی شان وشوکت کے ساتھ ہوا ہے کہ سب ادیب دم سادھ کر بیٹھ رہے اور کسی کو گویائی کا یارا نہ ہوا۔

اس خیال کی تائید میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت لبیدؓ سے ان کا تازہ کلام سُنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے جوابًا کہا کہ قرآن کے نزول کے بعد آپ نے شعر کہنا ترک کر دیا ہے۔

(سیرۃ النبی۔شبلی نعمانی)

مگر خاکسار کے خیال میں عربی ادب میں یہ حادثہ اس لیئے پیش آیا کہ اسلامی تاریخ میں ایک امام آخر زمان نے آنا تھا اور یہ افتخار اُسی کے نصیب ہونا تھا کہ عربی شعر میں ان موضوعات کو حرزِ جان بنائے اور عربی ادب میں ان کو اپنے کلام کا محور اور مقصود بنائے جیسا کہ آپ حضرت فرماتے ہیں۔

**اَنۡتَ الۡمُرَادُ وَ اَنۡتَ مَطۡلَبُ مُهۡجَتِی　　　و علیک کُلُّ تَوکُّلِی وَ رَجائِی**

تو ہی میری مراد اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور اُمید ہے

**اَنۡتَ الَّذی قد کان مَقۡصِدَ مهجتی　　　فی کل رَشۡحِ القلم وَ الاِمۡلاءِ**

تو ہی میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ اور لکھائی ہوئی تحریر میں

اس فرمان کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت کا عربی شعری کلام کبھی بلا واسطہ اور کبھی بالواسطہ اِن ہی موضوعات پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وشان۔ اس کی محبت اور اس کی جناب میں مناجات سے بھرپور رہے

نہایت اختصار کے پیش نظر ہم آپ کی حمد وثنا کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

اول: آپ معبود حقیقی کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

**لک الحمد یا ترسی و حرزی و جوسقی　　　بحمدک یروی کل من کان یستقی**

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے

بذکرک یجری کل قلب قد اعتقی    بحبک یحیی کل میت ممزق

تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مُردہ زندہ ہو جاتا ہے

و باسمک یحفظ کل نفس من الردا    و فضلک یُنجی کل من کان یزبق

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

و ما الخیر الا فیک یا خالق الوریٰ    و ماالکھف الا انت یا متکأ التقی

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ ہے

و تعنوا لک الافلاک خوفا و ھیبة    و تجری دموع الراسیات و تشبق

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جُھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں

و لیس لقلبی یا حفیظی و ملجأی    سواک مریح عند وقت التازق

اور میرے دل کے لئے۔ اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو

یمیل الوریٰ عند الکروب الٰی الوریٰ    و انت لنا کھف کبیت مسردق

دکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تُو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر

حمد و ثنا کے یہ عربی اشعار اپنے حسن و خوبی اور اسلوبِ شعر عربی میں ایک شاہکار کلام ہے۔ اور ادبِ عربی میں اس عظمت و شان کی ثنا کہیں دستیاب نہیں ہوگی۔ اس میں وہ تمام عناصر ثنا جو اس موضوع کی جان ہوتے ہیں بدرجہ اتم موجود ہی نہیں بلکہ تاباں اور رخشاں ہیں۔

باری تعالیٰ کی عظمت و شان کا بیان بہت ہی پُر شوکت اور سراسر محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ابتدا کے تین اشعار میں تو ایسا جوش ہے جیسے بہت بلندی سے محبتِ الٰہی کا دریا رواں دواں ہو اور اُس کو دنیا کی کوئی دیوار روک نہ سکے شاید اسی جوش محبت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے:

و تعنوا لک الافلاک خوفا و ھیبة    و تجری دموع الراسیات و تشبق

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جُھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں۔

اور آخر پر بہت ہی خوبصورت۔ بہت عاجزی کے انداز میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کا سہارا اور پناہ تو صرف باری تعالیٰ ہے۔ فرماتے ہیں:

یمیل الوریٰ عند الکروب الٰی الوریٰ    و انت لنا کھف کبیت مسردق

دکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تُو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر

دوسرے مقام پر بھی ثنا کو مشاہدہ کریں۔

یَـا مَـنْ اَحَـاطَ الْـخَـلْـقَ بِـاٰلَاءِ　　　　نُثْـنِـیْ عَـلَـیْـکَ وَ لَـیْـسَ حَـوْلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ہم تیری تعریف کرتے ہیں لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

انـظـر اِلَـیَّ بـرحـمة و عطوفة　　　　یـا مـلـجـئـی یـا کـاشف الغمّاء

مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن و کرب کو دور فرمانے والے!

انـت الـمـلاذ و انـت کهف نفوسنا　　　　فـی هـذه الـدنیـا و بـعـد فنـاء

تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ گاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔

انـا رئیـنـا فـی الـظلام مصیبة　　　　فـارحـم و انـزلـنا بدار ضیـاء

ہم نے تاریکی کے زمانہ میں مصیبت دیکھی ہے۔تو رحم فرما اور ہمیں نور کے گھر میں اتار دے۔

تـعـفـو عـن الـذنب العظیم بتوبة　　　　تـنـجـی رقـاب الناس من اعباء

تُو توبہ سے بڑے گناہوں کو (بھی) معاف فرما دیتا ہے تو (ہی) لوگوں کی گردنوں کو بھاری بوجھوں سے نجات دیتا ہے۔

انـت الـمـراد و انـت مـطـلب مهجتی　　　　و عـلیک کـل تـوکـلـی و رجـائی

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

**أعـطیتـنـی کَـأْس المحبّة ریقها　　　　فشـربـت رَوْحَـاءً علٰی رَوْحَـاءِ**

تو نے مجھے محبت کی بہترین مَے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

**اِنّـی أَمـوت و لا یـمـوت محبّتی　　　　یـدرٰی بـذکرک فی التراب نِدَائِی**

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔(قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

مطلع میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتّباع میں عرض کرتے ہیں کہ حمد و ثنا کا کوئی حق ادا نہیں کرسکتا اور پھر مناجات اور دعا ہے اور آخر پر بہت ہی خوبصورت انداز میں اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ شعر کس قدر عشق اور محبت سے لبریز ہے۔

انـی امـوت و لا یـمـوت محبتی　　　　یـدرٰی بـذکرک فی التراب نِدَائِی

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔(قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

اس شعر کو ذکر الٰہی کے زمرے میں شمار کریں۔ ذکر الٰہی ہو تو ایسا ہو مگر ایسا ذکر آپ حضرت ہی کا منصب ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ آپ حضرت نے فرمایا ہے کہ اس قصیدے کے لکھنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی خارق عادت مدد کی ہے اور یہ بھی وہی بات ہے کہ حقیقی ثنا یا تو خدا تعالیٰ کرتا ہے یا اس کی مدد سے کی جاتی ہے۔

حمد و ثنا کے مدارج میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس کا شکر بجالانا بھی ایک حمد ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم و معرفت آپ کو عطا ہوئی ہے اس کے شکر میں بیان کرتے ہیں۔

علمی من الرحمٰن ذی الآلاء بالله حزت الفضل لا بدهاء

میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔ میں نے خدا کے ذریعہ فضلِ الٰہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ

کیف الوُصول الٰی مدارج شکره نثنی علیه و لیس حولُ ثناء

ہم اس کے شکر کی منزلوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں کہ ہم اس کی ثنا کرتے ہیں اور ثنا کی طاقت نہیں

الله مولانا و کافل امرنا فی هٰذہِ الدنیا و بعد فناء

خدا ہمارا مولیٰ ہے اور ہمارے کام کا متکفل ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی

لولا عنایته بزمن تطلّبی کادت تعفّینی سیول بکاء

اگر میری جستجوئے پیہم کے دور میں اس کی عنایت نہ ہوتی تو قریب تھا کہ آہ وزاری کے سیلاب مجھے نابود کر دیتے

بشریٰ لنا انّا و جدنا مونسا ربًّا رحیما کاشف الغمّاء

ہمارے لئے خوشخبری ہے کہ ہم نے مونس و غم خوار پالیا ہے جو ربّ ورحیم ہے اور غم و مصیبت کا دور کرنیوالا ہے

**وله التفرد فی المحامد کلها وله علاءٌ فوق کل علاء**

اور اسے تمام صفات میں یگانگت حاصل ہے اور اسے ہر بلندی سے بڑھ کر بلندی حاصل ہے

اَلْعَاقِلُوْنَ بِعَالَمِیْنَ یَرَوْنَه وَ الْعَارِفُوْنَ بِهِ رأَوْا اَشْیَاءِ

عقلمند لوگ تو کائنات کے ذریعہ اسے دیکھتے ہیں اور عارفوں نے اس کے ذریعہ اشیاء کو دیکھا ہے

هٰذَا هُوَ الْمَعْبُوْدُ حَقًّا لِلْوَرٰی فَرْدٌ وَّحِیْدٌ مَّبْدَءُ الْاَضْوَآءِ

یہی مخلوقات کے لئے معبودِ برحق ہے وہ ایک یگانہ و یکتا ہے اور سب روشنیوں کا مبدأ ہے

یہی محاسنِ کلام کا حاصلِ بیان ہے۔ عاجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کیا ہے اور کیا ہی خوبصورت

انداز میں عارف باللہ انسان کی معرفت کے حصول کا ذریعہ بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

اَلْعَاقِلُوْنَ بِعَالَمِیْنَ یَرَوْنَہ     وَ الْعَارِفُوْنَ بِہٖ رَأَوْا اَشْیَاءِ

عقلمند لوگ تو کائنات کے ذریعہ اسے دیکھتے ہیں اور عارفوں نے اس کے ذریعہ اشیاء کو دیکھا ہے

خدا تعالیٰ کے شکر کا ایک اور انداز بھی مشاہدہ کریں

اَیَا مُحْسِنِیْ اُثْنِیْ عَلَیْکَ وَ اَشْکُرُ     فِدًی لَّکَ رُوْحِیْ اَنْتَ تُرسِیْ وَ مَأْزَرُ

اے میرے محسن! مَیں تیری ثنا اور شکر کرتا ہوں۔ میری روح تجھ پر فدا ہو۔ تو میری ڈھال اور قوت ہے

بِفَضْلِکَ اِنَّا قَدْ غَلَبْنَا عَلَی الْعِدٰی     بِنَصْرِکَ قَدْ کُسِرَ الصَّلِیْبُ الْمُبَطِّرُ

تیرے فضل سے ہم نے دشمنوں پر غلبہ پایا ہے اور تیری نصرت سے ہی اترانے والی صلیب توڑ دی گئی ہے

فَتَحْتَ لَنَا فَتْحًا مُّبِیْنًا تَفَضُّلًا     بِفَوْجٍ اِذَا جَاءُ وْا فَزَھَقَ التَّنَصُّرُ

تو نے ہمیں اپنی مہربانی سے فتحِ مبین عطا کی ایسی فوج سے کہ جب اس کے سپاہی پہنچے تو عیسائیت بھاگ نکلی

سَقَانِیْ مِنَ الاَسْرَارِ کَاسًا رَوِیَّةً     وَ اِنْ کُنْتُ مِنْ قَبْلِ الْھُدٰی لَا اَعْثَرُ

اس نے مجھے اَسرار کا سیر کن پیالہ پلایا اگرچہ میں اس راہنمائی سے پہلے (اس سے) آگاہ نہیں تھا

غَیُوْرٌ یُبِیْدُ الْمُجْرِمِیْنَ بِسُخْطِہٖ     غَفُوْرٌ یُّنَجِّی التَّائِبِیْنَ وَ یَغْفِرُ

وہ غیرت مند ہے۔ اپنے غضب سے مجرموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ بخشتا ہے، توبہ کرنے والوں کو نجات دیتا ہے اور بخش دیتا ہے

وَحِیْدٌ فَرِیْدٌ لَّا شَرِیْکَ لِذَاتِہٖ     قَوِیٌّ عَلِیٌّ مُّسْتَعَانٌ مُّقَدِّرُ

وہ یگانہ و یکتا ہے، اپنی ذات میں لاشریک ہے، قوی (اور) بلند مرتبہ ہے، اسی سے مدد مانگی جاتی ہے (اور) تقدیر بنانے والا ہے

لَہُ الْمُلْکُ وَ الْمَلَکُوْتُ وَ الْمَجدُ کُلُّہٗ     وَ کُلٌّ لَّہٗ مَا بَانَ فِیْنَا وَ یَظْھَرُ

اسی کے لیے حکومت، بادشاہی اور ساری بزرگی ہے اور سب اسی کا ہے جو ہم میں ظاہر ہوا اور ظاہر ہوگا

وَدُوْدٌ یُّحِبُّ الطَّائِعِیْنَ تَرَحُّمًا     مَلِیْکٌ فَیُزْعِجُ ذَا شِقَاقٍ وَّ یَحْصِرُ

وہ بہت محبت کرنے والا ہے۔ فرمانبرداروں سے ازراہِ شفقت پیار کرتا ہے۔ وہ بادشاہ ہے سو وہ مخالف کو مضطرب کر دیتا ہے اور گھیرے میں لے لیتا ہے

يُحِيطُ بِكَيْدِ الْكَائِدِيْنَ بِعِلْمِهٖ فَيُهْلِكُ مَنْ هُوَ فَاسِقٌ وَّ مُزَوِّرُ

وہ اپنے علم سے مکاروں کے مکر کا احاطہ کر لیتا ہے سو وہ اس شخص کو جو فاسق اور فریبی ہو ہلاک کر دیتا ہے

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَا كُفُوٌ لَّهُ وَحِيْدٌ فَرِيْدٌ مَّا دَنَاهُ التَّكَثُّرُ

نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ وہ یگانہ اور یکتا ہے۔ کثرت اس کے قریب بھی نہیں آئی

وَمَنْ قَالَ اِنَّ لَهُ اِلٰهًا قَادِرًا سِوَاهُ فَقَدْ نَادَى الرَّدٰى وَ يُدَمَّرُ

اور جو شخص کہے کہ اس کا ایک قادر معبود اس کے سوا ہے تو اس نے ہلاکت کو پکارا اور وہ ہلاک کیا جائے گا

خدا تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کو بیان کر کے شکر ادا کرتے ہیں۔ مگر ایک واصل باللہ انسان کی طرح کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی عنایات ہیں وگرنہ خدا سے ہدایت پانے سے قبل آپ کے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ یہ مضمون مرسلین باری تعالیٰ کے علم وعرفان کا صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ہے۔ یہی معانی آپ حضرت نے ''امّی'' اور ''مہدی'' کے مناصب کے کئے ہیں۔

# نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس طور سے ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے محبوب ہیں اُسی طور سے آپ کی نعت بھی آپ کی اُمت میں تینوں زبانوں کے شاعروں نے کثرت سے بیان کی ہے گو اس کی ابتدا رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد ہی سمجھی جاتی ہے مگر حق تو یہ ہے کہ آپ کی اوّل اور حقیقی نعت آپ ؐ کے اس فرمان سے شروع ہوتی ہے

''کُنتُ نَبِیًّا و الآدمَ بَیۡنَ الۡمَآءِ و الطِّیۡنِ''

یعنی آپ تقدیر الٰہی میں اس وقت بھی نبوت کے منصب کے حامل تھے جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھا (تخلیق نہیں ہوا تھا) اور منصب نبوت ہی آپ کی نعت اور مناقب کا محور اور مرکزی نقطہ ہے۔

''نعت'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معانی مدح وتعریف کے ہیں۔ اردو زبان میں یہ صنفِ شعر اور یہ اصطلاح فارسی سے آئی ہے کیونکہ عربی میں ثناء رسول اکرمؐ کو مدح یا اوصافِ رسول اکرمؐ کا عنوان دیا جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ فارسی اور اردو میں نعت شعری کلام ہی کو کہتے ہیں۔ مگر عربی میں نظم ونثر دونوں میں مناقبِ رسولؐ کا عنوان مدحت وتوصیفِ رسول اکرمؐ ہے۔

اسلامی ادب میں ایک مقبول صنف شعر ہونے کی وجہ سے اس پر بہت نقد ونظر ہوا ہے اور اس کے حقیقی منصب کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر صنفِ شعر کا اپنا اسلوب اور طرز بیان ہوتا ہے اور شاعر اپنے کلام کو اس دائرۂ قیدوبند کی پاسداری کے ساتھ ہی تخلیق کرتا ہے غزل کو قصیدے کے انداز میں اور قصیدے کو مرثیہ گوئی کی طرز میں تخلیق نہیں کیا جاتا کیونکہ غزل کے موضوع عشق ومحبت کی واردات ہیں اور قصیدہ کسی کی مدح وستائش اور مرثیہ کسی وفات پر غم واندوہ کے اظہار کا نام ہے اور ان سب کی جداگانہ لفظی اور معنوی علامات اور مجاز ہے۔

اس تقسیم اسالیب شعر کے ہونے پر بھی صرف ایک صنف شعر ایسی ہے جو تمام اصناف شعر کے اسلوب میں بیان ہوسکتی ہے اور ہوئی ہے وہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس کا موجب یہ حقیقت ہے کہ مضمون کی مناسبت سے نعت میں عشقِ رسولؐ غزل کے انداز میں اور قصیدے کے اسلوب میں آپ کی عظمت وشان اور مرثیہ کے اسلوب پر آپ کی وفات کا الم بیان کیا گیا ہے اور بہت ہی خوبصورت انداز سے کیا گیا ہے جیسے کہ محسنؔ کاکوروی کا شوق وارادہ ہے۔ اپنے مشہور عالم لامیّہ قصیدے میں کہتا ہے:

سب سے اعلیٰ تیری سرکار ہے سب سے اول
میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مُجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے میرے خالی
نہ میرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

یہ اشعار تو دستور ادب کے بیان میں آ گئے ورنہ قصیدے کی صنف میں ابوطالب کے اس نعتیہ شعر کا کون مقابل ہوسکتا ہے۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثُمَالُ الْیَتَامیٰ عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کی پناہ ہیں۔

ابن ہشام کے حوالے سے ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش کے برسنے اور قحط کے آثار اُٹھنے پر آنحضرتؐ فداہ ابی و امی نے فرمایا ''کہ اگر ابوطالب یہ دیکھتے تو بہت خوش ہوتے'' کسی نے پوچھا کہ کیا حضور کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے۔ اس طرز سے یہ شعر ان نعتیہ اشعار میں اوّل مقام پر فائز ہو گیا جس کی صداقت کو آپ حضرتؐ نے قبول فرمایا ہے۔

بیت کے انداز میں حضرت مسیح موعودؑ کا شعر مشاہدہ کریں۔

زعشّاقِ فرقان و پیغمبریم بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہم قرآن اور رسول اکرمؐ کے عاشق ہیں اسی کے ساتھ آئے ہیں اور اُسی کے ساتھ جائیں گے

اس تسلسل میں خاکسار اپنی محترم مکرم اور پیاری پھوپھی حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ (جو حضرت اقدس علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) کی عظیم الشان اور نادر نعتِ رسول کا یہ ٹیپ کا شعر فراموش نہیں کرسکتا فرماتی ہیں۔

بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
''پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار''
(مصرع ثانی الہام حضرت اقدسؑ ہے)

میں اس شعر کو ایک مکمل نعت رسول اکرم کے طور پر شمار کرتا ہوں اس کا اول مصرع خدا تعالیٰ کے فرمان صلو علیہ وسلموا تسلیما کا بے انتہاء خوبصورت ترجمہ ہے اور دوسرا مصرع بھی اپنے حسن و خوبی کے اعتبار سے آپ حضرت کے روحانی منصب کی بہترین تعبیر ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ اب جبکہ آپ حضرت کی دختر

نیک اختر کا ذکر چل نکلا ہے تو میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی ادبی شان کے بیان میں کچھ کہے بغیر آ گے نکل جاؤں۔ایّام جاہلیہ کے کسی شاعر نے بہت خوب کہا:

**وَمِنْ مَذْهَبِی حُبُّ الدِّیارِ لِاَهْلِهَا　　وَ لِلنّاس فی ما یعشقونَ مذاهبُ**

میرے مذہب میں محبوب کی محبت میں اس کے گھر سے محبت کرنا لازم ہے اور لوگوں کے اپنے عشق کے مذاہب مختلف ہوتے ہیں۔

اردو زبان کی اقدار ادبی اور اسالیبِ شعر کی روشنی میں آپ کا کلام ان تمام ادبی محاسن کا حامل ہے جو اساتذہ اردو شعر نے مقرر کئے ہیں بلکہ ان کا ہم پلّہ ہے اور اگر موضوعات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یقیناً ان سب پر فائق ہے۔ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی گود میں بیٹھ کر ادب حاصل کیا تھا اور اُسی درس گاہ میں ادب کے حقیقی موضوعات کی تعلیم پائی تھی

نعت رسول میں آپ کا سلام اور درود ایسا ہے کہ دل میں اترتا جائے پاکیزہ بات اور خوبصورت بیان ہے صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا. صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ کے عنوان سے جو نعت پیش کی ہے وہ دنیائے نعت کے شاہکاروں میں سب سے اوّل رکھی جاسکتی ہے خاص طور پر ہر بند کا اوّل کا مصرعہ تو حُسن دلبرئی میں بے نظیر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں فرماتی ہیں

اسوۂ پاکِ خلقِ ربّانی　　منتہائے کمالِ انسانی
صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا　　صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ

اور فرماتی ہیں

مصحفِ دید عکسِ یزدانی　　منتہائے کمالِ انسانی
صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا　　صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ

اور کہتی ہیں

منبعِ جود و فضلِ ربّانی　　منتہائے کمالِ انسانی
صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا　　صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ

اور آخر پر سلام عرض کرنے میں توصیف و منقبت کو ایسی محبت سے پیش کرتی ہیں کہ دریائے حُسنِ کلام اور حُسنِ معانی بہنے لگتا ہے۔

اور ٹیپ کے شعر میں کہتی ہیں

مہرِ عالم طبیبِ روحانی　　منتہائے کمالِ انسانی
صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا　　صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍؐ

اِسی طور سے آپ کی نعت ''پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار'' کے عنوان سے ہے جس میں بیان ہے کہ ضلالت اور تاریکی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سورج طلوع ہوتا ہے تو انسانیت کا ہر طبقہ اس سے کِس طور پر فیض پاتا ہے ایک عظیم الشان نعت ہے خاص طور پر جہاں ''عورت'' مخاطب ہے۔ الغرض نعت مناجات دینِ اسلام اور حضرت مسیح موعودؑ کی محبت میں جس قدر بھی موضوعات ہیں سب اردو ادب کے شاہکار ہیں آپ کے کلام کا مجموعہ ''دُرِّ عدن'' کے نام سے اشاعت پا چکا ہے جو یقیناً اس قابل ہے کہ احمدی بچے اور جوان اس کو حفظ کریں اور اپنے سینوں میں محفوظ کرلیں۔ ان چند الفاظ میں آپ سیّدہ کے کلام کے محاسن پیش کرنے کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اور قطعہ کی صنف میں سعدیؒ علیہ الرحمہ کا مشہور عالم اور امت میں بہت مقبول قطعہ پیش کرتے ہیں:۔

بلغ العلٰی بکمالہٖ کشف الدجٰی بجمالہٖ
آپ کو بلندی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے حُسن نے تاریکیوں میں اجالا کردیا
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خصالہٖ صلّو علیہ و آلِہٖ
آپ کے تمام خصائل حسین تھے۔اس پر اور اس کی آل پر درود بھیجو

قطعات میں حضرت اقدس کو یہ نعتیہ قطع بہت پسند تھا

فرمایا: پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے ؎

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دوسَرا
کرے ہے روح قدس جس کے دَر کی دربانی
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکیں پہ کہتا ہُوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی
(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 302)

قطعات میں مرثیہ بیان کرنے کا حقیقی منصب تو حضرت حسّان بن ثابت کے نصیب میں آیا۔فرماتے ہیں

کنت السواد لناظری فعمی علیک النّاظِر
آپ میری آنکھ کی پُتلی تھے۔ آپ کی وفات پر میری آنکھ اندھی ہوگئی
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر
آپ کے بعد جو چاہے وفات پائے۔ مجھے تو آپ کی وفات کا خطرہ تھا

روایت ہے کہ آپ حضرتؑ ان اشعار کو پڑھ کر زار و قطار روتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش یہ شعر آپ نے کہے ہوتے اور مرثیے کے انداز میں فاطمہ زہرا بتولؓ کے یہ دو اشعار بھی ہمیں بہت محبوب ہیں۔فرماتی ہیں۔

**ماذا علی من شم تربة احمد　　　ان لا یشم مدی الزمان غوالیا**

جس نے احمد (ﷺ) کے قبر کی مٹی سونگھی اور اگر وہ عمر بھر کوئی عطر نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا؟(یعنی عمر بھر اس کو کسی عطر کے سونگھنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی)

**صبت علیّ مصائب لو انہا　　　صبت علی الایام صرن لیالیا**

مجھ پر وہ مصائب پڑے ہیں کہ اگر دنوں پر یہ مصائب ڈالے جاتے وہ راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔

نعتِ رسول کریم ایسے صاحبِ انصاف اور صاحب بصیرت لوگوں نے بھی بیان کی ہے جن کا آپ حضرت سے روحانی رشتہ بھی نہیں تھا اور مصاحبت بھی نہیں تھی۔ان ہستیوں میں جو سب سے زیادہ محبوب ہستی ہے اور جس کی برجستہ نثری نعت کو آپ کی امت نے ایسا قبول کیا ہے کہ آج تک اُس کا نام عاشقانِ رسول اکرم کے حلقوں میں احترام اور محبت سے یاد کیا جاتا ہے اور اس نثر پر ہزار نظم قربان کی جاسکتی ہے۔

ایک بادیہ نشین صحرا گزین خاتون تھی جن کا نام اُمّ معبد تھا۔ ہمارے پیارے آقاؐ اور مطاعؐ سے ان کی ملاقات ایسے ہوئی کہ جب آپ حضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف سفر کر رہے تھے تو سرِ راہ اُن کا خیمہ تھا۔آپ کے قافلے نے وہاں قیام کیا اور خاتون سے کہا کہ اگر تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کو ہے تو دو۔اس خاتون نے کہا کہ افسوس ہے کہ کچھ پیش کرنے کو نہیں ہے۔بکریاں صحرا میں چرنے کے لیے جا چکی ہیں۔ آنحضرت نے ایک بکری کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اس بکری کا دودھ ہی کافی ہوگا۔اس پر خاتون کہنے لگی کہ یہ تو ایک کمزور بکری ہے اسی وجہ سے اِس کو ریوڑ کے ساتھ روانہ نہیں کیا گیا۔

آپ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔اُس نے کہا کہ ضرور ایسا کریں۔ آنحضرت نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر ہاتھ رکھا اور ایک برتن مانگا تو اس کا دودھ لبریز ہو کر زمین پر گرنے لگا۔آپ نے خود بھی نوش فرمایا اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور بہت سا باقی ماندہ اُمّ معبد کو بھی دیا۔کچھ دیر کے بعد جب اس کا خاوند آیا اور اس نے دودھ سے لبریز برتن دیکھا تو استفسار کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔اس سوال کے جواب میں (میرے یقین کے مطابق) اس خاتون کی زبان اور چشمِ بصیرت کو اللہ نے خاص برکت سے نوازا اور اس نے آپ کے حسن و جمال اور آپ کے وقار اور تمکنت اور آپ کے غلاموں کی اطاعت کو ایسی فصاحت و بلاغت اور ایسی بصیرت سے بیان کیا کہ آثار اور روایت میں رسول اکرم کا ایسا سراپا کوئی پیش نہ

کر سکا۔اس نے کہا:

میں نے ایک انسان دیکھا پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ سرمگیں آنکھ، باریک اور پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پروقار معلوم ہوتا، جب گفتگوفرماتے تو دل ان کی طرف کھنچتا، دور سے دیکھوتو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھوتو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی۔قد نہ ایسا پست کہ کمتر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو۔ بلکہ ایک شاخِ گُل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو۔ زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد وپیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کو جھپٹتے ہیں، مخدوم ومطاع نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ صفحہ 130 تا134)

اورغزل کے انداز میں ہمارے پیارے مسیح علیہ السلام کے مقابل پر کیا ہوگا۔فرماتے ہیں۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است      خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمد است

میری جان ودل محمد کے جمال پر فدا ہیں۔ اور میری خاک آلِ محمد کے کوچے پر قربان ہے

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش      در ہر مکان ندائے جلالِ محمد است

میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ ہر جگہ محمد کے جلال کا شہرہ ہے

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم      یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمد است

معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں۔ یہ محمد کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے

ایں آتشم زِ آتشِ مہرِ محمدی ست      وایں آبِ من زِ آبِ زلالِ محمد است

یہ میری آگ محمدؐ کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد کے مصفّا پانی میں سے لیا ہوا ہے

یہ مختصراورغزل کے انداز میں تخلیق کئے ہوئے اشعار تو نعت رسول اکرمؐ کے اسلوب شعراوراس کی ہیئت کے تعلق میں ہے( ہیئت سے مراد اشعار کی خارجی صورت ہے ) مقصد یہ ہے کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ نعت رسول اکرمؐ ہی ایک ایسی صنفِ شعر ہے جس کو ہر اسلوب اور انداز میں رقم کیا گیا ہے اور بہت خوبی سے کیا گیا ہے مگر اس کے مضامین اورانتخاب الفاظ کے اعتبار سے ہر نعت گو پر لازم ہے کہ آدابِ نعت کا التزام کرے۔

اصولی طور پر آداب نعت کے دو بنیادی عناصر اور شرائط ہیں۔

اول:۔نعت کے مضامین میں رسول اکرمؐ کی عظمت اور شان اور ان سے محبت کے اظہار میں ایسا اعتدال ہو کہ کسی صورت میں ان میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور مافوق الفطرت صفات کو بیان نہ کیا جائے

دوم:۔الفاظ کے انتخاب میں ایسا وقار اور تہذیب جو حضرت رسالت مآب کے روحانی منصب کو سزاوار ہے

یہ وہ اقدار نعت رسول اکرمؐ ہیں جن کو عاشقانِ رسول نے اور زبان دانوں نے دل و جان سے قبول کیا ہے تاہم ان کی مکمل پاسداری اور احتیاط کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ہدیۂ نعت پیش کرنے والے کو حضرت سرورِ انبیاء کے روحانی منصب کا شعور ہو اور آپ کی سیرت طیبہ کا تفصیلی علم ہو

اوّل مقام پر تو رسول اکرم کے قرب الٰہی کا مقام اور آپ کی سیرت کا علم باری تعالیٰ کو ہی ہے جس نے آپ کو نبوت کے کمالات کے اعتبار سے اور انسانِ کامل ہونے کے اعتبار سے خود تخلیق کیا ہے۔قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں مراتب کے بیان سے بھرا ہوا ہے۔ہم اختصار کے پیش نظر دو مقامات کو حضرت مسیح موعود کی تفسیر کیساتھ پیش کرتے ہیں

اوّل مقام پر باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ (المائدۃ : 16)

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے

وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا (الاحزاب:47)

آپ حضرتؑ فرماتے ہیں۔

انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرتِ انسانی کے وہ افرادِ عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نورِ باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نورِ مجسّم ہو گئے ہیں اِسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا نام نور اور سراجِ منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ (الجز:6) وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا (الجز:22) **یہی حکمت ہے کہ نورِ وحی جس کے لئے نورِ فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اور فطرتی مقام کو کن خوبیوں کیساتھ تخلیق

فرمایا ہے یہی موضوعات آپ کی نعت کے ہیں۔

دوسرے مقام پر اس دنیا میں آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام قربِ الٰہی کو تو وہی پیش بیان کرسکتا ہے جو واصل باللہ ہو اور جس کو یہ عرفان خدا تعالیٰ کی وحی اور الہام کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو اور جس کو باری تعالیٰ کی جناب سے نائب اور وارثِ رسول کا خطاب ملا ہو اور وہ نیابت اور وراثت کے اعتبار سے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تجلّی ہو جیسے کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں

**وارثِ مصطفٰی شدم بہ یقیں — شدہ رنگیں برنگِ یار حسیں**
میں یقیناً مصطفٰی کا وارث ہوں اور اُس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

اور اس عرفان الٰہی اور اتحادِ کامل کی بنا پر سیرت رسول اکرمؐ کا حقیقی علم و شعور ہونا بھی آپ ہی کا منصب ہے جو کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

فرماتے ہیں:

تامرا دادند از حسنش خبر — شد دلم از عشقِ اُو زیر و زبر
جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ مے بینم رُخِ آں دلبرے — جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
میں اُس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی اُسے دل دے تو میں اُس کے مقابلہ پر جان نثار کردوں

ساقئ من ہست آں جاں پرورے — ہرزماں مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے

محو روئے او شد است ایں روئے من — بوئے او آید ز بام و کُوئے من
یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہوگیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آرہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں — من ہمانم۔ من ہمانم ۔ من ہماں
از بسکہ میں اُس کے عشق میں غایب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ اُو یابد غذا — از گریبانم عیاں شد آں ذکا!
میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے

احمد اندر جانِ احمد شد پدید — اسم من گردید آں اسم وحید

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہوگیا اس لیے میرا وہی نام ہوگیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے
اس مضمون کے اختتام پر حضرت مسیح موعودؑ کا ایک نثری فرمان بھی سن لیں جو کہ الہام الٰہی ہے فرماتے ہیں۔

**كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ ﷺ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ**

(ترجمہ: ہر ایک برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے پس بڑا مبارک وہ جس نے تعلیم دی اور جس نے تعلیم پائی)

فرماتے ہیں:

یعنی یہ مخاطبات اور مکالمات کا شرف جو مجھے دیا گیا ہے یہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا طفیل ہے اور اسی لئے یہ آپؐ ہی سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جس قدر تاثیرات اور برکات وانوار ہیں وہ آپؐ ہی کے ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس الاحزاب:41)

ان گذارشات سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی کہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرنے کا حقیقی حقدار کون ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ نعت کے دو ہی عنوانات ہیں۔

اوّل یہ کہ باری تعالیٰ سے قرب کی نسبت سے آپؐ کا منصب عالی کیا ہے
دوم یہ کہ انسان ہونے کے اعتبار سے آپؐ کے اخلاق اور فضائل عالی کیا ہیں۔
اپنے دستور کے مطابق ہم اوّل قرآن کریم کے فرمودات کو پیش کرتے ہیں۔

اوّل عنوان کے تحت ہم عرض کرتے ہیں کہ دراصل یہ قرآن کریم کا حقیقی موضوع ہے جو تمام موضوعات اور مقاصد قرآن کریم کا محور ہے جیسا کہ سورۃ ھود کی ابتدائی آیات میں فرماتا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ (ھود: 2،3)

حضرت اقدسؑ ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی آیات پکی اور استوار ہیں''

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰه خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علّتِ غائی یہی عبادت ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 57) فرماتے ہیں ''عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر

قسم کی قساوت اور کجی کو دور کر کے زمین کو ایسا صاف کر دے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔

اور فرمایا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اس میں پیدا ہو کر نشو و نما پائیں گے۔ اور وہ اثمار شیریں وطیّب اِن میں لگیں گے جو اُكُلُهَا دَآئِمٌ (الرعد: 36) کے مصداق ہوں گے''۔

(تفسیر حضرت زیر آیت ھود)

اور عبادت نام ہے محبت کے انتہائی مقام کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا تو ان کو ایسا قربِ الٰہی عطا کیا گیا کہ وہ ہر اتباع کرنے والے کو واصل خدا بنا سکیں چنانچہ اوّل عنوان کے تحت یہ فرمانِ الٰہی پیش کیا جاتا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اٰل عمران: 32)

حضرت اقدسؑ اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

سوال: مسیح نے اپنی نسبت یہ کلمات کہے ''میرے پاس آؤ تم جو تھکے اور ماندے ہو کہ میں تمہیں آرام دونگا''۔ اور یہ کہ ''مَیں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں میں زندگی اور راستی ہوں''۔ کیا بانیٔ اسلام نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کیے ہیں۔

الجواب: قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔الخ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خُدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا پیارا بن جاتا ہے مسیح کے گذشتہ اقوال پر غالب ہے۔ **کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ انسان خدا کا پیارا ہو جائے۔ پس جس کی راہ پر چلنا انسان کو محبوب الٰہی بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کس کا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عالی کے بیان میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام تو یہ تھا کہ آپ محبوب الٰہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس مقام پر پہنچنے کی راہ بتائی جیسا کہ فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ اب غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع محبوب الٰہی تو بنا دیتی ہے۔ پھر اور کیا چاہیے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب الٰہی ہونے اور ان کے متبعین کو محبتِ الٰہی کے عطا کرنے کی برکات کے بیان میں ایک عظیم الشان فرمانِ حضرت اقدس ہے:

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔ **اوّل**: **اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔**
**دوم**: **یٰٓاَیُّھَا الَّذین اٰمنوا صلّوا علیه و سلّموا تسلیمًا**۔ **تیسرا**: موہبت الٰہی

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 38)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے بغیر اس کے یہ مقام مل ہی نہیں سکتا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اِسی مضمون کے تسلسل میں یہ فرمانِ الٰہی بھی ہے کہ رسول اکرمؐ کے اسوہ کے سوا خدا تعالیٰ کا قرب اور وصال حاصل نہیں ہوسکتا

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (الاحزاب:22)

حضرت اقدسؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اتباع سے خدا ملتا ہے اور آپ کے اتباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے گوہر مقصود اس کے ہاتھ میں نہیں آسکتا چنانچہ سعدیؒ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت بتاتا ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰے

زہد و ورع میں کوشش کرو مگر محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق

یہاں تک روحانی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی منصب و مقام کا ذکر ہوا ہے۔ اب انسانِ

کامل ہونے کے اعتبار سے آپ کے خصائلِ مبارکہ اور اخلاقِ حسنہ کو قرآن کریم کے فرمان کے تحت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبة:128)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ اِس فرمانِ قرآن کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

جذب اور عقد ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظل اللہ بنتا ہے پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لیے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے آپ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا وہ اس پر سخت گراں ہے اور اسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

فَاَشَارَ اللّٰه فِيْ قَوْلِهٖ عَزِيْزٌ وَّ فِيْ قَوْلِهٖ حَرِيْصٌ اِلٰى اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَظْهَرُ صِفَتِهِ الرَّحْمٰنِ بِفَضْلِهِ الْعَظِيْمِ لِاَنَّهٗ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ كُلِّهِمْ وَ لِنَوْعِ الْاِنْسَانِ وَ الْحَيَوَانِ وَ اَهْلِ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ. ثُمَّ قَالَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَجَعَلَهٗ رَحْمَانًا وَّ رَحِيْمًا .

ترجمہ از مرتب: اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے عزیز اور حریص کے الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے فضل عظیم سے اس کی صفت رحمٰن کے مظہر ہیں کیونکہ آپ کا وجود مبارک سب جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ بنی نوع انسان حیوانات۔ کافروں۔ مومنوں سبھی کے لیے۔ پھر فرمایا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْم اور اس میں آپ کو رحمان اور رحیم کے نام دیئے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور اس مضمون کے تسلسل میں باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی تو ہے فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108)

اور تجھ کو ہم نے اِس لئے بھیجا ہے کہ تمام عالَم پر نظرِ رحمت کریں اور نجات کا راستہ اُن پر کھول دیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرِ آیت)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لئے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اِس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جاوے پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دُنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دُنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرِ آیت)

مزید فرماتے ہیں۔

تمام دُنیا پر رحم کر کے ہم نے تجھے بھیجا ہے اور عالَمین میں کافر اور بے ایمان اور فاسق اور فاجر بھی داخل ہیں اور اُن کے لئے رحم کا دروازہ اِس طرح پر کھولا کہ قرآن شریف کی ہدایتوں پر چل کر نجات پا سکتے ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور رحمۃ للعالمین ہونے کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خُلقِ عظیم عطا کیا۔ جیسے فرماتا ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم :5)

حضرت اقدس اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

تُو اے نبی! ایک خلقِ عظیم پر مخلوق و مفطور ہے یعنی اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمم و مکمّل ہے کہ اُس پر زیادت متصوّر نہیں کیونکہ لفظِ عظیم محاورۂ عرب میں اُس چیز کی صِفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور مزید تفصیل سے فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ نے بیشمار خزائن کے دروازے آنحضرت ؐ پر کھول دئے سو آنجناب ؐ نے ان سب کو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور کسی نوع کی تن پروری میں ایک حبّہ بھی خرچ نہ ہوا نہ کوئی عمارت بنائی نہ کوئی بارگاہ تیار ہوئی بلکہ ایک چھوٹے سے کچّے کوٹھے میں جس کو غریب لوگوں کے کوٹھوں پر

کچھ بھی ترجیح نہ تھی اپنی ساری عمر بسر کی۔ بدی کرنے والوں سے نیکی کر کے دکھلائی اور وہ جو دل آزار تھے اُن کی مصیبت کے وقت اپنے مال سے خوشی پہنچائی۔ سونے کے لئے اکثر زمین پر بستراا ور رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا جھونپڑا اور کھانے کے لئے نانِ جو یا فاقہ اختیار کیا۔ دُنیا کی دولتیں بکثرت ان کو دی گئیں پر آنحضرتؐ نے اپنے پاک ہاتھوں کو دُنیا سے ذرا آلودہ نہ کیا اور ہمیشہ فقر کو تونگری پر اور مسکینی کو امیری پر اختیار رکھا۔ اور اُس دن سے جو ظہور فرمایا تا اُس دن تک جو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے بجُز اپنے مولیٰ کریم کے کِسی کو کچھ چیز نہ سمجھا اور ہزاروں دشمنوں کے مقابلے پر معرکہ جنگ میں کہ جہاں قتل کیا جانا یقینی امر تھا خالصًا خدا کے لئے کھڑے ہو کر اپنی شجاعت اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھلائی۔ غرض جود اور سخاوت اور زُہد اور قناعت اور مردمی اور شجاعت اور محبتِ الٰہیہ کے متعلق جو جو اخلاقِ فاضلہ ہیں وہ بھی خداوند کریم نے حضرت خاتم الانبیاء میں ایسے ظاہر کئے کہ جن کی مثل نہ کبھی دُنیا میں ظاہر ہوئی اور نہ آئندہ ظاہر ہو گی۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرِ آیت)

یہ ہمارے آقا اور سیّدی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداامی وابی) کی روحانی اور فطرتی مناصب علوی تھے جن کی بنا پر باری تعالیٰ نے صرف یہ حکم ہی نہیں صادر فرمایا کہ آپ حضرت کے نمونے کو اختیار کرو بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اس رسول پر صلوٰت و درود بھیجتے ہیں اس لیئے ہر مومن پر لازم ہے کہ آپ حضرت پر درود و سلام بھیجے۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب: 57)

خدا اور اس کے سارے فرشتے اُس نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایماندارو تم بھی اُس پر درود بھیجو اور نہایت اِخلاص اور محبت سے سلام کرو۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرِ آیت)

اس فرمانِ خداوندی کی تفسیر میں حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:

دُنیا میں کروڑہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب تر اس مردِ خدا کو پایا جس کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا

گیا صرف ہم اُن نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سو ہم **خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ برکات ہم بچشمِ خود نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گزشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ رہ جاتا۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

ایک اور مقام پر عظیم الشان نکتۂ نعتِ رسول اکرمؐ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی صدق و وفا دیکھئے آپؐ نے ہر ایک قسم کی بدتحریک کا مقابلہ کیا۔ طرح طرح کے مصائب و تکالیف اٹھائے لیکن پرواہ نہ کی۔ یہی صدق و وفا تھا جس کے باعث اللہ تعالےٰ نے فضل کیا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم دُرود و سلام بھیجو نبی پر۔ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف یا اَوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظِ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مِل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے **یعنی آپؐ کے اعمالِ صالحہ کی تعریف تحدید سے بیرُوں تھی۔ اِس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپؐ کی رُوح میں وہ صدق وصفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اِس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزاری کے طور پر درود بھیجیں۔**

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

باری تعالیٰ کے فرمودات اور حضرت اقدس کی تفسیر و تعبیر سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ نعت رسول اکرمؐ کے حقیقی اور بنیادی موضوعات دو ہیں یعنی آپ کا تعلق باللہ اور اپنے متبعین میں اس تعلق کو قائم کرنے کا منصب اور دوسرے آپ کا ہمدردیِ خلق کا جذبہ اور شوق مگر ایک بہت ہی اہم موضوع جس کا تعلق مومنین کی محبت اور عشقِ رسول سے ہے۔ ہم نے جو آیات منصب رسول اکرم کے بیان میں پیش کی ہیں ان میں یہ معانی بھی مضمر ہیں کہ روحانی منصب اور اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے عاشقانہ اتبّاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے فرمان میں واضح ہے کہ محبتِ الٰہی کا وصیلہ آپ کا اتبّاع ہے جو محبت رسولؐ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

اور یہ فرمان کہ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا واضح کر رہا ہے کہ ایسا قلبی درود وسلام محبت کے بغیر کیسے نصیب ہوسکتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ اور مومنین کے درمیان باپ اور اولاد کا رشتہ قائم فرمایا ہے۔ جیسے کہ فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ......الی الآخر (الاحزاب:7)

ترجمہ: نبی مومنوں سے ان کی جان کی نسبت بھی زیادہ قریب ہے اور اِس کی بیویاں اِن کی مائیں ہیں۔

اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ تم باری تعالیٰ کو ایسی محبت سے یاد کرو (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (البقرة:201)

حضرت اقدسؑ باپ بیٹے کے رشتہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا یعنی اپنے اللہ عزّ و جلّ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مخدوم اُس وقت باپ سے مشابہ ہوجاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقعہ ہوجاتی ہے اور حُبّ جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اِس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اُس کی جُز ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اُس کی جُز ہوجاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اِس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اُس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حُلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اُس کی رفتار اور کردار اور خو اور بوبصفائی تام اُس میں پائی جاتی ہے علیٰ ہذاالقیاس یہی حال اِس میں ہوتا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی تو ہے کہ باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا شرط ایمان ہے۔

فرماتے ہیں۔

لَا یُؤمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ احَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ .

(بخاری کتاب الایمان ،باب حبّ الرسول من الایمان)

ترجمہ:''تم میں سے کوئی کامل ایمان والانہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے والداور اپنی اولاد اورتمام انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے''

اس مقام تک ہم نے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب اور اس کے اسالیب ادب کی تعین میں گزارشات کی ہیں اورآپ کی منقبت میں اللہ تعالیٰ کے فرمودات پیش کئے۔

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان میں ہم نے بہت اختصار سے آنحضرتؐ کے وہ مناقب اورعظمت بیان کی ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمان کی ہے اور یہی وہ حقیقی اور صداقت پرمبنی عظمت رسول ہے جو آپ کی شایانِ شان ہے ۔مگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کے مناقب کے ذیل میں اور اس کی روشنی میں آنحضرتؐ نے جو اپنی عظمت وشان بیان کی اوراس کوبھی چند الفاظ میں پیش کر دیں

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مناقب کے بیان سے بھر پور ہیں ہم ان فرمودات میں سے صرف تین اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

اوّل مقام پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرض منصبی کو بیان کرتے ہیں جس کی بجا آوری کے لئے آپ کواور دیگر تمام انبیاء علیھم السلام کومبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ گذشتہ میں سورہ ھود کی آیت نمبر 2 اور 3 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کیساتھ بیان ہوا ہے کہ آپ کو خدائے واحد پر ایمان اورصرف اس کی عبادت کے قیام کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔اس منصب عالی کے بیان میں آپ فرماتے ہیں کہ نوعِ انسانی میں سب سے اوّل آپ کوواحد خدا کی شناخت کا عطیہ دیا گیااور منصب نبوّت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ

(ترمذی ابواب المناقب)

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اورجسم کے درمیان تھے۔

حضرت اقدسؑ اس منصب عالی کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوال ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ''۔کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ کے جواب میں سب سے اوّل ''بَلٰی'' کہنے والی روح آنحضرتؐ کی تھی اس لیئے آپ ''آدمِ توحید'' ہیں۔

فرمایا:

روحِ اُو درگفتن قولِ ''بلٰی''اوّل کسے        آدم توحید و پیش از آدمش پیوند یار

ترجمہ:قولِ بلٰی کہنے میں اس کی روح سب سے اوّل ہے وہ توحید کا آدم ہے اور آدم سے بھی پہلے یار(اللہ) سے اس کا تعلق تھا

یہی وہ اوّلین منصب رسول اکرمؐ ہے جس کی ذیل میں آپ کی تمام اسماءِ ذاتی اور صفاتی آتے ہیں۔جیسا کہ حضرت ابوطفیل سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے ربّ کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔میں محمد۔احمد۔فاتح۔خاتم۔ابوالقاسم۔ حاشر۔عاقب۔ماحی۔یٰس اور طٰہٰ ہوں''

(خصائص الکبریٰ زیر باب آنحضرت کے اسماءِ صفاتی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر بھی اپنے مناقب بیان فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں اور ہم ان سب کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔مگر دو فرمودات تو ایسے دلربا ہیں کہ ان میں آپ کی شان کے تعلق میں تمام عظیم الشان مناقب جمع ہو گئے ہیں اور ان میں ہمارے لیے ایک نوید جانفزا بھی ہے کہ آپ جیسا رحیم اور درگزر کرنے والا نبی ہماری شفاعت کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

فرماتے ہیں:

اَلَاوَ اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَاحَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَوَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ و لَا فَخْرَوَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّکُ حَلْقَ الْجَنَّۃِ فَیَفْتَحُ اللّٰہُ لِیْ فَیُدْخِلُنِیْھاوَمَعِیَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَافَخْرَوَاَنَااَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخَرِیْنَ وَلَا فَخْرَ

(ترمذی ابواب المناقب)

ترجمہ:سن لو!میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں۔میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع بھی میں ہی ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائیگی اور کوئی فخر نہیں۔سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا بھی میں ہوں اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولے گا اور مجھے داخل کریگا میرے ساتھ فقیر و غریب مومن ہونگے اور کوئی فخر نہیں۔میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم ہوں لیکن کوئی فخر نہیں۔

اِسی مضمون میں ایک اور بہت پیاری روایت ہے فرماتے ہیں:

**ابی سعید قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ : اَنَا سِیّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ ، وَمَامِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ -آدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ _ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ**

(ترمذی ابواب المناقب باب ما جاء فی مناقب النبی)

ترجمہ: ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ’’میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا مگر کوئی فخر نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں حمد باری تعالیٰ کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور نبیوں میں سب کے سب (آدم اور اس کے سوا) میرے جھنڈے تلے ہونگے اور کوئی فخر نہیں ہے ورسب سے اوّل میرے لیئے زمین شق کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں ہے۔

اس مضمون میں ایک اور فرمان بھی سُن لیں ۔فرمایا:

**حَدَّثَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ یَزِیْدَ الْکُوْفِیُّ ثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ لَیْثٍ عَنِ الرَّبِیْعِ بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَ اَنَا خَطِیْبُھُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَ اَنَا مُبَشِّرُھُمْ اِذَا یَئِسُوْا وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍبِیَدِیْ وَاَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عَلٰی رَبِّیْ وَلَا فَخْرَ**

(ترمذی باب المناقب )

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی اٹھنے والا ہوں ۔ جب لوگ وفد بن کر جائیں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا وہ ناامید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے ربّ کے ہاں اولادآدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں

## اُردو زبان میں

اب آنحضرت اقدسؐ کی نعت ہائے رسولؐ کے نمونے پیش کرتے ہیں ابتدا آپ کی اردو نعت سے کرتے ہیں جو اردو زبان میں نعت کا عظیم الشان نمونہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مقام کے بیان میں اور آپ حضرتؐ کے فیض اور آپ سے محبت کے اظہار میں نہایت درجہ سادہ اور سہل زبان میں مگر معارف سے بھری ہوئی نعت سرورعالی مقام ہے۔

**وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا**
**نام اُس کا ہے محمدؐ دل بر مِرا یہی ہے**

سب پاک ہیں پیمبر ۔اک دوسرے سے بہتر
لیک ازخدائے برتر خیر الورٰی یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے۔ بدر الدجٰی یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے
میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
دل یار سے مِلائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس راہ نما یہی ہے

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اس کی ثناء یہی ہے

حق سے جو حُکم آئے سب اُس نے کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطاء یہی ہے

آنکھ اسکی دُور بیں ہے دِل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عینُ الضیاء یہی ہے

جو رازِ دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرماں روا یہی ہے

**اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہوا ہوں**
**وُہ ہے مَیں چیز کیا ہُوں بس فیصلہ یہی ہے**

وہُ دلبرِ یگانہ عِلموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اُس سے پایا شاھد ہے تو خدایا
وُہ جِس نے حق دِکھایا وُہ مہ لقا یہی ہے

ہم تھے دِلوں کے اندھے سَو سَو دلوں میں پھندے
پھر کھولے جِس نے جندے وہ مجتبیٰ یہی ہے

مشاہدہ کریں کہ کیسا اتّباع قرآن کریم ہے

مطلع ''قد جاء کم من اللّٰہ نور'' سے شروع ہوا ہے اور بہت دلفریب انداز میں بیان ہوا ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے ''نور'' سارا
نام اُس کا ہے مُحَمَّدؐ دل بر مرا یہی ہے

اور بعد کے تین شعر انبیاء علیھم السلام کے مقابل پر آپ کے منصب کے بیان میں ہیں یعنی ''پہلوں سے خوب تر ہے'' سے لیکر

''پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے'' تک آپؐ کا وہ مقام بیان ہوا ہے جو آپ کو خدا تعالیٰ نے الہامًا بتایا تھا

''پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار''

آگے بڑھ کر ''وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی'' سے لیکر ''جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے'' تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام بیان ہوا ہے جو باری تعالیٰ نے لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا (الاحزاب: 22) کے فرمان میں بیان کیا ہے

دوبارہ مشاہدہ کرلیں نہایت درجہ حسین اور دلربا کلام ہے۔

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی

سے لیکر

دیکھا ہے ہم نے اس سے بس راہ نما یہی ہے

اور آخر پر

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

سے لیکر

ہم تھے دلوں کے اندھے سوسو دلوں میں پھندے

تک ایک والہانہ اظہار محبت ہے اور آنحضرتؐ کے روحانی فیوض کا نذرانہ تشکر ہے۔

فرماتے ہیں:

ہم تھے دِلوں کے اندھے سَو سَو دلوں میں پھندے

پھر کھولے جس نے جندرے وہ مجتبیٰ یہی ہے

اس اسلوب پر ایک اور عظیم الشان نعت کا بھی مشاہدہ کریں۔ اس نعت میں ایک ندرت بیان یہ بھی ہے کہ اس کا مطلع صداقت اسلام کے بیان میں ہے۔ نعت رسول میں یہ اس لحاظ سے نادر بات ہے کہ حقیقت میں آنحضرتؐ کی نعت و منقبت کا مدار اِسی پر ہے کہ آپ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین اور آخری کتاب کیساتھ مبعوث کیا ہے اس حقیقت کو آپ نے بہت ہی حسین انداز میں پیش کیا ہے اور یہی آپ حضرت کی نعت کا نقطۂ مرکزی ہے۔

فرماتے ہیں:

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے

کوئی دِیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دِکھلائے

یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اِسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا

نور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے

اور دِینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

کوئی دِکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

اور آگے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ الٰہی کے حامل ہونے کا بیان ہے اور پھر آپ کی محبت میں اس نور سے نہایت درجہ حصہ پانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عاشقانہ دعا ہے۔

**مصطفٰے پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت**

**جس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے**

فرماتے ہیں:

آؤ لوگو! کہ یہیں نُورِ خدا پاؤ گے!!

لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

آج اِن نوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں
دِل کو اِن نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
**مصطفٰے پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت**
**اُس سے یہ نور لیا بارِ خُدایا ہم نے**
ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مُدام
دِل کو وُہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالَم میں
لاجَرَم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

اورعشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے محامد میں بیان کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
تیری اُلفت سے ہے معمُور مِرا ہر ذرّہ
اپنے سینہ میں یہ اِک شہر بسایا ہم نے
دِلبرا! مُجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دِل سے مرے مِٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دِل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے
ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسُلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وُہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج

شورِ محشر تیرے کُوچہ میں مچایا ہم نے

آپؑ کے مناقب میں بے انتہا پُر معرفت اور فرمانِ قرآن کی اتباع میں یہ پُر عظمت شعر فرمایا۔

**ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسلؐ**

**تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے**

یہ شعر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ترجمہ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران: 111)

ہم نے اختصار کی غرض سے شانِ اسلام اور نعتِ رسول اکرمؐ کی نظم سے صرف نعتیہ اشعار کو اختیار کیا ہے کیونکہ ہم شانِ اسلام سے متعلق اشعار کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پر پیش کریں گے۔ گو یہ نظم اس شان کی ہے کہ اس کا مکمل طور پر مطالعہ کرنا بہت لطف دیتا ہے۔

آخر پر ایک چھوٹی سی صرف چار اشعار پر مشتمل نعت ہے بہت ہی سادہ و پُر کار ہے۔ نعت کے تمام مضمون اس میں جمع ہیں۔ محبت رسول بھی ہے۔ منصب رسول بھی ہے۔ اور شانِ قرآن کریم بھی۔ اور آخر پر بہت پیارے انداز میں فرمایا ہے

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلامِ احمد ہے

غلام احمد اضافت کیساتھ بہت ہی خوبصورت موازنہ ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''**علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**'' یعنی میری امت کے علماءِ ربّانی بنی اسرائیل کے انبیاء کا منصب رکھتے ہیں۔ اور غلام احمد نام کے طور پر بھی حسین ہیں کیونکہ آپ مسیح الزمان ہیں اِن معنوں ہی میں آپ پر خدا کا الہام ہوا اور باری تعالیٰ کی نہایت درجہ حسین نعت ظہور میں آئی۔

الہام حضرت:

**برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے**

**جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے**

سبحان اللہ۔ اس نعت کا کون مقابل ہوگا۔

پوری نظم پیش ہے۔

زندگی بخش جامِ احمدؐ ہے
کیا ہی پیارا یہ نام احمدؐ ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخُدا
سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھَل کھایا
میرا بُستاں کلامِ احمدؐ ہے
**ابنِ مریم کے ذِکر کو چھوڑو**
**اس سے بہتر غُلامِ احمدؐ ہے**

☆

# حضرت اقدس کی نعتِ رسول اکرمؐ

## فارسی زبان میں

بہت درست کہا گیا ہے کہ فارسی زبان کا مزاج روحانی ہے۔ یہ حقیقت فارسی ادب کی تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ ابوالسعید ابوالخیر سے لے کر سعدیؒ۔ رومؔی۔ جامؔی۔ اور سنائؔی تک بلکہ اس منصب کے اور بہت سے اساتذہ نے ثناءِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسول اکرم اور محبتِ الٰہی کے موضوعات کو اپنے ادب کا نصب العین بنا لیا تھا

یہ فارسی زبان کی قابل ناز خوش نصیبی ہے شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابناءِ فارس میں سے ایک امام آخرزمان نے آنا تھا اور اس نے اس زبان میں اہل زبان کی طرح سے حقیقی محبتِ الٰہی کی ذیل میں تمام روحانی موضوعات پر کلام تخلیق کرنا تھا۔ اس زبان سے محبت رکھنے والوں کے لئے تو یہ مناسبت بہت موزوں اور عزیز ہوگی۔ اس بیان کے اثبات میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اقدس نے نعت رسول کو فارسی زبان میں بہت کثرت سے بیان کیا ہے اور ہر صنف شعر میں بیان کیا ہے۔

نعت، قصائد، مثنوی، ابیات، غزل اور نظم میں بھی ہے۔ یہ صورت تو خاص اِس موضوع کے تحت کلام کی ہے وگرنہ آپ حضرت کے دستور کلام کے مطابق تو ہر روحانی موضوع یکے بعد دیگرے اوّل آخر پر کروٹ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے عشقِ رسولِ اکرم کے تحت نعتیہ کلام سے آپ کی زبانِ مبارک تر رہتی ہے۔ بات سے بات نکل رہی ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر دلفریب ہے۔

ماطفل کم سواد سبق قصّہ ہائے دوست　　　صد بار خواندہ و دگر از سرِ گرفتہ ایم

ہم ایسے نالائق طفلِ مکتب ہیں کہ دوست کے قصّے کو سو بار پڑھا ہے مگر اس کو پھر سے پڑھنے لگتے ہیں

اس کثرتِ بیان کے ہوتے ہوئے ہم نے یہ دستور اختیار کیا ہے کہ ہر صنفِ کلام سے نعت کے مضامین کے تحت کلام کو پیش کریں

ابتدا آپ کے عظیم الشان دعائیہ قصیدے سے کرتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے بیان کو بہت محبت اور جوش سے شروع کرتے ہیں اور قصیدے کی اقدار ادب کے مطابق بہت ہی تمکنت اور عالمانہ انداز میں فرماتے ہیں:

در دلم جوشد ثنائے سرورے　　　آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اُس سردارؐ کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے
وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے وہ جس کی روح اُس دلبر میں واصل ہے
آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است ہمچو طفلے پروریدہ در برے
وہ جو خدا کی مہربانیوں سے اُس کی طرف کھینچا گیا ہے اور خدا کی گود میں ایک بچہ کی مانند پلا ہے
آنکہ در برّ و کرم بحرِ عظیم آنکہ در لُطفِ اتم یکتا دُرے
وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے اور کمال خوبی میں ایک نایاب موتی ہے
آنکہ در جود و سخا ابرِ بہار آنکہ درفیض و عطا یک خاورے
وہ جو بخشش اور سخاوت میں ابرِ بہار ہے اور فیض و عطا میں ایک سورج ہے
آں رحیم و رحمِ حق را آیتے آں کریم و جودِ حق را مظہرے
وہ رحیم ہے اور رحمتِ حق کا نشان ہے وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے
آں رُخِ فرّخ کہ یک دیدارِ اُو زشت رو را می کند خوش منظرے
اُس کا مبارک چہرہ ایسا ہے کہ اُس کا ایک ہی جلوہ بد صورت کو حسین بنا دیتا ہے
آں دلِ روشن کہ روشن کردہ است صد درونِ تیرہ را چوں اخترے
وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے روشن کردیا سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کی طرح
آں مبارک پَے کہ آمد ذاتِ اُو رحمتے زاں ذاتِ عالم پرورے
وہ ایسا مبارک قدم ہے کہ اُس کی ذات خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت بن کر آئی ہے
احمدِ آخر زماںؐ کز نورِ او شد دلِ مردم زِ خور تاباں ترے
اس احمدؐ آخر زماں کے نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئے
از بنی آدم فزوں تر در جمال و ز لآلی پاک تر در گوھرے
وہ تمام بنی آدم سے بڑھ کر صاحب جمال ہے اور آب وتاب میں موتیوں سے بھی زیادہ روشن ہے
برلبش جاری زِ حکمت چشمۂ در دلش پُر از معارف کوثرے
اس کے منہ سے حکمت کا چشمہ جاری ہے اور اُس کے دل میں معارف سے پُر ایک کوثر ہے

اورقرآن کےفرمان کےمطابق آپ کےخدمت خلق کےجذبےکوبیان کرتے ہیں۔

عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (التوبة:128)

ترجمہ: ’’یعنی یہ رسول تمہاری تکلیف کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اس پر سخت گراں ہے۔ اور اُسے ہر

وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں''۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

خواجۂ و مر عاجزاں را بندۂ بادشاہ و بیکساں را چاکرے
وہ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کا غلام ہے۔ وہ بادشاہ ہے مگر بیکسوں کا چاکر ہے
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید کس ندیدہ درجہاں از مادرے
وہ مہربانیاں جو مخلوق نے اُس سے دیکھیں۔ وہ کسی نے اپنی ماں میں بھی نہیں پائیں۔
از شرابِ شوقِ جاناں بیخودے در سرش بر خاک بنہادہ سرے
وہ محبوب کے عشق کی شراب میں بیخود ہے اُس کی محبت میں اُس نے اپنا سر خاک پر رکھا ہوا ہے
روشنی از وے بہر قومے رسید نُورِ اُو رخشید بر ہر کشورے
اُس سے ہر قوم کو روشنی پہنچی۔ اُس کا نور ہر ملک پر چمکا
آیتِ رحمان برائے ہر بصیر حجّتِ حق بہر ہر دیدہ ورے
وہ ہر صاحب بصیرت کے لئے آیت اللہ اور ہر اہل نظر کے لیے حجتِ حق ہے
ناتواناں را برحمت دستگیر خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے
کمزوروں کا رحمت کے ساتھ ہاتھ پکڑنے والا اور ناامیدوں کا شفقت کے ساتھ غم خوار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کے اظہار میں فرماتے ہیں:
یک نظر بہتر زِ عمرِ جاوداں گرفتد کس را برآں خوش پیکرے
ہمیشہ کی زندگی سے ایک نظر بہتر ہے اگر اُس پیکرِ حُسن پر پڑ جائے
منکہ از حُسنش ہمے دارم خبر جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
میں جو اُس کے حسن سے باخبر ہوں اُس پر اپنی جان قربان کرتا ہوں جبکہ دوسرا صرف دل دیتا ہے
یادِ آں صورت مرا از خود بَرد ہرزماں مستم کند از ساغرے
اُس کی یاد مجھے بیخود بنا دیتی ہے۔ وہ ہروقت مجھے ایک ساغر سے مست رکھتا ہے
**مے پریدم سوئے کوئے او مدام من اگرمے داشتم بال و پرے**
میں ہمیشہ اُس کے کوچہ میں اُڑتا پھرتا اگر میں پر و بال رکھتا
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے منصب کو بیان کر کے اپنا سلام پیش کرتے ہیں۔

او چہ مے دارد بمدحِ کس نیاز مدحِ او خود فخرِ ہر مدحت گرے
اُسے کسی کی تعریف کی کیا حاجت ہے اس کی مدح ہر مدحت گر کے لئے باعث فخر ہے
ہست او در روضۂ قدس و جلال و از خیالِ مادحاں بالا ترے
وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں متمکن ہے اور تعریف کرنے والوں کے وہم سے بالاتر ہے
اے خدا بر وَے سلامِ ما رساں ہم بَر اِخوانش زِ ہر پیغمبرے
اے خدا ہمارا سلام اس تک پہنچا دے نیز ہر پیغمبر پر جو اس کا بھائی ہے

اورآخر پر تمام انبیا اور خاص طور پر رسول اکرمؐ کے طفیل ایک نہایت ہی مؤثر اور عاجزانہ مناجات کرتے ہیں۔

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم! ہمچو خاکے اوفتادہ بر درے
ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں اور خاک کی طرح اُن کے دروازہ پر پڑے ہیں
ہر رسولے کو طریقِ حق نمود جانِ ما قرباں برآں حق پرورے
ہر وہ رسول جس نے خدا کا راستہ دکھایا ہماری جان اُس راستباز پر قربان ہے
اے خداوندم بہ خیلِ انبیا کش فرستادی بہ فضلِ اَوفرے
اے میرے خدا ان انبیاء کے گروہ کے طفیل جن کو تو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے
معرفت ہم دِہ چو بخشیدی دلم مَے بدہ زاں ساں کہ دادی ساغرے
مجھے معرفت عطا فرما، جیسے تو نے دل دیا ہے شراب بھی عطا کر جبکہ تو نے جام دیا ہے
اے خداوندم بنامِ مصطفٰےؐ کش شدی در ہر مقامے ناصرے
اے میرے خدا۔ مصطفٰے کے نام پر جس کا تو ہر جگہ مددگار رہا ہے
دستِ من گیر ازرہِ لُطف و کرم در مہم باش یار و یاورے
اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اور میرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے
میں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں اگرچہ میں خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی کم تر

دوسرا رائیہ قصیدہ بھی مشاہدہ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ الٰہی کے بیان میں فرماتے ہیں:

چوں زِ من آید ثنائے سرورِ عالی تبار عاجزاز مدحش زمین و آسمان ہر دو دار
مجھ سے اُس عالی قدر سردار کی تعریف کس طرح ہو سکے جس کی مدح سے زمین وآسمان اور دونوں جہان عاجز ہیں

آں مقامِ قرب کو دارَد بدلدارِ قدیم　　کس نداندشانِ آں از واصلانِ کردگار

قرب کا وہ مقام جو وہ محبوب ازلی کے ساتھ رکھتا ہے اُس کی شان کو واصلانِ بارگاہ الٰہی میں سے بھی کوئی نہیں جانتا

آں عنایت ہا کہ محبوبِ ازل دارد بدو　　کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار

وہ مہربانیاں جو محبوب ازلی اس پر فرماتا رہتا ہے۔ وہ کسی نے دنیا میں خواب میں بھی نہیں دیکھیں

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں　　آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

خاصانِ حق کا سردار اور عاشقانِ الٰہی کی جماعت کا بادشاہ ہے جس کی روح نے محبوب کے وصل کے ہر درجہ کو طے کرلیا ہے

**یا نبی اللہ توئی خورشیدِ رہ ہائے ہُدیٰ　　بے تو نارد رو براہے عارفِ پرہیزگار**

اے نبی اللہ! تو ہی ہدایت کے راستوں کا سورج ہے تیرے بغیر کوئی عارف پرہیزگار ہدایت نہیں پا سکتا

**یا نبی اللہ لبِ تو چشمۂ جاں پرور است　　یا نبی اللہ توئی در راہِ حق آموزگار**

اے نبی اللہ! تیرے لب زندگی بخش چشمہ ہیں اے نبی اللہ! تو ہی خدا کے راستہ کا رہنما ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

زندگانی چیست جاں کردن براہِ تو فدا　　رستگاری چیست در بندِ تو بودن صید وار

زندگی کیا ہے یہی کہ تیری راہ میں جان کو قربان کر دینا۔ آزادی کیا ہے؟ یہی کہ تیری قید میں شکار بن کر رہنا

تاوجودم ہست خواہد بود عشقت در دلم　　تادلم دورانِ خون دارد بہ تو دارد مدار

جب تک میرا وجود باقی ہے تیرا عشق میرے دل میں رہیگا جب تک میرے دل میں خون دورہ کرتا ہے تب تک اس کا دارومدار تجھ پر ہے۔

یارسول اللہ برویت عہد دارم استوار　　عشقِ تو دارم ازاں روزے کہ بودم شیرخوار

یارسول اللہ میں تجھ سے مضبوط تعلق رکھتا ہوں اور اُس دن سے کہ میں شیرخوار تھا مجھے تجھ سے محبت ہے۔

**در دو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ　　پرورش دادی مرا خود ہمچو طفلے در کنار**

دونوں جہانوں میں مَیں تجھ سے بے انتہا تعلق رکھتا ہوں۔ تو نے خود بچے کی طرح اپنی گود میں میری پرورش فرمائی۔

یاد کن وقتیکہ در کشفم نمودی شکلِ خویش　　یاد کن ہم وقتِ دیگر کآمدی مشتاق وار

وہ وقت یاد کر جب تو نے کشف میں مجھے اپنی صورت دکھائی تھی اور ایک موقع بھی یاد کر جب تو میرے پاس مشتاقانہ تشریف لایا تھا

یاد کن آں لطف و رحمتہا کہ بامن داشتی　　　وہ آں بشارت ہا کہ میدادی مرا از کردگار

ان مہربانیوں اور رحمتوں کریاد کر جوتو نے مجھ پر کیں اور اُن بشارتوں کو بھی جو خدا کی طرف سے تو مجھے دیتا تھا

یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا　　　آں جمالے آں رُخے آں صورتے رشک بہار

وہ وقت یاد کر جب بیداری میں تو نے مجھے دکھایا تھا۔ اپنا جمال وہ چہرہ اور وہ صورت جس پر موسم بہار بھی رشک کرتا ہے۔

ابیات اور مثنوی کی صنف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپؐ کے رہبر کامل ہونے کی برکات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

عظیم الشان نعتیہ کلام ہے۔

**آں شہ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ　　　سیّدِ عشّاقِ حق شمس الضحیٰ**

وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰؐ ہے جو عشّاقِ حق کا سردار اور شمس الضحیٰ ہے۔

**آنکہ ہر نورے طفیلِ نورِ اُوست　　　آنکہ منظورِ خدا منظورِ اوست**

وہ وہ ہے کہ ہر نور اسی کے طفیل سے ہے اور وہ وہ ہے جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے۔

آنکہ بہرِ زندگی آبِ رواں　　　در معارف ہمچو بحرِ بیکراں

اس کا وجود زندگی کے لیے آبِ رواں ہے اور حقایق اور معارف کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

آنکہ بر صدق و کمالش در جہاں　　　صد دلیل و حجّتِ روشن عیاں

وہ کہ جس کی سچائی اور کمال پر دنیا میں سینکڑوں دلیلیں اور روشن براہین ظاہر ہیں۔

آنکہ انوارِ خدا بر روئے اُو　　　مظہرِ کارِ خدائی کوئے اُو

وہ جس کے منہ پر خدائی انوار برستے ہیں اور جس کا کوچہ نشاناتِ الٰہی کا مظہر ہے۔

**آنکہ جملہ انبیاء و راستاں　　　خادمانش ہمچو خاکِ آستاں**

وہ کہ تمام نبی اور راست باز خاکِ در کی طرح اس کے خادم ہیں۔

**آنکہ مہرش مے رساند تا سما　　　مے کند چوں ماہِ تاباں در صفا**

وہ کہ جس کی محبت آدمی کو آسمان تک پہنچاتی ہے اور صفائی میں چمکتے ہوئے چاند کی طرح بنا دیتی ہے۔

از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی!　　　نامِ ہر مرسَل بنامِ او جلی

ہر نبی کا نور اسی کے طفیل سے ہے اور ہر رسول کا نام اس کے نام کی وجہ سے روشن ہے۔

مصطفیٰؐ آئینۂ روئے خدا ست　　منعکس در وے ہماں خوئے خداست

مصطفیٰؐ تو خدا کے چہرہ کا آئینہ ہیں ان میں خدا تعالیٰ کی ہی تمام صفات منعکس ہیں

گرندیدستی خدا اُو را ببین　　مَـنْ رَانِـی قَـدْ رَأیَ الْحَق ایں یقیں

اگرتو نے خدا کونہیں دیکھا تو انہیں دیکھ یہ حدیث یقینی ہے کہ ''جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا''

غزل کی صنف میں ایک بہت ہی خوبصورت اور دلربا نعت ایسی ہے کہ اس کا حُسن وخوبی بیان نہیں ہوسکتی۔ سادہ اور دلفریب۔ مختصر مگر پر معارف۔ عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی نعت ہے۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است　　خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

میری جان و دل محمد کے جمال پر فدا ہیں اور میری خاک آل محمد کے کوچے پر قربان ہے۔

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش　　در ہر مکان ندائے جلالِ محمد است

میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ ہر جگہ محمد کے جلال کا شہرہ ہے

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم　　یک قطرۂ زِ بحرِ کمالِ محمد است

معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں۔ یہ محمد کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے

ایں آتشم زِ آتشِ مہرِ محمدی ست　　وایں آبِ من ز آبِ زلالِ محمد است

یہ میری آگ محمد کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد کے مصفّا پانی میں سے لیا ہوا ہے

غزل میں ایک اور پُر معارف صدقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ایک بہت ہی مؤثر نعت ہے۔

عجب نوریست در جانِ محمد　　عجب لعلیست در کانِ محمد

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان میں ایک عجیب نور ہے محمد کی کان میں ایک عجیب وغریب لعل ہے

زِ ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف　　کہ گردد از محبانِ محمد

دل اُس وقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد صلعم کے دوستوں میں داخل ہوجاتا ہے

عجب دارم دلِ آں ناکساں را　　کہ رُو تابند از خوانِ محمد

میں ان نالائقوں کے دلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمد صلعم کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم　　کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ

دونوں جہان میں مَیں کسی شخص کو نہیں جانتا جو محمدؐ کی سی شان و شوکت رکھتا ہو

اگر خواہی نجات از ہستیٔ نفس!　　بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

اگر تو نفس کی بدمستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مستانوں میں سے ہوجا

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت بشو از دل ثنا خوانِ محمد

اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تیری تعریف کرے تو تہ دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدح خواں بن جا

**اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمد ہست برہانِ محمد**

اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود محمد کی دلیل ہے

آپ کے عشقِ رسولؐ کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے بھی یہ شعر تخلیق فرما کر الہام کیا۔

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ بترس از تیغِ برّانِ محمدؐ

اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہوجا اور محمدؐ کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر

رہِ مولیٰ کہ گُم کردند مردم بجو در آل و اعوانِ محمد

خدا کے اس راستہ کو جسے لوگوں نے بھلا دیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور انصار میں ڈھونڈھ

**الا اے منکر از شانِ محمد ہم از نورِ نمایانِ محمد**

خبردار ہوجا! اے وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نیز محمدؐ کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے

**کرامت گرچہ بے نام و نشان است بیا بنگر زِ غلمانِ محمد**

اگرچہ کرامت اب مفقود ہے۔ مگر تو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے

ایک لاجواب قطعہ **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** کے فرمان کے مطابق مشاہدہ کریں۔

محمد است امام و چراغِ ہر دوجہاں محمداست فروزندۂ زمین و زمان

محمد ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے محمد ہی زمین وزماں کا روشن کرنے والا ہے

خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا خدانماست وجودش برائے عالمیاں

میں خوف خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم اس کا وجود اہل جہان کے لیے خدا نما ہے

اور آخر پر عشقِ رسول اکرم کے اظہار میں چند نہایت درجہ خوبصورت اور دل ہلا دینے والے اشعار کا مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں۔

**بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مُخمرم گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم**

خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں

**ہر تارو پودِ من بسراید بعشقِ اُو از خود تہی و از غمِ آں دلستاں پُرم**

میرے رگ وریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں

من در حریمِ قدس چراغ صداقتم　　　دستش محافظ است زِہر بادِ صرصرم

میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے

یارب بزاریم نظرے کن بلطف و فضل　　　جز دستِ رحمتِ تُو دگر کیست یاورم

اے میرے ربّ میری گریہ وزاری کو دیکھ کر لطف وکرم کی ایک نظر کر کہ تیری رحمت کے ہاتھ کے سوا اور کون میرا مددگار ہے

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفیٰ!　　　این است کامِ دل اگر آید میسّرم!

میری جان مصطفیٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو۔ یہی میرے دل کا مدّعا ہے کاش میسّر آ جائے

# نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

## عربی زبان میں

جیسا کہ ہم نے آپ حضرت کی فارسی نعت کے تعلق میں کہا ہے کہ وہ اس قدر تفصیل سے ہے کہ مکمل نعتیہ قصائد طوالت کے خوف سے پیش کرنے مشکل ہیں اس لیئے ہم آپ کے قصائد میں سے بنیادی اقدار نعت کے چند نمونے پیش کرینگے۔ اِسی دستور کو قائم رکھتے ہوئے ہم عربی میں اوّل اُس قصیدے کے نمونے پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

1۔ یہ قصیدہ آپ کی ذہنی کاوش اور ذاتی محنت سے تحریر نہیں ہوا بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی تائید اور راہنمائی سے تخلیق ہوا ہے

2۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا ادبی اسلوب اور محاسنِ کلام بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ یہ قدرتِ کلام آپ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔

آپ حضرت اس نعت کی ابتدا میں آنحضرتؐ کے ذاتی صفات آپ کی عظمت وشان میں فرماتے ہیں۔

**یَا عین فَیْضِ اللّٰہ والعرفان　　　یسعٰی الیک الخلق کالظمآن**

اے اللہ کے فیض وعرفان کے چشمے! خلقت تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے۔

**یا بحر فضل المنعم المنان　　　تھوی الیک الزمر بالکیزان**

اے انعام واحسان کرنے والے خدا کے فضل کے سمندر! لوگوں کے گروہ کوزے لیئے ہوئے تیری طرف لپکے آرہے ہیں۔

**یاشمس ملک الحسن و الاحسان　　　نورت وجہ البر و العمران**

اے حسن واحسان کے ملک کے آفتاب! تو نے بیابانوں اور آبادیوں کے چہرے کو منور کر دیا ہے

**قوم رأوک و امۃ قد اخبرت　　　من ذٰلک البدر الذی اصبانی**

ایک قوم نے تو تجھے دیکھا ہے اور ایک امت نے خبر سنی ہے اس بدر کی جس نے مجھے (اپنا) عاشق بنادیا ہے

**یبکون من ذکر الجمال صبابۃ　　　وتألما من لوعۃ الھجران**

وہ تیرے حسن کی یاد میں بوجہ عشق کے (بھی) روتے ہیں اور جدائی کی جلن کے دُکھ اُٹھانے سے بھی

دوسرے قدم پر آپ کا مظہر صفات باری ہونے کا منصب بہت ہی خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ سے محبت کا یہی موجب ہے اس لیئے محبت کا اصل حق آپ ہی کا ہے اور بہت ہی عظیم الشان بات کہتے ہیں کہ آپ تمام اوّل وآخر مقربانِ الٰہی سے افضل ہیں اور یہ فضیلت آپ کے کارہائے نمایاں اور اعمال

صالحہ پر موقوف ہے نعت کے حقیقی مصادر اور اطلاق کے بیان میں یہ عظیم الشان معرفت کا نکتہ ہے۔

فرماتے ہیں:

**أُرسلت من ربّ کریم محسن          فی الفتنة الصماء و الطغیان**

تو ربّ کریم محسن کی طرف سے خوفناک فتنے اور طغیان اور سرکشی کے وقت بھیجا گیا

**یا للفتٰی ما حسنه و جماله          ریاہ یصبی القلب کالریحان**

واہ! کیا ہی جوان مرد ہے! کیسے حسن و جمال والا ہے! جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح موہ لیتی ہے

**وجه المهیمن ظاهر فی وجهه          و شُئُونه لمعت بهذا الشأن**

آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں

**فلذا یحب و یستحق جماله          شغفا به من زمرة الاخدان**

سو اسی لئے تو آپ سے محبت کی جاتی ہے اور آپ کا ہی جمال اس لائق ہے کہ دوستوں کے گروہ میں سے صرف آپ ہی سے بے پناہ محبت کی جائے

**سجح کریم باذل خل التقی          خرق وفاق طوائف الفتیان**

آپ خوش خُلق، معزز، سخی، تقوٰی کے سچے دوست، فیاض اور جواں مردوں کے گروہوں پر فوقیت رکھنے والے ہیں

**فاق الوری بکماله و جماله          و جلاله و جنانه الریان**

آپ ساری خلقت سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گئے ہیں

**لا شک ان محمدا خیر الورٰی          ریق الکرام و نخبة الأعیان**

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الورٰی، معززین میں سے برگزیدہ اور سرداروں میں سے منتخب وجود ہیں

**تمّت علیه صفات کل مزیة          خُتمت به نعماء کل زمان**

ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپ پر کمال کو پہنچ گئیں اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپ پر ختم ہو گئیں ہیں

**و اللّٰه ان محمّدًا کردافة          و به الوصول بسدة السلطان**

بخدا! بے شک محمد ﷺ (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے

**هو فخر کل مطهّر و مقدّس          و به یباهی العسکر الروحانی**

آپ ہر ایک مطہّر اور مقدّس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ پر ہی ناز کرتا ہے

**هو خیر کل مقرب متقدم          و الفضل بالخیرات لا بزمان**

آپ ہر مقرّب اور (راہِ سلوک میں) آگے بڑھنے والے سے افضل ہیں اور فضیلت کارہائے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر

تسلسلِ نعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا اور اپنا امام الزمان ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور ایک دلفریب اور والہانہ انداز میں اپنے عشق و محبت کو پیش کرتے ہیں اور نہایت درد سے شکایت کرتے ہیں کہ قوم نے آپ کے عشق کے باوجود آپ کو کافر کہہ کر تکلیف پہنچائی ہے۔ فرماتے ہیں:

**ونبینا حی و انی شاھد　　　وقد اقتطفت قطائف اللقیان**

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور بے شک میں گواہ ہوں اور میں نے آپ کی ملاقات کے ثمرات حاصل کئے ہیں۔

**و رأیتُ فی ریعان عمری وجهه　　　ثم النبی بیقظتی لاقانی**

میں نے تو (اپنے) عنفوانِ شباب میں آپ کا چہرہ مبارک دیکھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری بیداری میں بھی مجھے ملے ہیں۔

**انی لقد أحییت من احیائه　　　واھًا لاعجاز فما أحیانی**

بے شک میں آپ کے زندہ کرنے سے ہی زندہ ہوا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا اِعجاز ہے اور مجھے کیا خوب زندہ کیا ہے!

**یا ربّ صل علٰی نبیک دائمًا　　　فی ھذہ الدنیا و بعث ثان**

اے میرے ربّ! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیجتا رہ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی

**یا سیدی قد جئت بابک لاھفًا　　　و القوم بالاکفار قد اٰذانی**

اے میرے آقا! میں تیرے دروازے پر مظلوم و مضطر فریادی کی حالت میں آیا ہوں جبکہ قوم نے (مجھے) کافر کہہ کر ایذا دی ہے

**یفری سھامک قلب کل محارب　　　و یشج عزمک ھامة الثعبان**

تیرے تیر ہر جنگجو کے دل کو چھید دیتے ہیں اور تیرا عزم اژدھا کے سر کو کچل ڈالتا ہے

**للّٰه دَرُّکَ یا امام العالم　　　أنت السبوق و سید الشجعان**

آفرین تجھ پر اے دنیا کے امام! تو سب پر سبقت لے گیا ہے اور بہادروں کا سردار ہے

**انظر الی برحمةٍ و تحننٍ　　　یا سیدی انا احقر الغلمان**

تو مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر۔ اے میرے آقا! میں ایک حقیر ترین غلام ہوں

**یا حِبِّ انک قد دخلت محبة　　　فی مھجتی و مدارکی و جنانی**

اے میرے آقا! تو از راہِ محبت میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے

**من ذکر وجھک یا حدیقة بھجتی　　　لم اخل فی لحظ و لا فی اٰن**

اے میری خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد میں ایک لحظہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا

**جسمی یطیر الیک من شوق علا　　　یا لیت کانت قوّة الطیران**

میرا جسم تو شوقِ غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی

آخری تین اشعار میں آپ کی محبت کا اظہار دیکھو ایسا محبت بھرا کلام اور ایسی قدرتِ زبان اور یہ جذبابِ نعت میں کہاں دستیاب ہونگے

آخری شعر دوبارہ سُن لیں یہ نعت کا حقیقی محور اور چشمہ ہے۔

**جسمی یطیر الیک من شوق علا　　　یا لیت کانت قوّة الطیران**

میرا جسم تو شوقِ غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی

ایک بہت خوبصورت نعت چھوٹی بحر میں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت سے لبریز ملاحظہ کریں:

**یَا قَلْبِیَ اذْکُر اَحْمَدَا　　　عَیْنَ الْھُدٰی مُفْنِی الْعِدَا**

اے میرے دل! احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر جو ہدایت کا سرچشمہ اور دشمنوں کو فنا کرنے والا

**بَرًّا کَرِیْمًا مُّحْسِنًا　　　بَحْرَ الْعَطَایَا وَ الْجَدَا**

نیک ، کریم ، محسن، بخششوں اور سخاوت کا سمندر ہے

**بَدْرٌ مُّنِیْرٌ زَاھِرٌ　　　فِیْ کُلِّ وَصْفٍ حُمِّدَا**

وہ چودھویں کا نورانی روشن چاند ہے۔ وہ ہر وصف میں تعریف کیا گیا ہے

**اِحْسَانُہٗ یُصْبِی الْقُلُوْبَ　　　وَ حُسْنُہٗ یُرْوِی الصَّدٰا**

اس کا احسان دلوں کو موہ لیتا ہے اور اس کا حسن پیاس کو بجھا دیتا ہے

**نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ　　　أَحْیَی الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا**

وہ اللہ کا نور ہے جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کردیا

**اَلْمُصْطَفٰی وَ الْمُجْتَبٰی　　　وَ الْمُقْتَدَا وَالْمُجْتَدَا**

وہ برگزیدہ ہے، چنا ہوا ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے، اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے

**جُمِعَتْ مَرَابِیْعُ الْھُدٰی　　　فِیْ وَبْلِہٖ حِیْنَ النَّدٰی**

ہدایت کی بارشیں سخاوت کے وقت اس کی موسلادھار بارش میں جمع کردی گئیں

یہ غزل بھی دیکھیں نَفۡسِی الۡفِدَاءُ لِبَدۡرٍ ھَاشِمِیٍّ عَرَبِی ایسا خوبصورت مطلع ہے کہ انسان اس پر فدا ہو جائے۔

چند اشعار سن لیں

**نَفۡسِی الۡفِدَاءُ لِبَدۡرٍ ھَاشِمِیٍّ عَرَبِی وَدَادُہٗ قُرَبٌ نَاھِیۡکَ عَنۡ قُرَبِ**

میری جان فدا ہو اس کامل چاند پر جو ہاشمی عربی ہے۔ آپ کی محبت قربتوں کا ایسا ذریعہ ہے جو تجھے باقی قربت کے ذرائع سے بے نیاز کر دینے والا ہے

**نَجَّا الۡوَرٰی مِنۡ کُلِّ زُوۡرٍ وَّ مَعۡصِیَۃٍ وَمِنۡ فُسُوۡقٍ وَّ مِنۡ شِرۡکٍ وَّ مِنۡ تَبَبٖ**

آپ نے مخلوق کو ہر جھوٹ اور گناہ سے نجات دی اور فسق سے، شرک سے، اور ہلاکت سے بھی

**فَنُوِّرَتۡ مِلَّۃٌ کَانَتۡ کَمَعۡدُوۡمٍ ضُعۡفًا وَّ رُجِمَتۡ ذَرَارِی الۡجَآنِّ بِالشُّھُبِ**

پس منور ہو گئی وہ ملت جو معدوم کی طرح تھی ضعف میں۔ اور شیطان کی ذریت شہابوں سے سنگسار کی گئی

**وَ زَحۡزَحَتۡ دَخۡنًا غَشّٰی عَلٰی مِلَلٍ وَسَاقَطَتۡ لُؤۡلُؤًا رَطۡبًا عَلٰی حَطَبِ**

اور اس ملت نے ان تاریکیوں کو دور کر دیا جو قوموں پر چھائی ہوئی تھیں اور سوکھی لکڑیوں پر تر و تازہ موتی برسا دئے۔

**وَنَضَّرَتۡ شَجۡرَ ذِکۡرِ اللّٰہِ فِیۡ زَمَنٍ مَحۡلٍ یُّمِیۡتُ قُلُوۡبَ النَّاسِ مِنۡ لَعِبِ**

اور اس ملت نے شاداب کر دیا اللہ کے ذکر کے درخت کو ایسے خشک سالی کے زمانے میں جو دلوں کو کھیل کود سے مردہ کر رہا تھا۔

**فَلَاحَ نُوۡرٌ عَلٰی اَرۡضٍ مُّکَدَّرَۃٍ حَقًّا وَّ مُزِّقَتِ الۡاَشۡرَارُ بِالۡقُضُبِ**

پس ظاہر ہوا ایک نور تاریک زمین پر یقینی طور پر اور پارہ پارہ کر دیے گئے شریر کاٹنے والی تیز تلواروں سے۔

**وَمَا بَقٰی اَثَرٌ مِنۡ ظُلۡمٍ وَّ بِدۡعَاتٍ بِنُوۡرِ مُھۡجَۃِ خَیۡرِ الۡعُجۡمِ وَالۡعَرَبِ**

اور ظلم اور بدعات کا کوئی نشان باقی نہ رہا عرب و عجم میں سے بہترین شخص کی جان کے نور کی وجہ سے

کرامات الصادقین میں اپنے دعاوی کے دلائل کو پیش کرتے ہوئے بہت ہی خوبصورت نعت میں فرمایا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حاصل کیا ہے اور پھر آپؐ کے محاسن بیان کئے ہیں۔

**رَئَیۡنَاہُ مِنۡ نُّوۡرِ النَّبِیِّ الۡمُصۡطَفٰی وَ لَوۡلَاہُ مَا تُبۡنَا وَ لَا نَتَقَرَّبُ**

ہم نے اس (خدا) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ذریعہ پالیا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتا تو نہ ہم رجوع (الی اللہ) کرتے اور نہ ہم (خدا کے) مقرب بنتے۔

لَـــهُ دَرَجَــاتٌ فِـی الْـمَـحَبۃ تَـآمّۃ　　　لَـــهُ لَـمَـعَــاتٌ زَالَ مِنهَــا الْغَیْهَــبُ

اس نبی کومحبتِ الٰہی میں کامل درجات حاصل ہیں۔اس کوایسی شعاعیں ملی ہیں جن کے ذریعہ تاریکی دور ہوگئی ہے

ذُکَــاءٌ مُّـنِـیْــرٌ قَــدْ اَنَــارَ قُـلُـوْبَـنَــا　　　وَ لَــهُ اِلٰــی یَـوْمِ الـنُّشُـوْرِ مُـعَقِّـبُ

وہ روشنی کرنے والا آفتاب ہے اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور اس کا قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی جانشین ہوتا رہے گا

وَ فِـی اللَّیلِ بَعْدَ الشَّمْسِ قَمَرٌمُّنَوَّرٌ　　　کَمَا فِی الزَّمَانِ نُشَاهِدَنْ وَ نُجَرِّبُ

اور رات کوسورج کے بعدروشن چاند ہوتا ہے جیسا کہ ہم زمانہ میں مشاہدہ کرتے اور تجربہ رکھتے ہیں

وَ لِـلّٰــهِ اَلْـطَــافٌ عَـلٰــی مَنْ اَحَبَّـهُ　　　فَـوَابِـلُــهُ فِـیْ کُـلِّ قَـرْنٍ یَّـسْـکَـبُ

اور خدا کی اس شخص پر مہربانیاں ہیں جو آپ سے محبت کرے پس آپ کی موسلا دھار بارش ہر صدی میں برسا کرتی ہے

وَ شِیْـمَتُـهُ قَـدْ اُفْـرِدَتْ فِـیْ فَضَائِلِ　　　وَ قَـدْ فَـاقَ اَحْلَامَ الْوَرٰی اَفَتَعْجَبُ

اور آپ کا خُلق فضائل میں یکتا ہوگیا ایسے حال میں کہ آپ (اپنے اخلاق میں) مخلوق کی عقلوں (کے اندازے) پر بھی فوقیت لے گئے۔پس کیا تو حیران ہو رہا ہے

کرامات الصادقین کے ایک اور قصیدے میں قرآن کریم کے فرمان بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبة:128) کا اتّباع کرتے ہوئے آنحضرتؐ کوصاحبِ حوض کوثر اور نائبِ خدا کہتے ہیں۔

تَـخَیَّـرَهُ الْـرَّحْـمٰـنُ مِنْ بَیْنِ خَلْقِهِ　　　ذُکَــاءٌ بِــجَـلْـوَتِــهِ وَ بَـدْرٌ مُّـنَـوَّرُ

اسے خدائے رحمان نے اپنی مخلوق میں سے منتخب کرلیا ہے وہ اپنے جلوے میں سورج ہے اور چودھویں کا روشن چاند

وَ کَــأَنَّ جَلَالٌ فِــیْ عَــرَانِیْنِ وَبْلِهِ　　　خَـفَـی الْـفَـارَ مِنْ اَنْفَاقِهِنَّ الْمُمْطِرُ

اس کی موسلا دھار بارش کے اوائل میں ہی عظیم الشان برسنے والے بادل نے چوہوں کو ان کے بلوں سے نکال دیا

رَؤُفٌ رَّحِیْـمٌ کَهْفُ اُمَـمٍ جَـمِیْعِهَـا　　　شَفِیْعُ الْوَرٰی سَلّٰی اِذَا مَا اُضْجِرُوْا

وہ مہربان۔رحیم ہے۔سب قوموں کی پناہ ہے۔مخلوق کا شفیع ہے۔جب وہ تنگی میں پڑ جائیں تو تسلی دیتا ہے

**اَلا مَا هَرَفْنَا فِیْ ثَنَاءِ رَسُوْلِنَا لَہٗ رُتْبَۃٌ فِیْہِ الْمَدَائِحُ تُحْصَرُ**

سنو! ہم نے اپنے رسول کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا۔ اسے تو ایسا مرتبہ حاصل ہے جس میں تعریفیں ختم ہو جاتی ہیں

**فِدًا لَّکَ رُوْحِیْ یَا حَبِیْبِیْ وَ سَیِّدِیْ فِدًا لَّکَ رُوْحِیْ اَنْتَ وَرْدٌ مُّنَضَّرُ**

میری روح تجھ پر قربان! اے میرے پیارے اور میرے سردار! میری جان تجھ پر فدا ہو۔ آپ تو تر و تازہ گلاب ہیں

**وَ مَا اَنْتَ اِلَّا نَائِبُ اللّٰہِ فِی الْوَرٰی وَاَعْطَاکَ رَبُّکَ ھٰذِہٖ ثُمَّ کَوْثَرُ**

اور تو ہی مخلوق میں اللہ کا نائب ہے اور خدا نے تجھے یہ نعمت بھی دی ہے اور کوثر بھی

**وَیَعْجَزُ عَنْ تَحْمِیْدِ حُسْنِکَ مُؤْمِنٌ فَکَیْفَ مُحَمِّدُکَ الَّذِیْ ھُوَ یَکْفِرُ**

اور تیرے حسن کی تعریف کرنے سے تو مومن بھی عاجز ہے پھر کفر اختیار کرنے والا شخص تیری تعریف کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے؟

انجام آتھم میں تحریر شدہ عظیم الشان قصیدے میں بہت ہی درد بھری اور محبتِ رسولؐ سے لبریز نعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم فرمائی ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے

**عِلْمِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ ذِی الْاٰلَاءِ بِاللّٰہِ حُزْتُ الْفَضْلَ لَا بِدَھَاءِ**

میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔ میں نے خدا کے ذریعہ سے فضل الٰہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ

فرماتے ہیں:

**مَنْ مُّخْبِرٌ مِّنْ ذِلَّتِیْ وَ مُصِیْبَتِیْ مَوْلَایَ خَتْمَ الرُّسُلِ بَحْرَ عَطَاءِ**

کوئی ہے جو میری ذلت اور مصیبت کی خبر دے میرے مولا خاتم الرسل کو جو بخشش کا سمندر ہیں

**یَا طَیِّبَ الْاَخْلَاقِ وَ الْاَسْمَاءِ أَفَأَنْتَ تُبْعِدُنَا مِنَ الْاٰلَاءِ**

اے پاکیزہ اخلاق اور پاک ناموں والے نبی! کیا تو ہمیں اپنی نعمتوں سے دور رکھے گا

**اَنْتَ الَّذِیْ شَغَفَ الْجَنَانَ مَحَبَّۃً أَنْتَ الَّذِیْ کَالرُّوْحِ فِیْ حَوْبَائِیْ**

تو وہ ہے جس کی محبت دل میں گھر کر گئی ہے۔ تو وہ ہے جو میرے بدن میں روح کی طرح ہے

**اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ جُذِبَ قَلْبِیْ نَحْوَہٗ اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ قَامَ لِلْاِصْبَاءِ**

تو وہ ہے کہ جس کی طرف میرا دل کھچا ہوا ہے تو وہ ہے جو میری دلبری کے لئے کھڑا ہے

اَنْــتَ الَّــذِیْ بِــوَدَادِهٖ وَ بِــحُبِّــهٖ      اُیِّــدْتُّ بِــالْاِلْهَــامِ وَ الْاِلْـقَــاءِ

تو وہ ہے کہ جس کی محبت اور دوستی کے باعث میں الہام اور القاءِ الٰہی سے تائید یافتہ ہوا

مزید فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْـمَـحَبَّةَ لَا تُـضَـاعُ وَ تُشْتَـرٰی      اِنَّــا نُـحِبُّکَ یَــا ذُکَــاءَ سَـخَـاءِ

محبت ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس کی قیمت پڑتی ہے۔اے آفتابِ سخاوت! یقیناً ہم تجھ سے محبت رکھتے ہیں۔

یَـا شَـمْسَـنَـا انْـظُـرْ رَحْمَةً وَ تَحَنُّنًا      یَسْعٰـی اِلَیْکَ الْـخَـلْقُ لِلْاِرْکَـاءِ

اے ہمارے آفتاب! رحمت اور مہربانی کی نگاہ ڈالئے۔مخلوق آپ کی پناہ کے لئے دوڑی آرہی ہے

اَنْـتَ الَّـذِیْ هُـوَ عَیْـنُ کُـلِّ سَعَـادَةٍ      تَهْـوِی اِلَیْکَ قُـلُـوْبُ اَهْلِ صَفَـاءِ

تو ہی ہے جو ہر سعادت کا چشمہ ہے۔ اہل صفاء کے دل تیری طرف مائل ہورہے ہیں

اَنْــتَ الَّــذِیْ هُــوَ مَبْـدَءُ الْاَنْـوَارِ      نَــوَّرْتَ وَجْــهَ الْـمُـدُنِ وَ الْبَیْـدَاءِ

تو ہی ہے جو مبدءِ انوار ہے تو نے شہروں اور بیابان کے چہرے کو منور کردیا ہے

اِنِّــیْ اَرٰی فِــیْ وَجْهِکَ الْـمُتَهَلِّلِ      شَــانًــا یَّـفُـوْقُ شُئُوْنَ وَجْـهِ ذُکَـاءِ

میں تیرے روشن چہرے میں دیکھ رہا ہوں ایسی شان جو آفتاب کے چہرے کی شانوں سے بھی بڑھ کر ہے

شَـمْــسُ الْهُـدٰی طَـلَـعَـتْ لَنَا مِنْ مَّکَّةَ      عَیْـنُ الـنَّـدٰی نَبَـعَــتْ لَـنَـا بِحِـرَاءِ

ہمارے لئے مکہ سے ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا اور ہمارے لئے بخشش کا چشمہ غارِ حراء سے پھوٹا

ضَـا هَـتْ اَیَـاةُ الشَّمْسِ بَعْضَ ضِیَائِهٖ      فَـاِذَا رَئَیْــتُ فَهَــا جَ مِنْـهُ بُکَـائِیْ

آفتاب کی روشنی آپ کی روشنی سے کچھ ہی مشابہت رکھتی ہے۔ جب میں نے (آپ کو) دیکھا
تو اس سے میری گریہ وزاری میں جوش آگیا

اور آخر پر ایک بہت ہی دلفریب قطعہ مشاہدہ کریں۔

پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار کی جناب میں سلام ارسال کیا ہے اس طور پر محبت بھرا سلام کس نے بھیجا۔

حَـمَــامَتُـنَــا تَـطِیْـرُ بِرِیْـشِ شَوْقٍ      وَ فِــیْ مِـنْـقَـارِهَـا تُـحَفُ السَّلَامِ

ہماری کبوتری چونچ میں سلامتی کے تحفے لئے ہوئے شوق کے پروں کے ساتھ اڑ رہی ہے

اِلٰـی وَطَـنِ الـنَّـبِـیِّ حَبِیْـبِ رَبِّیْ      وَ سَیِّــدِ رُسُـلِــهٖ خَیْــرِالْاَنَــامِ

میرے ربّ کے محبوب اور نبیوں کے سردار، سرورِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کی طرف

# مدحت وترغیبِ دینِ اسلام

## اُردو زبان میں

حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ شعری کے ضمن میں ہم نے عرض کیا تھا کہ آپ حضرت کے بہت سے موضوعاتِ شعر ایسے ہیں جن کا اسلامی تعلیم وتہذیب سے بہت گہرا تعلق ہونے کے باوجود اسلامی ادب کے شعری سرمایہ میں اِن کا نام ونشان نہیں ملتا۔ مثلاً زیرِقلم موضوع اور مدحِ قرآن اور مدح صحابہؓ ہے اور اعمال میں تقوٰی۔ صدق اور عجز وانکساری۔ یہ سب مضامین آپ حضرت کے کلام میں مستقل موضوعات کے طور پر اختیار فرمائے گئے ہیں۔

اسلامی ادب میں ان اہم مضامین کو پیش کرنے کا افتخار ہمارے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کے نصیب میں ہی لکھا تھا کیونکہ آپ امت مسلمہ کے مسیح دوراں اور امام آخرزمان تھے۔

زیرِقلم موضوع کے تعلق میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت مسلمہ میں مجددین کرام اور اصفیاء اور علماءِ ربانی نے اپنے قول اور فعل سے تبلیغ اور اشاعت اسلام کا فریضہ بہت احسن طریق سے ادا کیا ہے اور ان ہی کی مساعی سے اسلام کی ترقی اور فروغ ہوا ہے۔ مگر اس موقع پر ہم اسلامی ادب کی بات کر رہے ہیں کہ آپ کے سرمایہ شعر میں تبلیغ وترغیب اسلام کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مضمون کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا افتخار بھی آپ حضرت ہی کا ہے۔ یہ ہونا بھی تھا کیونکہ الہام الٰہی میں آپ ہی کے لیئے یہ مقدر تھا کہ آپ احیاءِ دین اور قیام شریعت کریں گے۔

الہام حضرت اقدسؑ:

يُحْيِ الدِّيْنَ وَ يُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ

زندہ کرے گا دین کو اور قائم کرے گا شریعت

(تذکرہ صفحہ 55 مطبوعہ 2004ء)

دین کا لفظ دراصل ''اسلام'' کا مترادف ہے جیسا کہ فرمایا

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور پھر یہ پُرتمکنت اور پُرشکوہ الہام بھی تو ہے

الہام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام:

چو دَورِ خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند

جب فارسی الاصل بادشاہ کا دور شروع ہوگا۔ تو نام نہاد مسلمانوں کو از سرِ نو مسلمان کیا جائے گا

مقامِ او مبیں از راہِ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند

اس کے مقام کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھو کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے

(مصرع نمبر 1 تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 514۔516)

اور خدا تعالیٰ کی جناب سے جو منصب آپ کو احیاءِ اسلام کی نسبت سے دیا گیا تھا۔ اس کا پرشوکت اور جری اللّٰہی فرمان بھی قابل دید ہے۔

**مجھ کو خود اس نے دیا ہے چشمۂ توحیدِ پاک**

**تا لگا دے از سرِ نو باغِ دیں میں لالہ زار**

دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے

پھر اگر قدرت ہے اَے منکر تو یہ چادر اُتار

خِیرگی سے بدگمانی اِس قدر اچھی نہیں

اِن دنوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر

نوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

**صِدق سے میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے**

**ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حِصار**

**پُشتیِ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں**

**نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار**

دراصل اسلام ہی وہ دین ہے جس کو تمام انبیاء لے کر آئے اور حضرت ابراہیمؑ کو تاکیداً فرمایا ہے۔

اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (البقرة: 132)

جب اس کے ربّ نے اس سے کہا کہ ہماری فرمانبرداری اختیار کر تو اس نے جواب میں کہا کہ میں تو تمام جہانوں کے ربّ کی فرمانبرداری اختیار کر چکا ہوں۔

اور فرمایا:

وَوَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (البقرة: 133)

ترجمہ: اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو اس بات کی تاکید کی

اور کہا اے میرے بیٹو اللہ نے یقیناً اس دین کو تمہارے لیئے چن لیا ہے پس ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے پورے فرمانبردار ہو۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (الحج:79)

مومنو! اپنے باپ ابراہیم کے دین کو اختیار کرو۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اور اِسی فرمان کی تفصیلی وضاحت میں خدا تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔

فرمایا: قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (الانعام:163-164)

آپ حضرت اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں:

''(مخالفین کو) کہہ دے (میں جان کو عزیز نہیں رکھتا) میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لیئے ہے وہی حق دار خدا جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے''

اور وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ''اوّل المسلمین'' ٹھہرے تو اس کا باعث یہ ہوا کہ اوروں کی نسبت علوم معرفتِ الٰہی میں اَعلم ہیں یعنی علم ان کا معارف الٰہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے اس لیئے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے اور اوّل المسلمین ہیں''

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ نورِ اسلام ہے جو روزِ اوّل سے انبیاء کی تعلیم میں منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ہمارے آقا اور مطاع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ کے بعد آپ کے مہدی اور نائب کو عطا کیا گیا۔ اِسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت کا تمام کلام خواہ تحریر ہو یا تقریر تمام تر صداقتِ اسلام اور تبلیغ اسلام ہی کے گرد طواف کرتا ہے۔ آپ کے اوّل مخاطب عیسائی اور ہندو تھے کہ آپ کے وقت میں ان دو مذاہب کے ماننے والے سب سے بڑے مخالفِ اسلام تھے اور ان کے بعد آپ کے مخاطب خود مسلمان تھے کیونکہ انہوں نے حقیقی اسلام کو پس پُشت ڈال کر من گھڑت عقائد بنا لیئے تھے اور تعلیم قرآن اور سنت رسول اکرمؐ کے خلاف اسلام کو اختیار کر لیا تھا۔

اِن عنوانات میں ہم اپنے مضمون ''ابلاغِ رسالت'' میں آپ کا کلام پیش کر چکے ہیں اس لیئے زیر نظر مضمون

میں صرف وہ کلام پیش کیا جائے گا جس میں آپ حضرت نے اسلام کی حمایت اور اس کی کسمپرسی کے غم اور فکر کا اظہار کیا ہے اور اسلام کے روحانی منصب عالی کو بیان کیا ہے۔دینِ اسلام کی شان میں آپ کا کس قدر خوبصورت شعر ہے

مصطفٰی پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت

اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

اور فرمایا۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اِن تعارفی الفاظ کے بعد ہم اپنے دستور کے مطابق اوّل اس عنوان کے تحت قرآنِ کریم کے اصولی فرمودات کو پیش کرینگے یہ اس لیئے کہ درحقیقت قرآن کریم کی تمام تعلیم دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ ہی ہے کیونکہ یہ مختصر مضمون اس تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا اس لیئے ہم نہایت اختصار کوملحوض رکھتے ہوئے اوّل قدم پر قرآنِ کریم کے اصولی اور بنیادی فرمان پیش کرتے ہیں۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (ال عمران:20) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سچا دین جو نجات کا باعث ہوتا ہے اسلام ہے اگر کوئی عیسائی ہو جاوے یا یہودی ہو یا آریہ ہو وہ خدا کے نزدیک عزت پانے کے لائق نہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (ال عمران:86)

ان دونوں فرمودات کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ حضرت فرماتے ہیں:

قرآن کریم نے اسلام کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے یہ فرمایا ہے اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (سپارہ 3 رکوع 10) وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (سپارہ 3 رکوع 17) ترجمہ: یعنی دین سچا اور کامل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہے گا تو ہرگز قبول نہیں کیا جاوے گا۔اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

دوسرے مقام پر اسلام کی عظمت اور شان کے بیان میں قرآن کریم نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدة: 4)

آپ حضرت اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

آج میں نے تمہارے لیے دین تمہارا کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو پسندیدہ کرلیا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس فرمانِ خداوندی کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

غرض یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ مسلمانوں کے لیے کیسے فخر کی بات ہے......اکمال سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیرِ قلب کی۔ وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقل منداور بااخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا۔اور تطہیر نفس۔ تکمیل اور تہذیب نفس کے مدارج طے کرا دئے

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اِس مقام تک ہم نے تین فرمودات باری تعالیٰ پیش کئے ہیں اوّل فرمان ایک اعلانِ عام کی صورت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حقیقی دین صرف اسلام ہے اور دوسرے فرمان میں ایک تنبیہ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین رکھنے والا مقبول نہیں ہوگا اور نقصان اُٹھائیگا۔اور تیسرے فرمان میں دینِ اسلام کی خوبی کو بیان کر کے اس کو انسانیت کیلئے نعمت قرار دیا ہے

مشاہدہ کریں کہ ان تین مضامین کو ہمارے پیارے مسیحِ دوراں نے کس خوبصورتی اور قلبی درد کیساتھ پیش کیا ہے اور اس بیان میں آپ حضرت کا اتّباعِ قرآن بھی دیدنی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ اِن آیات کا شعر میں ترجمہ فرما رہے ہیں۔

فرماتے ہیں:

اِسلام سے نہ بھاگو راہِ ھُدیٰ یہی ہے
اَے سونے والو جاگو! شمسُ الضُّحیٰ یہی ہے
مُجھ کو قسم خُدا کی جِس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دینِ خُدا یہی ہے
وُہ دِلستاں نہاں ہے کس رَہ سے اُس کو دیکھیں
اِن مشکلوں کا یارو! مشکل کُشا یہی ہے

اگر آیت اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: 20) کو سامنے رکھ کر ان اشعار کو پڑھیں تو پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ اتبّاعِ لفظ و معانی کس کو کہتے ہیں۔

جیسے کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا (آل عمران: 86) کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا

ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

یہاں پر غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا کے یہی معانی ہیں کہ خدا کی رضا کے خلاف دین۔ حقیقی اسلام کو حضرت نے موت قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات

اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

اسی طور سے دیگر فرموداتِ قرآن کا اتبّاع ہے جو معمولی ذوق ادب رکھنے والے کے لئے بھی واضح ہوگا۔ فرماتے ہیں:

اِسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سُورج
پر دیکھتے نہیں ہیں دُشمن بلا یہی ہے

جب کھل گئی سچائی پھراس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہِ حیا یہی ہے

جو ہو مفید لینا جو بد ہو اُس سے بچنا
عقل و خِرد یہی ہے فہم و ذکا یہی ہے

مِلتی ہے بادشاہی اِس دیں سے آسمانی
اَے طالبانِ دَولت! ظِلِّ ہُما یہی ہے

سب دیں ہیں اِک فسانہ شِرکوں کا آشیانہ
اُس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے

سَو سَو نِشاں دِکھا کر لاتا ہے وہ بُلا کر
مجھ کو جو اُس نے بھیجا بس مُدّعا یہی ہے

کرتا ہے مُعجزوں سے وُہ یار دِیں کو تازہ
اِسلام کے چمن کی بادِ صبا یہی ہے

یہ سب نِشاں ہیں جن سے دیں اب تلک ہے تازہ
اَے گرنے والو دوڑو دیں کا عصا یہی ہے
کِس کام کا وہ دِیں ہے جِس میں نِشاں نہیں ہے
دِیں کی مِرے پیارو! زرّیں قبا یہی ہے

دوسرے مقام پر آپ کی عالیشان نظم ہے۔

ہر طرف فِکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دِکھلائے — یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نُور ہے نُور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے
اور دِینوں کو جو دیکھا تو کہیں نُور نہ تھا — کوئی دِکھلائے اگر حق کو چُھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو اِنہی باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لیے کوئی نہ آیا ہر چند — ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

اس طور سے کلام کہنا اور باغِ محمدؐ سے روحانی اثمار نوش کرنا اُسی کے نصیب ہوسکتا ہے جو واصل باللہ ہو اور جس کو باری تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کے نشان دکھائے ہوں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمہیں طَور تسلّی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں — دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نُور ملا نُور پیمبر سے ہمیں — ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت — اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمد سے میری جاں کو مُدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

چولہ بابا نانک کی نظم میں بھی اِسی صداقت کو پیش کررہے ہیں کہ بابا صاحب کو الہام میں بتایا گیا تھا کہ جس خدا کی وہ تلاش کررہے ہیں وہ اُن کو اسلام میں ہی ملے گا۔

وُہ ہے مہربان و کریم و قدیر — قسم اُس کی، اُس کی نہیں ہے نظیر
جو ہوں دِل سے قربانِ ربِّ جلیل — نہ نقصاں اُٹھاویں نہ ہوویں ذلیل
اسی سے تو نانک ہوا کامیاب — کہ دِل سے تھا قُربان عالی جناب

**بتایا گیا اس کو الہام میں کہ پائے گا تو مُجھ کو اِسلام میں**

یقیں ہے کہ نانک تھا مُلہَم ضرور نہ کر وید کا پاس اے پُر غرور!

دیا اس کو کرتار نے وُہ گیان کہ ویدوں میں اُس کا نہیں کچھ نِشاں

اس نظم میں مزید فرماتے ہیں:

تُو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہُنر خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر؟

یہ تحریر چولہ کی ہے اک زباں! سنو وُہ زباں سے کرے کیا بیاں

**کہ دینِ خُدا دیِن اِسلام ہے**

**جو ہو مُنکِر اُس کا بدانجام ہے**

دینِ اسلام کے غم میں فرماتے ہیں:

**اے مِرے یارِ یگانہ! اے مِری جاں کی پناہ!**

**کر وہ دِن اپنے کرم سے دیں کے پھیلانے کے دن**

پھر بہارِ دیں کو دِکھلا اے مِرے پیارے قدیر!

کب تلک دیکھیں گے ہم لوگوں کے بہکانے کے دِن

دِن چڑھا ہے دُشمنانِ دِیں کا ہم پر رات ہے

اے مِرے سُورج دکھا اِس دیں کے چمکانے کے دِن

دِل گھٹا جاتا ہے ہر دم جاں بھی ہے زیروزبر

اِک نظر فرما کہ جلد آئیں تِرے آنے کے دِن

چہرہ دکھلا کر مُجھے کردیجئے غم سے رِہا

کب تلک لمبے چلے جائیں گے ترسانے کے دِن

کُچھ خبر لے تیرے کُوچہ میں یہ کس کا شور ہے

کیا مِرے دِلدار تُو آئے گا مرجانے کے دِن

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اَے ناخُدا

آگئے اِس باغ پر اے یار مُرجھانے کے دِن

تیرے ہاتھوں سے مِرے پیارے اگر کچھ ہوتو ہو

ورنہ دیں میّت ہے اور یہ دِن ہیں دفنانے کے دِن

**اِک نشان دِکھلا کہ اب دیں ہوگیا ہے بے نشاں**
**دِل چلا ہے ہاتھ سے لاجلد ٹھہرانے کے دن**

اسلام کے غم میں ایک اور مناجات بھی سُن لیں:

دِن چڑھا ہے دُشمنانِ دِیں کا ہم پر رات ہے
اے مِرے سُورج نِکل باہر کہ مَیں ہوں بیقرار
اے مرے پیارے فِدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار
کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
خاک میں ہوگا یہ سر گر تُو نہ آیا بن کے یار
فضل کے ہاتھوں سے اب اسوقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار
میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطعِ نظر
تا نہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار
مرے زخموں پر لگا مرہم کہ مَیں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سُن میں ہوگیا زار و نزار
**دیکھ سکتا ہی نہیں مَیں ضعفِ دینِ مصطفٰے**
**مجھکو کر اے میرے سُلطاں کامیاب و کامگار**
کیا سُلائے گا مجھے تُو خاک میں قبل از مُراد
یہ تو تیرے پر نہیں اُمّید اے میرے حصار
**یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا**
**اِس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پُکار**
قوم میں فِسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار
ایک عالَم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اسطرف دریا کی دھار

# مِدحت وترغیبِ اسلام
## فارسی زبان میں

جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ دراصل شعراس وقت تخلیق ہوتا ہے جب جذبات قلبی محبت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ حضرت کے قلبی جذبات اور رجحانات محبتِ الٰہی۔ محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے گرد ہی طواف کرتے ہیں اور یہی آپ کے شعر کے بنیادی موضوعات ہیں اور آپ حضرت نے انہی تینوں زبانوں میں قلبی محبت سے کلام فرمایا ہے اور ان سب کے ادبی اقدار کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا ہے مگر روحانی احساسات اور جذبات کے بیان میں فارسی زبان کے اشعار میں آپ کی حسنِ بیان کی لفظی اور معنوی خوبی سب زبانوں پر فائق نظر آتی ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ فارسی زبان نے بہت قدیم سے روحانی موضوعات کو اختیار کر کے اِن کے اظہار کا ایک عظیم لفظی اور مجازی سرمایہ مرتب کر لیا تھا اس وجہ سے ان جذبات کا اظہار اس زبان میں بہتر طور سے ہوسکتا تھا مگر ایک اہم وجہ یہ بھی تو ہے کہ آپ فارسی الاصل ہیں اور آپ کے شعر کی خوبی اور دیگر شعراء پر فائق ہونے کی حیثیت کو اللہ تعالیٰ نے فارسی ہی میں بیان کیا ہے۔

فرمایا (الہام حضرت اقدس):

”در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست“

ترجمہ: تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شاعروں کو نصیب نہیں ہوئی۔

(تذکرہ صفحہ 508۔ مطبوعہ 2004ء)

گو یہ بات بہت مرتبہ کہی جا چکی ہے مگر ہمارے لیئے اس تکرار میں ایک مزا ہے جو ہم بار بار چاہتے ہیں۔ اس کوشش میں ہی ہم اسی حقیقت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس موضوع کا تعلق بھی آپ کے اشعار کا بنیادی عنوان ہے اس لیئے فارسی زبان میں بھی آپ حضرت نے اس مضمون کو بار بار اختیار فرمایا ہے اور نظم کی ہر صنف میں اس کو بیان کیا ہے۔ ”حمایت و اعانتِ اسلام“ ابیات میں بھی موجود ہے۔ قصیدے میں اور نظم اور غزل میں بھی ہے ہم کوشش کریں گے کہ اِن کو نفسِ مضمون کے مطابق ترتیب سے لکھیں۔

اوّل مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت نے دینِ اسلام کی صداقت کو پانے کے لیے بہت محنت اور کاوش کی ہے۔

فرماتے ہیں:

بہر مذہبے غور کردم بسے! شنیدم بدل حجّتِ ہر کسے

میں نے ہر مذہب پر خوب غور کیا اور ہر شخص کی دلیل کو توجہ سے سُنا

بخواندم ز ہر ملّتے دفترے بدیدم ز ہر قوم دانشورے

میں نے ہر مذہب کی بہت سی کتابوں کو پڑھا اور ہر قوم کے عقلمندوں کو دیکھا

ہم از کودکی سوئے ایں تاختم دریں شغل خود را بینداختم

بچپن سے ہی میں نے اس (راہ) کی طرف توجہ کی اور اپنے تئیں اسی شغل میں ڈال دیا

جوانی ہمہ اندریں باختم دل از غیرِ ایں کار پرداختم!

اپنی جوانی بھی میں نے اسی میں خرچ کی اور دل کو اور کاموں سے فارغ کردیا

بماندم دریں غم زمانِ دراز نخفتم ز فکرش شبانِ دراز

میں ایک لمبا عرصہ اسی غم میں مبتلا رہا اور اس بات کی فکر میں راتوں نھیں سویا

**نگہ کردم از روئے صدق و سداد بترسِ خدا و بعدل و بہ داد**

میں نے حق اور راستی کو مدنظر رکھ کر اور خدا کا خوف کر کے عدل وانصاف کے ساتھ خوب غور کیا

**چو اسلام دینے قوی و متین ندیدم کہ بر منبعش آفرین**

تو میں نے اسلام کی مانند قوی اور مضبوط دین اور کوئی نھیں پایا۔ اس کے منبع پر آفرین ہو

اوردینِ اسلام کے صدق کو قبول کر کے فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ چہ پاک دین ست ایں رحمت ربِّ عالمین ست ایں

اللہ اللہ یہ کیسا پاک مذہب ہے جو سراسر ربّ العالمین کی رحمت ہے

آفتابِ رہِ صواب است ایں بخدا بہ زِ آفتاب ست ایں

یہ راہ راست کا سورج ہے۔ خدا کی قسم یہ دین سورج سے بھی بہتر ہے

مے بر آرد زِ جہل و تاریکی! سوئے انوارِ قُرب و نزدیکی

جہالت اور اندھیرے سے نکال کر قرب و وصل کے انوار کی طرف لاتا ہے

دینِ پاک ست ملّتِ اسلام از خدائیکہ ہست علمش تام

پاک دین صرف اسلام کا دین ہے اور یہ اُس خدا کی طرف سے ہے جس کا علم کامل ہے

زِیں کہ دیں از برائے آں باشد  کہ ز باطل بحق کشاں باشد

چونکہ دین اس لیے ہوتا ہے کہ باطل سے چھڑا کر حق کی طرف کھینچ کر لے جائے

فرماتے ہیں سچے دین کی یہ خوبی ہے کہ باطل سے حق کی طرف کھینچتا ہے اور اس سے ''لقاءِ'' باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے اور یہی وہ خوبی ہے جو بجز اسلام کے دیگر ادیان میں پائی نہیں جاتی۔

فرماتے ہیں۔

دین ہماں باشد کہ نورش باقی است  و از شراب دید ہر دم ساقی است

دین وہی ہے جس کا نور قائم دائم ہے اور ہر وقت شراب معرفت کے جام پلاتا ہے

اور فرماتے ہیں۔

جاں کنی صد کن بکینِ مصطفیٰ  راہ نہ بینی جز بہ دینِ مصطفیٰ

مصطفیٰ کی دشمنی میں صد بار تیری نوبت جانکنی تک پہنچ جائے پھر بھی تو مصطفیٰ کے دین کے سوا سیدھا راستہ نہ پائے گا

اور فرماتے ہیں:

تا نہ نور احمد آید چارہ گر  کس نمے گیرد زِ تاریکی بدر

جب تک احمد کا نور چارہ گر نہ ہو تب تک کوئی تاریکی سے باہر نہیں آسکتا

دینِ اسلام کی اِسی خوبی کو کہ اولیاء اور واصلینِ باری تعالیٰ صرف اس دین میں ہوتے ہیں حضرت بیان کرتے ہیں۔

**الغرض ذات اولیاءِ کرام  ہست مخصوصِ ملّتِ اسلام**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء کرام کی ذات مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہے

خدمتِ دین کے شوق کا اظہار بھی مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

یا رب بزاریم نظرے کن بلطف و فضل  جز دستِ رحمتِ تو دگر کیست یاورم

اے میرے رب میری گریہ وزاری کو دیکھ کر لطف و کرم کی ایک نظر کر کہ تیری رحمت کے ہاتھ کے سوا اور کون میرا مددگار ہے۔

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفےٰ  این است کامِ دل اگر آید میسّرم

میرے جان مصطفےٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو یہی میرے دل کا مدّعا ہے کاش میسّر آجائے

اور فرماتے ہیں:

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روحِ قدس　　　　کہ مرا در دلِ شاں دیو نظر مے آید

میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر کرسکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے

**ایں مددہاست دراسلام چو خورشید عیاں　　　　کہ بہر عصر مسیحائے دگرے آید**

اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لئے نیا مسیحا آتا ہے

آپ کے وقت میں اسلام کی بیکسی کے غم میں ایک بہت ہی مؤثر اور دردناک نظم میں فرماتے ہیں۔

**بیکسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست　　　　ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست**

دینِ احمد بیکس ہو گیا کوئی اس کا غم خوار نہیں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہے احمد کے دین سے کچھ واسطہ نہیں

ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ربود　　　　حیف بر چشمے کہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست

گمراہی کا سیلاب ہر طرف لاکھوں انسانوں کو بہا کرلے گیا اُس آنکھ پر افسوس جو اب بھی ہشیار نہیں ہوئی

اے خدا وندانِ نعمت ایں چنیں غفلت چراست　　　　بیخود از خوابید یا خود بختِ دیں بیدار نیست

اے دولت مندو! اس قدر غفلت کیوں ہے۔ تم ہی نیند سے بے ہوش ہو یا دین کی قسمت سوگئی ہے

اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں　　　　آنچہ مے بینم بلاہا حاجتِ اظہار نیست

اے مسلمانو! خدا کے لیے دین کی طرف ایک نظر تو دیکھ لو میں جو بلائیں دیکھ رہا ہوں ان کے اظہار کی حاجت نہیں

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا　　　　اے عجب ایں مردمانرا مہر آں دلدار نیست

کشتگانِ کربلا کی طرح میں دین کا خون بہتا ہوا دیکھتا ہوں مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کو اس محبوب سے کچھ بھی محبت نہیں

مزید فرمایا:

**ہر زماں از بہرِ دیں در خونِ دلِ من می تپد　　　　محرمِ ایں دردِ ما جُز عالمِ اسرار نیست**

میرا دل دین کی خاطر ہر وقت خون میں تڑپ رہا ہے ہمارے اس درد کا واقف خدا کے سوا اور کوئی نہیں

**آنچہ برما می رود از غم کہ داند جُز خدا　　　　زہر مے نوشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست**

غم جو ہم پر گذر رہا ہے اسے خدا کے سوا کون جان سکتا ہے ہم زہر پی رہے ہیں لیکن بولنے کی طاقت نہیں رکھتے

اور یہ شعر بھی سُن لیں۔

**جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفٰے　　　　این است کامِ دل اگر آید میسّرم!**

میری جان مصطفٰی کے دین کی راہ میں فدا ہو یہی میرے دل کا مدعا ہے کاش میسّر آجائے

اورفرماتے ہیں:

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواھم مگر اعانتِ اسلام مدّعا باشد

خدا کی قسم میں ہرگز کوئی عزت اور مرتبہ نہیں چاہتا میرا مطلب تو صرف تائیدِ اسلام ہے

سیاہ باد رُخِ بختِ من اگر بہ دلم دگر غرض بجز از یار آشنا باشد

میری قسمت کا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی غرض ہو

رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را کہ باچنیں دلِ من درپئے جفا باشد

اُس سیاہ دل انسان کونجات کیونکرمل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پرظلم کرنے کے درپے ہو

غزل کے انداز میں بہت دردِدل سے اسلام کی خدمت کی دعوت فرماتے ہیں۔

دوستاں خود را نثارِ حضرتِ جاناں کنید دررہِ آں یارِجانی جان ودل قرباں کنید

اے دوستو اپنے تئیں محبوبِ حقیقی پر قربان کردو اور اس جانی دوست کی راہ میں جان و دل نثار کردو

آں دلِ خوش باش راکاندرجہاں جوید خوشی از پئے دینِ محمد کلبۂ احزاں کنید

اس آرام پسند دل کو جواس جہان میں خوشیاں ڈھونڈتا ہے محمد کے دین کی خاطر بیت الحزن بنادو

**از تعیّش ہا بروں آئید اے مردانِ حق خویشتن را از پئے اسلام سرگرداں کنید**

اے مردانِ خدا عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ دواوراب اپنے آپ کواسلام کی خاطر سرگرداں کرو

دینِ محمدؐ کی محبت میں کس قدر پیارا فرمان ہے کہ اس دل کو جو دنیا کی خوشیاں تلاش کرتا رہتا ہے۔ دینِ محمدؐ کی محبت میں غم کدہ بنادو۔

ایک نہایت درجہ مؤثر نظم میں تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرتم نے دینِ اسلام کی خدمت کی تو خداتعالیٰ کے نزدیک تمہارا اصحابۂ رسول سے ایک تعلق پیدا ہو جائے گا۔

بکوشید اے جواناں تابدیں قوّت شود پیدا بہار و رونق اندر روضۂ ملّت شود پیدا

اے جوانو! کوشش کروکہ دین میں قوت پیدا ہواورملتِ اسلام کے باغ میں بہاراوررونق آئے

**اگر یاراں کنوں برغربتِ اسلام رحم آید باصحابِ نبیؐ نزدِ خدا نسبت شود پیدا**

اے دوستو! اگراب تم اسلام کی غربت پررحم کروتو خداکے ہاں تمہیں آنحضرتؐ کے صحابہؓ سے مناسبت پیدا ہوجائے

پھرخدمت گزارانِ اسلام کودعا دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

کریما صد کرم کن بر کسے کو ناصر دین است　　　بلائے او بگرداں گر گہے آفت شود پیدا

اے خداوند کریم سینکڑوں مہربانیاں اس شخص پر کر جو دین کا مددگار ہے اگر کبھی آفت آئے تو اس کی مصیبت کو ٹال دے

چناں خوش دار اُو را اے خدائے قادرِ مطلق　　　کہ در ہر کاروبار وحالِ او جنّت شود پیدا

اے خداوند قادر مطلق اُسے ایسا خوش رکھ کہ اس کی حالت اور سب کاروبار میں ایک جنّت پیدا ہو جائے

اور اس نظم کے آخر پر فرماتے ہیں کہ کیا آپ کی اس نصیحت سے یہ ظاہر نہیں ہو گیا کہ آپ کو مصلحِ امّت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

عجب دارید اے ناآشنایاں غافلاں از دیں　　　کہ از حق چشمۂ حیواں دریں ظلمت شود پیدا

اے دین سے غافل اور ناواقف انسانو کیا تمہیں تعجب آتا ہے کہ اس اندھیرے میں خدا کی طرف سے ایک چشمۂ حیات پیدا ہو گیا ہے

چرا انساں تعجّب ہا کند در فکرِ ایں معنٰی　　　کہ خواب آلودگاں را رافعِ غفلت شود پیدا

آدمی یہ بات سوچ کر کیوں حیران ہو کہ نیند کے متوالوں کے لیے ایک غفلت کا دور کرنے والا پیدا ہو گیا

**فراموشت شد اے قومم احادیثِ نبی اللہ　　　کہ نزد ہر صدی یک مصلح اُمّت شود پیدا**

اے میری قوم۔ تو رسول اللہ کی حدیثوں کو بھی بھول گئی کہ ہر صدی کے سر پر امّت کے لیے ایک مصلح پیدا ہوا کرتا ہے

اور اسی مضمون میں ہے کہ آپ کی بعثت احیاءِ دین اسلام کے لیئے ہوئی ہے۔

فرماتے ہیں:

ہر کہ آمد بدو بصدق و صفا　　　یابد از وے شفا بحکمِ خدا

جو شخص اس کے پاس صدق و صفا کے ساتھ آتا ہے وہ خدا کے حکم سے شفا پاتا ہے

گفت پیغمبرِ ستودہ صفات　　　از خدائے علیمِ مخفیّات

ستودہ صفات پیغمبر نے غیب دان علیم خدا سے علم پاکر کہاہے

بر سرِ ہر صدی بروں آید　　　آنکہ ایں کار را ہمے شاید

کہ ہر صدی کے سر پر ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے جو اس کام کے لایق ہوتا ہے

تا شود پاک ملّت از بدعات　　　تا بیابند خلق زو برکات

تا کہ مذہب بدعات سے پاک ہو جائے۔ اور مخلوق اس سے برکتیں حاصل کرے

الغرض ذاتِ اولیائے کرام ہست مخصوصِ ملّتِ اسلام

خلاصۂ کلام یہ کہ اولیائے کرام کی ذات مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہے

ترتیب کے اعتبار سے آخر پر مگر موضوع کے اعتبار سے سب سے اوّل وہ قصیدہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ حضرت نے دینِ اسلام کی بے بسی اور پریشان حالی کے بیان میں تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ قصیدہ سعدیؔ کے قصیدے کے جواب میں ہے جو انہوں نے خلافتِ عباسیہ کی شکست و ریخت کے غم میں تحریر کیا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خلافت عباسیہ کے خاتمے سے اسلام کی عظمت و شان ختم ہوگئی ہے۔

کہتے ہیں:

آسماں راحق بود گر خوں ببارد برزمین بر زوال ملکِ مستعصم امیرالمومنین

آسمان پر فرض ہے کہ مستعصم امیر المومنین کی تباہی پر زمین پر خون برسائے

آپ حضرتؑ نے سعدیؔ ہی کی زمین اور قافیہ میں اُس کا جواب پیش کیا ہے اور فرمایا کہ خون کے آنسو رونے کا مقام تو یہ ہے کہ اسلام بے یار و مددگار ہو گیا اور مسلمانوں میں کوئی اس کا حامی اور مددگار نہ رہا۔

فرماتے ہیں:

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں بر پریشاں حالیءِ اسلام و قحط المسلمیں

مناسب ہے کہ ہر دیندار کی آنکھ خون کے آنسو روئے۔ اسلام کی پریشان حالی اور قحط المسلمین پر

دینِ حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کیں

خدا کے دین پر نہایت خوفناک اور پرخطر گردش آگئی۔ کفر و شقاوت کی وجہ سے دنیا میں سخت فساد برپا ہو گیا

آنکہ نفسِ اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب مے تراشد عیبہا در ذاتِ خیرالمرسلین

وہ شخص جس کا نفس ہر ایک خیر و خوبی سے محروم ہے وہ بھی حضرت خیرالرسل کی ذات میں عیب نکالتا ہے

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں!

وہ جو خود ناپاکی کے قید خانے میں اسیر و گرفتا ہے وہ بھی پاکبازوں کے سردار کی شان میں نکتہ چینی کرتا ہے

تیر بر معصوم مے بارد خبیثے بد گہر آسمانرا مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

بداصل اور خبیث انسان اُس معصوم پر تیر چلاتا ہے آسمان کو مناسب ہے کہ زمین پر پتھر برسائے

پیشِ چشمانِ شما اِسلام در خاک اوفتاد چیست عذرے پیشِ حق اے مجمع المتنعمیں

تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل گیا۔ پس اے گروہِ امراء تمہارا خدا کے حضور میں کیا عذر ہے

**ہرطرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زَینُ العابدیں**

افواج یزید کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دین حق زین العابدین کی طرح بیمار و بیکس ہے

اور اسلام کی اس دردناک حالت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں کہ اسلام کی عظمت اور شوکت اوّل بھی اس کے دین کی صداقت اور روحانیت کی بنا پر تھی اور آج بھی اُسی طور سے دوبارہ قائم ہوگی۔

فرماتے ہیں:

آں زمانِ دولت اقبال ایشاں درگذشت شومئی اعمال شاں آورد ایّامے چنیں

ان کے دولت و اقبال کا زمانہ تو گذر گیا۔ اب ان کے اعمال کی نحوست ایسے دن لے آئی

**از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست باز چوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقیں**

پہلے جو ترقی ہوئی تھی وہ دین پروری کے راستہ سے ہوئی تھی پھر بھی جب ہوگی یقیناً اسی راہ سے ہوگی

**یاالٰہی باز کے آید زِ تو وقتِ مدد باز کے بینیم آں فرخندہ ایّام و سنیں**

اے خدا پھر کب تیری طرف سے مدد کا وقت آئے گا اور ہم پھر وہ مبارک دن اور سال کب دیکھیں گے

ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت کثرتِ اعدائے ملّت قلّتِ انصارِ دیں

دین احمد کے متعلق ان دو فکروں نے میری جان کا مغز گُھلا دیا اعدائے ملت کی کثرت اور انصارِ دین کی قلت

اے خدا زود آ و بر ما آبِ نصرت ہا ببار یامرا بر دار یارب زِیں مقامِ آتشیں

اے خدا جلد آ اور ہم پر اپنی نصرت کی بارش برسا ورنہ اے میرے ربّ اس آتشیں جگہ سے مجھ کو اٹھا لے

اے خدا نورِ ہُدیٰ از مشرقِ رحمت برار گمرہاں را چشم کُن روشن زِ آیاتِ مبیں

اے خدا رحمت کے مطلع سے ہدایت کا نور طلوع کر اور چمکتے ہوئے نشان دکھلا کر گمراہوں کی آنکھیں روشن کر

# مدحت وترغیبِ دینِ اسلام

## عربی زبان میں

جیسا کہ بہت مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت اقدسؑ کے ادبی شاہ پاروں کی ایک عظیم الشان خوبی یہ ہے کہ وہ ہر زبان کے ادبِ عالیہ کے اقدار کی پاسداری کیساتھ بیان ہوئے ہیں اور پاسداری بھی ایسی کہ تینوں زبانوں کے اساتذۂ شعر آپ کے موضوعات میں اپنی ہی زبان میں آپ کے کلام کے مقابل پر نہیں آسکتے

عربی زبان کا کلاسیکی دستور ادب جاہلیہ نے متعین کیا ہے اور اس کی اوّل پہچان مبارزت ہے یعنی زندگی کے تمام جذبات کے اظہار میں تقابل اور تفاخر۔ باجود اس کے کہ آپ حضرت کے موضوعات ادبِ جاہلیہ سے کوئی اشتراک نہیں رکھتے۔ آپ حضرت نے عربی کی اس ادبی قدر کو بہت احسن انداز میں برقرار رکھا ہے

زیرِنظر موضوع کی امثال کو مشاہدہ کریں تو یہ حقیقت بہت واضح ہو جائے گی حمایت اسلام میں فرماتے ہیں:

شَمْسُ الْھُدٰی طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَکَّۃَ    عَیْنُ النَّدَا نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَاءِ

ہدایت کا آفتاب ہمارے لئے مکّہ سے طلوع ہوا۔ بخششوں کا چشمہ ہمارے لئے حراء سے پھوٹ پڑا

ضَاھَتْ اَیَاۃُ الشَّمْسِ بَعْضَ ضِیَائِہٖ    فَاِذَا رَأَیْتُ فَھَاجَ مِنْہُ بُکَائِی

سورج کی شعاعیں اس کی ضیاء کے ایک حصّہ سے مشابہ ہیں جب میں نے (اس سورج کو) دیکھا تو اس سے میرے رونے میں ہیجان پیدا ہو گیا

اَعْلَی الْمُھَیْمِنُ ھِمَمَنَا فِیْ دِیْنِہٖ    نَبْنِی مَنَازِلَنَا عَلَی الْجَوْزَاءِ

خدائے مہیمن نے اپنے دین کے بارہ میں ہماری ہمتوں کو بلند کیا (چنانچہ) ہم اپنی منزلیں ستارۂ جوزاء پر بنا رہے ہیں

نَسْعٰی کَفِتْیَانٍ بِدِیْنِ مُحَمَّدٍ    لَسْنَا کَرَجُلٍ فَاقِدِ الْاَعْضَاءِ

ہم محمدؐ کے دین کے لئے نوجوانوں کی طرح سعی و کوشش کرتے ہیں۔ ہم اس آدمی کی طرح نہیں جس کے اعضاء ہی مفقود ہو گئے ہوں

نِلْنَا ثُرَیَّاءَ السَّمَاءِ وَ سَمْکَہُ    لِنَرُدَّ اِیْمَانًا اِلَی الصَّیْدَاءِ

ہم آسمان کے ثریا اور اس کی بلندیوں تک پہنچ گئے تا کہ ہم ایمان کو زمین پر واپس لے آئیں

اِنَّا جُعِلْنَا کَالسُّیُوْفِ فَنَدْمَغُ    رَأْسَ اللِّئَامِ وَ ھَامَۃَ الْاَعْدَاءِ

ہمیں تلواروں کی طرح بنایا گیا ہے سو ہم کمینوں کے سر اور دشمنوں کی کھوپڑیاں توڑ ڈالتے ہیں

دینِ اسلام کی زبوں حالی کے بیان میں فرماتے ہیں:

عَلٰی جُدُرِ الْاِسْلَامِ نَزَلَتْ حَوَادِثٌ　　وَ ذَاکَ بِسَیِّئَاتٍ تُذَاعُ وَ تُنْشَرُ

اسلام کی دیواروں پر حوادث نازل ہو چکے ہیں اور یہ ان برائیوں کی وجہ سے جو عام ہو رہی ہیں اور پھیلائی جا رہی ہیں

وَ فِیْ کُلِّ طَرْفٍ نَارُ فِتَنٍ تَاَجَّجتْ　　وَ فِیْ کُلِّ ذَنْبٍ قَدْ تَرَاءَ ی التَّقَعُّرُ

ہر طرف فتنوں کی آگ بھڑک رہی ہے اور ہر گناہ میں گہرائی دکھائی دے رہی ہے

وَ مِنْ کُلِّ جِهَةٍ کُلُّ ذِئْبٍ وَ نَمْرَةٍ　　یَعِیْثُ بِوَثْبٍ وَّ الْعَقَارِبُ تَاْبَرُ

اور ہر طرف سے ہر بھیڑیا اور چیتا حملے کے ذریعہ تباہی ڈال رہا ہے اور بچھو کاٹ رہے ہیں

وَ عَیْنُ هِدَایَاتِ الْکِتَابِ تَکَدَّرَتْ　　بِهَا الْعِیْنُ وَ الْاٰرَامُ یَمْشِیْ وَ یَعْبُرُ

اور کتاب اللہ کی ہدایتوں کا چشمہ گدلا ہو گیا ہے۔ اس چشمے میں جنگلی گائیں اور ہرن چل اور گذر رہے ہیں

تَرَاءَتْ غَوَایَاتٌ کَرِیْحٍ عَاصِفٍ　　وَ أَرْخٰی سُدُوْلَ الْغَیِّ لَیْلٌ مُّکَدِّرُ

گمراہیاں تند ہوا کی طرح نظر آ رہی ہیں اور تاریکی پیدا کرنے والی رات نے گمراہی کے پردے لٹکا دیئے ہیں

وَلِلدِّیْنِ اَطْلَالٌ اَرَاهَا کَلَاهِفٍ　　وَ دَمْعِیْ بِذِکْرِ قُصُوْرِهٖ یَتَحَدَّرُ

اور دین کے صرف کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں جنہیں میں افسردہ شخص کی طرح دیکھ رہا ہوں اور میرے آنسو اس کے محلّات کی یاد میں بہ رہے ہیں

اَرَی الْعَصْرَ مِنْ نَّوْمِ الْبَطَالَةِ نَائِمًا　　وَ کُلُّ جَهُوْلٍ فِی الْهَوٰی یَتَبَخْتَرُ

میں زمانہ کو باطل پرستی کی نیند میں سویا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ہر جاہل اپنی خواہشوں میں اِترا رہا ہے

حمایت دین کے لئے آپ کی تڑپ اور جوش کو مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

نَسْعٰی کَفِتْیَانٍ بِدِیْنِ مُحَمَّدٍ　　لَسْنَا کَرَجُلٍ فَاقِدِ الْاَعْضَاءِ

ہم جوانوں کی طرح دینِ محمد کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم ایسے آدمی کی طرح نہیں جو بے دست و پا ہو

اَعْلَی الْمُهَیْمِنُ هِمَمَنَا فِیْ دِیْنِهٖ　　نَبْنِیْ مَنَازِلَنَا عَلَی الْجَوْزَاءِ

خدائے نگہبان نے ہماری ہمتوں کو دین کے بارے میں بلند کر دیا ہے۔ ہم اپنی منزلیں برجِ جوزاء پر بنا رہے ہیں

اِنَّــا جُعِـلْـنَــا کَــالسُّیُوْفِ فَنَدْمَغُ رَأْسَ الــلِّـئَــامِ وَ هَــامَةَ الْاَعْـدَاءِ

ہم کوتلواروں کی طرح بنادیا گیا ہے پس ہم کمینوں کے سر اور دشمنوں کی کھوپڑی پھوڑ دیتے ہیں

اس مضمون میں مزید فرماتے ہیں۔

وَ لِـدِیْـنِــهٖ فِــیْ جَـذْرِ قَـلْبِـیْ لَوْعَةٌ وَ اِنَّ بَیَــانِــیْ عَـنْ جَـنَـانِـیْ یُخْبِـرُ

اورآپ کے دین کے لیے میرے دل کی گہرائیوں میں ایک تڑپ ہےاور یقیناً میرا بیان میرے دل کی حالت کی خبر دے رہا ہے

وَرِثْـتُ عُـلُـوْمَ الْمُـصْطَفٰی فَاَخَذْتُهَا وَ کَیْفَ اَرُدُّ عَـطَـاءَ رَبِّـیْ وَ اَفْجُـرُ

میں مصطفٰی کے علوم کا وارث ہوا سومیں نے ان کو لے لیا اور میں اپنے ربّ کی عطا کو کیسے رد کروں اور گنہگار بنوں

وَ کَیْفَ وَ لِلْاِسْلَامِ قُــمْــتُ صَبَـابَةً وَ اَبْـکِـیْ لَــهٗ لَیْلًا نَّهَــارًا وَّ اَضْجَرُ

اور یہ ہو کیسے سکتا ہے حالانکہ اسلام کی تائید کے لئے میں از راہ عشق کھڑا ہوں اور اسی کے لیے رات دن روتا ہوں اور کڑھتا ہوں

وَ عِـنْـدِیْ دُمُـوْ عٌ قَدْ طَلَعْنَ الْمَاقِیَا وَ عِـنْـدِیْ صُـرَا خٌ مِّثْلَ نَارٍ مُّسَعَّرُ

اورمیرے آنسو آنکھوں کے کونوں سے باہرآ گئے ااورمیری چیخ وپکار بھڑ کائی ہوئی آگ کی طرح ہے

دین اسلام کی حقیقی خوبی اور عظمت کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَ ذٰلِکَ لِـلـدِّیْـنِ الْـقَـوِیْـمِ کَـرَامَةً اِذَا مَــا تَـبِـعْـتَ هُـدَاهُ فَــاللّٰـه یُؤَثِّرُ

اور یہ امر سچے دین کے لئے بطور کرامت کے ہے کہ جب تو اس کی ہدایت کی پیروی کرے تو اللہ (تجھے) برگزیدہ کردے گا

وَ یَشْـغِـفُکَ الـلّٰــهُ الْـعَـزِیْزُ مَحَبَّةً وَ یَــأْخُذُ قَلْبَکَ حُبُّ حِبٍّ وَّ یَاْطِرُ

اورخدائے عزیز تجھ کواپنی محبت سے شیفتہ کردے گا اور محبوب کی محبت تیرے دل کو لے لے گی اور مائل کرلے گی

فَـطُوْبٰی لِمَنْ صَافیٰ صِرَاطَ مُحَمَّدٍ وَ کَـمِـثْـلِ هٰـذَا الـنُّـوْرِ مَـابَـانَ نَیِّرُ

خوشی اس شخص کے لئے جس نے تہِ دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو چاہا اور اس نور کی مانند کوئی نور دینے والا ظاہر نہیں ہوا

وَصَـلْـنَــا اِلَـی الْـمَـوْلٰی بِهَدْیِ نَبِیِّنَا فَـدَ عْ مَـا یَـقُـوْلُ الْـکَافِرُ الْمَتَنَصِّرُ

ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے مولیٰ سے جاملے۔پس چھوڑ دے اس بات کو جو نصرانی کافر کہتا ہے

اور فرماتے ہیں کہ دین اسلام کے احیاء کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے

اِنِّــیْ صَــدُوْقٌ مُـصْـلِـحٌ مُتَــرَدِّمٌ　　　سَـمٌّ مُـعَـادَاتِــیْ وَ سِـلْـمِـیْ اَسْلَمُ

میں صادق اور مصلح ہوں اور میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے

اِنِّــیْ اَنَــا الْبُسْتَـانُ بُسْتَـانُ الْهُدٰی　　　تَــأْتِــیْ اِلَــیَّ الْـعَیْـنُ لَا تَتَـصَـرَّمُ

میں باغ ہدایت ہوں۔ میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا

رُوْحِیْ لِتَقْدِیْسِ الْعَلِیِّ حَمَامَةٌ　　　اَوْ عَـنْـدَلِیْـبٌ غَـارِدٌ مُتَـرَنِّمُ

میری رُوح خدا کی تقدیس کے لئے ایک کبوتر ہے یا بُلبُل ہے جو خوش آوازی سے بول رہی ہے

مَـا جِـئْتُـکُـمْ فِـیْ غَیْـرِ وَقْتٍ عَابِثًا　　　قَـدْ جِـئْتُـکُـمْ وَ الْـوَقْتُ لَیْلٌ مُظْلِمُ

میں تمہارے پاس بے وقت نہیں آیا۔ میں اس وقت آیا کہ ایک اندھیری رات تھی

صَـارَتْ بِلَادُ الـدِّیْنِ مِنْ جَدْبٍ عَتَا　　　اَقْـوٰی وَ اَقْـفَـرُ بَـعْـدَ رَوْضٍ تَـعْلَمُ

دین کی ولایت بباعث قحط کے، جو غالب آ گیا، خالی ہوگئی بعد اس کے جو وہ ایک باغ کی طرح تھی

هَـلْ بَـقِــیَ قَـوْمٌ خَــادِمُـوْنَ لِدِیْنِنَـا　　　اَمْ هَـلْ رَئَیْـتَ الـدِّیْنَ کَیْفَ یُحَطَّمُ

کیا وہ قوم باقی ہے جو ہمارے دین کی خدمت کریں اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دین کو کس طرح مسمار کیا جاتا ہے

فَــاللّٰــهُ اَرْسَـلَـنِــیْ لِاُحْیِــیَ دِیْنَـهُ　　　حَــقٌّ فَهَـلْ مِـنْ رَاشِـدٍ یَسْتَسْـلِـمُ

سو خدا نے مجھے بھیجا تا کہ میں اس کے دین کو زندہ کروں یہ سچ ہے۔ پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے

جَهْـدُ الْـمُـخَـالِفِ بَـاطِلٌ فِیْ اَمْرِنَا　　　سَیْفٌ مِـنَ الـرَّحْـمٰنِ لَایَتَثَلَّـمُ

مخالف کی کوشش ہمارے امر میں باطل ہے یہ خدا کی تلوار ہے جس میں رخنہ نہیں ہوسکتا

فِـیْ وَجْهِنَــا نُـوْرُ الْـمُهَیْمِنِ لَائِحٌ　　　اِنْ کَـانَ فِیْـکُـمْ نَـاظِرٌ مُتَـوَسِّمُ

ہمارے منہ میں خدا تعالیٰ کا نور واضح ہے اگر کوئی تم میں دیکھنے والا ہو

اَلْیَـوْمَ یُـنْـقَـضُ کُـلُّ خَیْـطِ مَکَـائِد　　　لِیْــنٌ سَـحِیْــلٌ اَوْ شَـدِیْـدٌ مُبْــرَمُ

آج ہر ایک مکر کا تاگا توڑ دیا جائے گا، نرم اک تارہ ہو یا سخت دو تارہ ہو

اور آخر پر خدمت اسلام کو احسن طریق سے بجا لانے کے لیے خدا تعالیٰ کی جناب میں ایک دردناک مناجات میں فرماتے ہیں۔

فَـخُـذْ بِیَـدِیْ یَا رَبِّ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ　　　وَ اَیِّـدْ غَـرِیْبًـا یُّـلْـعَـنَـنْ وَ یُـکَفَّـرُ

اے میرے ربّ! ہر معرکہ میں میرا ہاتھ پکڑ اور اس بے یارو مددگار کی تائید فرما جو لعنت اور تکفیر کیا جارہا ہے

اَتَیۡتُکَ مِسۡکِیۡنًا وَّ عَوۡنُکَ اَعۡظَمُ وَجِئۡتُکَ عَطۡشَانًا وَّ بَحۡرُکَ اَزۡخَرُ

میں مسکین ہوکر تیرے حضور آیا ہوں اور تیری مدد سب سے بڑی ہے اور میں پیاسا ہوکر تیرے پاس آیا ہوں اور تیرا سمندر بہت موجزن ہے

قَدِ انۡدَرَسَتۡ اٰثَارُ دِیۡنِ مُحَمَّدٍ فَاَشۡکُوۡ اِلَیۡکَ وَ اَنۡتَ تَبۡنِیۡ وَ تَعۡمُرُ

دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نشان مٹ چکے ہیں۔ پس میں تیرے حضور شکایت کرتا ہوں، تو ہی تعمیر کرتا اور آباد کرتا ہے

اَرٰی کُلَّ یَوۡمٍ فِتۡنَۃً قَدۡ مُدِّدَتۡ وَ مِتۡنَا وَ اَمۡوَاتُ الۡاَعَادِیۡ بُعۡثِرُوۡا

میں ہر روز ایک فتنہ دیکھتا ہوں جو پھیلایا گیا ہے اور ہم مر گئے ہیں اور دشمنوں کے مُردے جی اٹھے ہیں

وَقَدۡ اَزۡمَعُوۡا اَنۡ یُّزۡعِجُوۡا سُبُلَ الۡھُدٰی وَکَمۡ مِّنۡ اَرَاذِلَ مِنۡ شَقَاھُمۡ تَنَصَّرُوۡا

اور انہوں نے عزم کرلیا ہے کہ ہدایت کے راستوں کو جڑ سے اکھیڑ دیں اور بہت سے کمینے اپنی بدبختی سے عیسائی ہوگئے ہیں

اَرٰی کُلَّ مَحۡجُوۡبٍ لِّدُنۡیَاہُ بَاکِیًا فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَبۡکِیۡ لِدِیۡنٍ یُّحَقَّرُ

میں دین سے ہر بے بہرہ کو اپنی دنیا کے لئے رونے والا پاتا ہوں۔ پس کون ہے وہ جو روئے اس دین کے لئے جس کی تحقیر کی جارہی ہے

فَیَا نَاصِرَ الۡاِسۡلَامِ یَا رَبَّ اَحۡمَدَا اَغِثۡنِیۡ بِتَائِیۡدٍ فَاِنِّیۡ مُدۡخَرُ

اے اسلام کے ناصر! اے احمد کے ربّ! تائید کے ساتھ میری فریادرسی کر۔ میں تو ذلیل کیا گیا ہوں

# مدحتِ قرآن کریم

اس کتاب میں حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ حضرت کے بعض موضوعاتِ شعر ایسے ہیں جنکا آپ سے قبل یا مابعد اسلامی ادب میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا اور یہ بھی کہ اگر کسی شاعر نے اُن موضوعات پر کچھ کہا بھی ہے تو مختصر اور سرسری انداز میں ہے یعنی یہ کہ کسی نے ان موضوعات کو اپنے کلام کا مستقل اور اہم موضوع نہیں بنایا۔ ان موضوعات میں سرفہرست مدحت وستائشِ قرآن ہے۔

گو امت محمدیہ میں ان گنت صلحاء و اصفیاء گذرے ہیں اور اُن سب نے قرآن کریم کی صداقت اور اسکی ترویج وتبلیغ میں عظیم الشان خدمات کی ہیں اور دین اسلام کا چراغ روشن رکھا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ کسی نے اس موضوع کو اپنے شعری کلام کا اہم عنوان نہیں بنایا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآنِ کریم کی حقیقی اور کامل برکات کا ظہور دو ہی ہستیوں پر ہونا تھا اور اُن دو کو ہی یہ سعادت نصیب ہونی تھی کہ قرآن کریم کی برکات کو حقیقی اور قلبی طور پر حاصل کریں اور پھر اُس کے فضائل بیان کریں۔

ان دو ہستیوں میں اوّل اور ہر مقام پر اوّل ہستی تو ہمارے آقا ومطاع حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسری آپؐ کی دوسری تجلّی ہے جس نے آپ ہی کی پیشگوئی کے مطابق مہدی آخر زمان کے طور پر آنا تھا یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت اقدس آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فَحَاصِلُ ھٰذَا الْبَیَانِ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ أَحْمَدَیْنِ فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. وَ اَشَارَ اِلَیْھِمَا بِتکْرَارِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِیْ اَوَّلِ الْفَاتِحَۃِ وَ فِیْ اٰخِرِھَا لِاَھْلِ الْعِرْفَانِ. وَ فَعَلَ کَذَالِکَ لِیَرُدَّ عَلَی النَّصْرَانِیِّیْنَ . وَ اَنْزَلَ اَحْمَدَیْنِ مِنَ السَّمَاءِ لِیَکُوْنَا کَالْجِدٰرَیْنِ لِحِمَایَۃِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ.

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ترجمہ از مرتب: پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے (ایک) اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور (ایک) آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لیے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں اَلْحَمْد کا لفظاً ومعناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لیے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لیے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا محور قرآن کریم کی اطاعت اور اُس کی محبت ہے اور اسی پیغام ربّانی کی علمی اور عملی اشاعت آپ کی بعثت کا مقصد تھا۔

جیسے کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ (ھود: 2)

حضرت اقدس ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ کتاب الٰہی ہے کہ اس کی آیات پکی اور استوار ہیں''

اور فرمایا:

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ (ھود:3)

ایک عجیب بات سوال مقدّر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علّت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذّٰریات: 57) پھر فرمایا اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ۔ چونکہ یہ تعبّد تام کا عظیم الشّان کام انسان بدُوں کسی اُسوۂ حسنہ اور نمونہ کاملہ کے اور کسی قوّت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اِس لئے رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ مَیں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور پھر خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی وحدانیت کے قیام کے لیے تن من کو قربان کرنے کے لیے باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی تو ہے۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الانعام:163،164)

ترجمہ: تو (ان سے) کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے (اور) اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس (امر) کا حکم دیا گیا اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اسی طور پر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور نائب ہیں کہ آپ جناب قرآن کے عاشق صادق ہیں

فرماتے ہیں:

زِ عشّاقِ فرقان و پیغمبریم  بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ترجمہ: ہم قرآن اور پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) کے عاشقوں میں سے ہیں۔اسی (عشق) کے ساتھ ہم آئے ہیں اور اِسی کے ساتھ جائیں گے۔

اس شعر میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عشق قرآن آپ کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور محبت سے نصیب ہوا ہے۔اور پھر اس عشق کا یہ والہانہ انداز بھی دیکھیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

اور عربی میں فرماتے ہیں:

و جَاءَ بِقُرْاٰنٍ مَّجِیْدٍ مُّکَمَّلٍ  مُنِیْرٍ فَنَوَّرَ عَالَماً وَّ یُنَوِّرُ

ترجمہ: اور وہ مکمل قرآن مجید لے کر آیا جو روشنی بخشنے والا ہے۔سو اس نے ایک دنیا کو منور کر دیا اور آئندہ بھی منور کرتا رہے گا۔وہ ایک عزت والی کتاب ہے جو تمام فضیلتوں کی جامع ہے۔معارف کے جام پلاتی ہے۔

و اِنَّ سُرُوْرِیْ فِیْ اِدَارَۃِ کَأْسِہٖ  فَھَلْ مِنَ النَّدَامٰی حَاضِرٌ مَّنْ یُّکَرِّرُ

ترجمہ: اور میری خوشی اس پیالے کو گردش میں لانے میں رہی ہے۔کیا میرے ہم مجلسوں میں کوئی ہے جو بار بار پلائے۔

یہاں تک تو بات ہوئی قرآن کریم کے نزول اور مقصد اعلیٰ کی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پاک محمدؐ مصطفٰی نبیوں کے سردار اور آپ کے نائب مسیح دوراں اور امام آخرالزماں کی۔

اب ہم اپنے دستور کے مطابق اوّل یہ پیش کریں گے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے حسن وخوبی اور اس کی صفات کو کس طور سے بیان کیا ہے۔

قرآن کریم نے اوّل تو باری تعالیٰ کی ہستی کو "نُور" کی علامت قرار دیا ہے۔

جیسے کہ فرمایا

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......الی الآخر  (النور:36)

سچ بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی ذات علوی کے بعد اگر تواتر اور تکرار سے کسی کے اوصاف بیان کیے ہیں تو ان میں اوّل قرآن کریم اور انبیاء علیھم السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو موقع اور محل کے تحت بیان کیا ہے اس لیے ان صفات کی حقیقی عظمت تو تسلسل بیان

کی روشنی میں ہی آشکار ہوسکتی ہے۔ مگر اس تفصیل بیان کی یہ کوشش متحمل نہیں ہوسکتی اس لیے حصولِ برکت کی غرض سے اُن میں سے چند ایک صفات بیان کر دیئے ہیں۔

صداقت۔ لاریب۔ نور۔ شفاء۔ رحمت۔ مبارک۔ موعظہ اور ذکر یہ چند قرآن کریم کے ذاتی اوصاف ہیں۔

اور تاثیراتِ قرآن کے اعتبار سے بھی اس کی صفات بیان ہوئی ہیں۔

یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کی منقبت اور عظمت کے بیان میں ہیں اور ابھی بہت سی اور بھی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر تین بنیادی صفاتِ قرآنِ کریم کو حضرت اقدس کی تعبیر و تفسیر کیساتھ پیش کرتے ہیں۔

اول۔ نور

دوم۔ ہدایت

سوم۔ تاثیراتِ قرآن

# مدحتِ قرآن۔اردو زبان میں

## نور:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات علوی کے لیے"نور" کی علامت کو اختیار فرمایا اور اس نور کی تجلیات خاص میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شمار کیا ہے۔دراصل قرآن کریم کی مدح وتوصیف میں یہ مقام بہت اعلیٰ اور مکرم ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے نور کی تجلّیٔ خاص ہے۔

فرمایا:

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (النور: 36)

خدا آسمان وزمین کا نُور ہے یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ اَرواح میں ہے خواہ اَجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے۔خواہ خارجی۔اُسی کے فیض کا عطیّہ ہے۔یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ربّ العالمین کا فیضِ عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اُس کے فیض سے خالی نہیں۔وہی تمام فیوض کا مبداء ہے اور تمام انوار کا علّتُ العِلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔
(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

اس فیض عام کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فیض خاص کو بیان فرماتا ہے

حضرت اقدسؑ کہتے ہیں:

خداوند تعالیٰ نے اوّل فیضانِ عام کو (جو بدیہی الظہور رہے) بیان کر کے پھر اُس فیضانِ خاص کو بغرضِ کیفیتِ نُور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے کہ جو اِس آیت سے شروع ہوتی ہے مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ....الخ
(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

اور پھر فرمایا وحیِ قرآن اِسی نور کو پکارتی ہے:

سو قرآن شریف بھی اِسی طرزِ موزون ومعتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدّت ورحمت وہیبت و

شفقت ونرمی و درشتی ہے۔سواِسی جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغِ وحیِ فرقان اِس شجرۂ مبارک سے روشن کیا گیا ہے کہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔یعنی طینتِ معتدلہ محمدیہ کے موافق نازل ہوا ہے جس میں نہ مزاجِ موسوی کی طرح درشتی ہے نہ مزاجِ عیسوی کی مانند نرمی۔ بلکہ درشتی اورنرمی اورقہراورلطف کا جامع ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

اور پھر بہت واضح طور پر فرماتے ہیں تمام انوار کامل ہونے کے بعد آنحضرتؐ پر نورِ وحیِ الٰہی وارد ہوا۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ ۔نور فائض ہوا نور پر (یعنی جب کہ وجودِ مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے۔سواُن نوروں پر ایک نورِ آسمانی جو وحی الٰہی ہے وارد ہو گیا اور اُس نور کے وارد ہونے سے وجودِ باجود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔پس اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ نورِ وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے تاریکی پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ فیضان کیلئے مناسبت شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ زیرِ آیت)

اِن فرمودات خداوندی اور تفسیر حضرت اقدسؑ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ

اوّل: نور خدا تعالیٰ کی ہستی ہے۔

دوم: اس نور کی تجلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

سوم: آنحضرت پر نورِ وحی الٰہی یعنی قرآنِ کریم نازل ہوا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدة:16)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراجِ منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدة: 16) وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب: 47) یہی حکمت ہے کہ نورِ وحی جس کے لیے نورِ فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔

ظُلمانی زمانہ کے تدارک کے لیے خدا تعالےٰ کی طرف سے نور آتا ہے وہ نور اُس کا رسول اور اس کی کتاب ہے خدا اُس نور سے ان لوگوں کو راہ دکھلاتا ہے کہ جو اُس کی خوشنودی کے

خواہاں ہیں سو اُن کو خدا کی ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:158)

حضرت اقدسؑ اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے۔ اور اپنی شمولیت کے ساتھ اس کو قوت دیں گے اور اس نور کی مدد کریں گے جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہ دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات پائیں گے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

## ہدایت

ہمارے نزدیک قرآن کریم میں اس کتاب کی عظمت و شان کے بیان میں عمومی طور پر جو حقیقی صفت بیان ہوئی ہے وہ ''**ہدایت**'' ہے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک ہدایت کہا گیا ہے۔

ہم دو بنیادی اور اصولی فرمودات پیش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اوّل قدم پر اپنی صفات میں صفتِ ہدایت کو پیش کیا ہے اور حضرت اقدس نے اس صفت کو قرآن کی علّت غائی قرار دیا ہے۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرة:2،3)

حضرت اقدس فرماتے ہیں:

اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم کے نزول کی علّت غائی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ قرار دی ہے اور قرآن کریم سے رشد اور ہدایت اور فیض حاصل کرنے والے بالتخصیص متقیوں کو ہی ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

اور ان آیات میں جو معرفت کا نکتہ مخفی ہے وہ یہ ہے کہ آیات ممدوحہ بالا میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ وہ کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کے علم سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور چونکہ اُس کا علم جہل اور نسیان سے پاک ہے اس

لیے یہ کتاب ہر ایک شک وشبہ سے خالی ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم انسانوں کی تکمیل کے لیے اپنے اندر ایک کامل طاقت رکھتا ہے اس لیے یہ کتاب متقین کے لیے ایک کامل ہدایت ہے اور ان کو اُس مقام تک پہنچاتی ہے جو انسانی فطرت کی ترقیات کے لیے آخری مقام ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

صفتِ ہدایت کے تحت دوسرا فرمان یہ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل:10)

حضرت اقدس اس صفت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہ قرآن اُس سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے جس میں ذرا کجی نہیں اور انسانی سرشت سے بالکل مطابقت رکھتی ہے اور درحقیقت قرآن کی خوبیوں میں سے یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ ایک کامل دائرہ کی طرح بنی آدم کی تمام قویٰ پر محیط ہو رہا ہے۔ اور آیت موصوفہ میں سیدھی راہ سے وہی راہ مراد ہے کہ جو راہ انسان کی فطرت سے نہایت نزدیک ہے یعنی جن کمالات کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اُن تمام کمالات کی راہ اس کو دکھلا دینا اور وہ راہیں اس کے لئے میسّر اور آسان کر دینا جن کے حصول کے لئے اُس کی فطرت میں استعداد رکھی گئی ہے اور لفظ اَقْوَمُ سے آیت يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ میں یہی راستی مراد ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

## تاثیراتِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تاثیر کے اعتبار سے بہت مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم اختصار کے طور پر دو بہت اہم فرمودات پیش کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (الزمر:24)

حضرت اقدس تفسیر میں فرماتے ہیں:

يَعْنِيْ ذَالِكَ الْكِتٰبُ كِتَابٌ مُّتَشَابِهٌ يَشْبَهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَيْسَ فِيْهِ تَنَاقُضٌ وَّ لَا

اخۡتِلَافٌ مَثۡنیٰ فِیۡہِ کُلُّ ذِکۡرٍ لِیَکُوۡنَ بَعۡضُ الذِّکۡرِ تَفۡسِیۡرًا لِّبَعۡضِہٖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ یَعۡنِیۡ یستولی جَلَالُہٗ و ھیبتہٗ علی قلوب العشّاق لتقشعر جلودھم من کمال الخشیۃ و الخوف یجاھدون فی طاعۃ اللّٰہ لیلاً و نھاراً بتحریک تأثیراتٍ جلالیۃ و تنبیھاتٍ قھریۃ من القراٰن ثم یبدل اللہ حالتھم من التألم الی التلذُّذِ

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

(ترجمہ ایڈیٹر ''الحق'') یعنی یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہیں۔ان میں کوئی تناقض اوراختلاف نہیں۔ ہر ذکراور وعظ اس میں دوہرا کر بیان کئے گئے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ **اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں یعنی اس کا جلال اوراس کی ہیبت عاشقوں کے دِلوں پر غالب ہوجاتی ہے اِس لئے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔وہ قرآن کی قہری تنبیہات اورجلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ اطاعت میں بہ دل وجان کوشش کرتے رہتے ہیں۔پھران کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو جو پہلے دُکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذّت اورسرور سے بدل ڈالتا ہے۔**

دوم۔

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ (الحشر:22)

ترجمہ از حضرت اقدس: یہ قُرآن جو تم پراتارا گیا اگر کسی پہاڑ پراُتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوفِ الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہوجاتا اور یہ مثالیں ہم اِس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلامِ الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غوراور فکر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ایک تو یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اُترتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا اور زمین کے ساتھ مِل جاتا۔ جب جمادات پراس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جواس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور دوسرے اس کے معنے

یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔اوّل تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوُا پہاڑ جس نے سر اُونچا کیا ہوُا ہوتا ہے گِر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبّر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گِر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔اینٹ سے اینٹ جُدا ہو جاتی ہے

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اللہ تعالیٰ نے جو صفات قرآن بیان کی ہیں ان کا ایک نہایت درجہ مختصر اور محدود ذکر کرنے کے بعد ہم اپنے پیارے آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمودات نعتِ قرآن کے تعلق میں پیش کرتے ہیں

مشاہدہ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کس قدر قرآن کریم کے فرمودات کے اتبّاع میں ہیں

اوّل قدم پر ہم ''اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ '' کے قرآنی فرمان کے اتبّاع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بہت ہی حسین احادیث کو پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے حسین کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے حسین ہدایت محمد کی ہدایت ہے۔ **(نسائی کتاب السھو)**

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی خوبیوں کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ قرآن پڑھتا ہے؟

**(مسند احمد بن حنبل باقی مسند الانصار فی مسند عائشہؓ)**

دیکھ لیں کہ ''نور'' اور ''ہدایت'' دونوں صفات بیان ہوگئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان میں سے پہلی تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب سے چمٹ جاؤ اور اسے پکڑ لو آپؐ نے اس پر بہت ترغیب دلائی پھر فرمایا میرے اہل بیت۔

**(دارمی کتاب فضائل القرآن)**

اور پھر قرآن کریم سے محبت اور اس کو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ **(ترمذی کتاب فضائل القرآن)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے سینہ میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہ ہو

وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ایسا ویران گھر جس میں کوئی رہ نہ سکے۔
(دارمی کتاب فضائل القرآن)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں سے اہل اللہ ہیں عرض کیا گیا وہ کون ہیں یارسول اللہ؟ فرمایا: قرآن والے۔(دارمی کتاب فضائل القرآن)

زیرِ نظر مضمون میں اب ہم اس مقام تک پہنچے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعتِ قرآن کے نمونے پیش کریں اور مشاہدہ کروائیں کہ آپ حضرت کی مدح و منقبتِ قرآن کس قدر قرآن کریم اور ہمارے پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتّباع اور نقش قدم پر ہے

اوّل مقام پر تو یہ عظیم الشان نعت ہے کہ خالص طور پر لفظاً و معناً قرآن کریم اور حدیث کا اتّباع ہے۔
فرماتے ہیں:

جمال وحُسنِ قُرآں نُورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اُس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہار جاوِداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں
نہ وُہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے
کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لُولُوئے عُمّاں ہے وگر لعل بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قُدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اُس کے ہمتائی، کہاں مقدورِ انساں ہے
بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نُورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

اِسی اندازِ بیان اور قلبی محبت سے فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفٰی نکلا
یا الٰہی تیرا فُرقاں ہے کہ اِک عالَم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مَئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ مُوسٰی کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اِک لفظ مسیحا نِکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمٰی نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جُھوٹ کا پُتلا نکلا

منقبتِ قرآن میں اس شعر کی عظمت کا مشاہدہ کریں

**حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا**
**ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفٰی نکلا**

صفتِ نور سب سے نمایاں ہے مگر صفتِ ہدایت کو آپ حضرت نے اسلام کے پودے کی آبیاری کے لئے قرآن کریم کو زندگی اور تروتازگی بخش مصفّٰی چشمہ کہا ہے۔ کس قدر خوبصورت کلام ہے اور اپنے دامن میں ہزار معانی کو سمیٹے ہوئے ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن کریم کے فضائل کے بیان کیساتھ دیگر کتب سماوی کا تقابل بھی فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

شُکرِ خُدائے رحماں! جس نے دِیا ہے قرآں
غنچے☆ تھے سارے پہلے اَب گُل کھِلا یہی ہے

کیا وصف اس کے کہنا ہرحرف اس کا گہنا
دِلبر بہت ہیں دیکھے دِل لے گیا یہی ہے

دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں
خالی ہیں اُن کی قابیں خوانِ ھُدٰی یہی ہے

اُس نے خُدا ملایا وُہ یار اُس سے پایا
راتیں تھیں جتنی گُزریں اب دِن چڑھا یہی ہے

اُس نے نشاں دکھائے طالب سبھی بلائے
سوتے ہوئے جگائے بس حق نُما یہی ہے

**پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے**
**دُنیا سے وُہ سدھارے نوشہ نیا یہی ہے**

کہتے ہیں حسنِ یُوسفؑ دلکش بہت تھا لیکن
خُوبی و دلبری میں سب سے سوا یہی ہے

یُوسفؑ تو سُن چکے ہو اِک چاہ میں گِرا تھا
یہ چاہ سے نِکالے جس کی صَدا یہی ہے

اس کلام میں قرآن کے تین بنیادی اوصاف بیان ہوئے ہیں جو کہ ہر سچے دین میں پائے جانے ضروری ہیں۔

**اوّل** قرآن کریم تمام دینی علوم کو مفصل بیان کرتا ہے جبکہ دیگر کتب میں یہ خوبی نہیں ہے۔ فرمایا:

دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں
خالی ہیں اُن کی قابیں خوانِ ھُدٰی یہی ہے

دینی راہنمائی کی دعوت میں دیگر ادیان کی قابوں کا خالی ہونا اور قرآن کی ہدایت کے مائدہ کا دسترخوان بھرپور ہونا بہت ہی خوبصورت مثال ہے۔

**دوم** قرآن کریم کے وسیلے سے وصالِ باری تعالیٰ حاصل ہوتا ہے۔

☆ غنچے: تورات، انجیل، زبور وغیرہ

فرمایا:

اُس نے خُدا ملایا وُہ یار اُس سے پایا
راتیں تھیں جتنی گزریں اب دِن چڑھا یہی ہے

یعنی گذشتہ کتب میں یہ خوبی ناپید ہوگئی تھی۔مگر قرآن کے نور نے طلوعِ شمس کیا اور ہزاروں لاکھوں واصل باللہ پیدا ہوئے اس فوج کے اوّل سالار ہمارے پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار ہیں اور دوم **جری اللّٰہ فی حللِ الانبیاء** ہیں۔

**تیسری** صفت یہ ہے صرف قرآن ہی لفظاً و معناً محفوظ ہے جبکہ دیگر کتب میں تحریف اور تبدیلی کا عمل ہو چکا ہے جیسے فرمایا:

پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے
دُنیا سے وہ سدھارے نوشہ نیا یہی ہے

ایک اور مقام پر قرآن کریم کی یہ خوبی شان سے بیان ہوئی ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی کی لِقاء اور وصال کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان ہوئی ہے اور فرمایا کہ وہ تمام روحانی انعامات جو صحیفہ قرآن کریم ہی کی برکت سے عطا ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں آپ کی یہ نظم قرآن کریم کے فضائل و برکات میں ایک لاجواب شاہکار ہے۔تمام ادبی محاسن کی حامل اور عقل اور معرفت سے بھرپور اور محبتِ الٰہی میں سرشار اور تاثیرات قرآن کا ایک مفصل بیان ہے:

فرماتے ہیں:

**ہے شکر ربّ عزّوجل خارج از بیان**
**جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں**

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اس سے ہمارا پاک دِل و سینہ ہوگیا
وُہ اپنے مُنہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

اس نے درختِ دِل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دِل بدل دیا

اُس سے خُدا کا چہرہ نمودار ہوگیا
شیطاں کا مکر و وَسوسَہ بے کار ہوگیا
وُہ رہ جو ذاتِ عزّ و جل کو دکھاتی ہے
وُہ رہ جو دِل کو پاک و مطہّر بناتی ہے
وُہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے
وُہ رہ جو جام پاک یقیں کا پلاتی ہے
وُہ رہ جو اس کے ہونے پہ مُحکم دلیل ہے
وُہ رہ جو اُس کے پانے کی کامل سبیل ہے
اُس نے ہر ایک کو وُہی رستہ دِکھا دیا
جتنے شکوک و شُبہ تھے سب کو مٹا دیا
افسُردگی جو سِینوں میں تھی دُور ہوگئی
ظلمت جو تھی دِلوں میں وُہ سب نور ہوگئی
جو دَور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیم عنایاتِ یار سے
جاڑے کی رُت ظہور سے اس کے پلٹ گئی
عشقِ خدا کی آگ ہر اک دِل میں اَٹ گئی
جتنے درخت زندہ تھے وُہ سب ہوئے ہرے
پھَل اِس قدر پڑا کہ وُہ میووں سے لَد گئے
موجوں سے اُسکی پردے وساوس کے پھَٹ گئے
جو کُفر اور فِسق کے ٹِیلے تھے کٹ گئے
قرآن خُدا نُما ہے خُدا کا کلام ہے!
بے اِس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

اور آخر میں قرآن کریم کو حرز جان بنانے اور اس سے محبت کا رشتہ باندھنے کے لئے ایک نہایت درجہ دردِ دل سے بیان کی ہوئی نصیحت ہے۔

فرماتے ہیں:

قرآں کتابِ رحماں سِکھلائے راہِ عرفاں
جو اسکے پڑھنے والے اُن پر خدا کے فیضاں
اُن پر خُدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے چشمۂ ہدایت جس کو ہو یہ عنایت
یہ ہیں خُدا کی باتیں اِن سے ملے ولایت
یہ نُور دِل کو بخشے دِل میں کرے سرایَت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

قرآں کو یاد رکھنا پاک اِعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صِدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

☆

# مدحتِ قرآنِ کریم

## فارسی زبان میں

گزشتہ میں تعیین کی گئی ہے کہ ہم قرآن کریم کی بے شمار صفات اور عظمت وشان میں اس کی ان تین صفات کو پیش کرتے ہیں جو کہ قرآن میں بنیادی صفات کے طور پر بار بار بیان ہوئی ہیں۔

وہ صفات اوّل۔نُور

دوم۔ہدایت

سوم۔قرآن کی تاثیرات ہیں۔

مدحِ قرآن میں حضرت اقدسؑ کے کلام میں بھی یہی بنیادی عناصر ہیں۔ یہی عناصر ثلاثہ آپ کے تینوں زبانوں کے کلام میں روشن اور عیاں ہیں۔اردو زبان کے نمونے پیش کئے جا چکے ہیں اب فارسی اور عربی کے کلام کو پیش کیا جائیگا۔

اوّل قدم پر ہم آپ حضرت کی ایک عظیم الشان غزل نما نعتِ قرآن پیش کرتے ہیں جس میں اِن تینوں صفات کا بیان بھی ہے اور قرآن کریم سے والہانہ محبت کا اظہار بھی۔

فرماتے ہیں:

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ　　بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ

قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوئی اور دلوں کے غنچوں پر بادصبا چلنے لگی۔

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد　　وایں دلبری و خوبی کس در قمر نہ دیدہ

ایسی روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندنی میں بھی نہیں

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا　　وایں یوسفے کہ تن ہا از چاہ برکشیدہ

یوسفؑ تو ایک کنویں کی تہ میں اکیلا تھا مگر اس یوسف نے بہت سے لوگوں کو کنوئیں میں سے نکالا ہے

از مشرقِ معانی صدہا دقایق آورد　　قدِّ ہلالِ نازک زاں نازکی خمیدہ

منبعِ حقایق سے یہ سینکڑوں حقایق اپنے ہمراہ لایا ہے۔ ہلالِ نازک کی کمر ان حقایق سے جھک گئی ہے

کیفیّتِ علومش دانی چہ شان دارد　　شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ

تجھے کیا پتہ کہ اس کے علوم کی حقیقت کس شان کی ہے وہ آسمانی شہد ہے جو خدا کی وحی سے ٹپکا ہے

آں نیّرِ صداقت چوں رو بہ عالم آورد　　ہر بومِ شب پرستے در کُنجِ خود خزیدہ

یہ سچائی کا سورج جب اس دنیا میں ظاہر ہوا تو رات کے پُجاری اُلّو اپنے اپنے کونوں میں جا گھُسے

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدُنیا   اِلّا کسے کہ باشد باروئش آرمیدہ

دنیا میں کسی کو یقین کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مگر اُسی شخص کو جو اُس کے منہ سے محبت رکھتا ہے

آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف   واں بیخبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ

جو اس کا عالم ہو گیا وہ خود معرفت کا خزانہ بن گیا اور جس نے اس عالم کو نہیں دیکھا اُسے دُنیا کی کچھ خبر ہی نہیں

بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او!   بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ

رحمان کے فضل کی بارش ایسے شخص کی پیشوائی کو آتی ہے بدقسمت وہ ہے جو اسے چھوڑ کر دوسری طرف بھاگا

میلِ بدی نباشد اِلّا رگے ز شیطاں   آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیدہ

بدی کی طرف رغبت ایک شیطانی رگ ہے میں تو اُسے بشر سمجھتا ہوں جو ہر شر سے نجات پائے

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی   تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ

اے کانِ حسن میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تُو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس   زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدائے فریادرس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے

مشاہدہ کر لیں کہ اس میں ''نور'' اور ''ہدایت'' کا مضمون بھی ہے اور قرآن کریم کی ایسی تاثیر کا ذکر بھی ہے جو اس سے محبت والفت پیدا کرتی ہے۔ محبت کے اظہار میں دو شعر دوبارہ سُن لیں

**اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی   تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ**

اے حُسن کی کان میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تُو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس   زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدائے فریادرس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے

دوسرے مقام پر ایک طویل مثنوی میں قرآن کے حسن وخوبی کو تفصیل کیساتھ بیان فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں نہ تافت است چناں   کو بماندے نہاں ز دیدہ وراں

قرآن کا نور ایسا نہیں چمکتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی رہ سکے

آں چراغِ ہدیٰ ست دُنیا را   رہبر و رہنماست دنیا را

وہ تو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور جہاں بھر کے لیے رہبر اور رہنما

رحمتے از خُداست دُنیا را   نعمتے از سماست دُنیا را

وہ خدا کی طرف سے دنیا کے لیے ایک رحمت ہے اور آسمان سے اہل جہان کے لیے ایک نعمت

مخزنِ راز ہائے ربانی از خدا آلۂ خدا دانی
وہ خداوند کے اسرار کا خزانہ ہے ۔اورخدا کی طرف سے خدا شناسی کا آلہ ہے
برتر از پایۂ بشر بکمال دستگیرِ قیاس و استدلال
وہ اپنے کمالات میں انسان کے مرتبہ سے بالاتر ہے اور قیاس اور استدلال کی دستگیری کرتا ہے
کارسازِ اتم بعلم و عمل حجتش اعظم و اثر اکمل
وہ علم وعمل میں ہمارے لیے کامل کارساز ہے اُس کی دلیل پختہ اور اس کا اثر نہایت کامل ہے

اس مضمون میں اوصاف قرآن بیان فرماتے ہیں کہ قرآن علمِ دین کا آفتاب ہے اور انسان کو شک سے نکال کر یقین کی طرف لے جاتا ہے۔اور حبل المتین ہے۔فرماتے ہیں:

**ہست فرقاں آفتابِ علم و دیں تا برندت از گماں سوئے یقیں**
قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے اور وہ تجھے شک سے یقین کی طرف لے جائیگا
**ہست فرقاں از خدا حبل المتیں تاکشندت سوئے ربّ العالمیں**
قرآن خدا کی مضبوط رسّی ہے اور وہ تجھے ربّ العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائیگی
ہست فرقاں روزِ روشن از خدا تا دہندت روشنی دیدہ ہا
قرآن خدا کی طرف سے ایک روشن دن ہے تا کہ تجھے روحانی آنکھوں کی روشنی بخشے
حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال تا رسی در حضرتِ قُدس و جلال
خدانے اس بے نظیر کلام کو اس لیے بھیجا ہے تا کہ تو اس پاک اور ذوالجلال کی درگاہ میں پہنچ جائے
داروئے شکّ ست الہامِ خدا کاں نماید قدرتِ تامِ خدا
خداتعالیٰ کا الہام شک کی دوا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی کامل قدرت کو ظاہر کرتا ہے
ہر کہ روئے خود ز فرقاں در کشید جانِ او روئے یقیں ہرگز ندید
جس نے قرآن سے روگردانی اختیار کی اُس نے یقین کا منہ ہرگز نہیں دیکھا
وحیِ فرقاں مُردگاں را جاں دہد صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد
قرآن کی وحی مُردوں میں جان ڈالتی ہے اور معرفت الٰہی کی سینکڑوں باتیں بتاتی ہے
از یقیں ہا می نماید عالمے! کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے
اور یقینی علوم کا ایسا جہاں دکھاتی ہے جو کوئی سو جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا

ایک بہت ہی مؤثر اور دلفریب نعت بھی سُن لیں قرآن سے اپنی وابستگی اور محبت کو بیان کر کے اِن لوگوں پر

افسوس کرتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

فرماتے ہیں:

از وحی خدا صبحِ صداقت بدمیدہ　　چشمیکہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیدہ

خدا کی وحی سے صبحِ صداقت روشن ہوگئی جس آنکھ نے یہ صحفِ پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا

کاخِ دلِ ما شد ز ہماں نافہ مُعطّر　　واں یار بیامد کہ زما بود رمیدہ

ہمارا دل اُس نافہ سے معطر ہے اور وہ یار جو ہم سے بھاگا ہوا تھا پھر آ گیا

آں دیدہ کہ نورے نگرفت ست زفرقاں　　حقّا کہ ہمہ عمر زِ کوری نہ رہیدہ

وہ آنکھ جس نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہ پائے گی

آں دل کہ جُز از وے گُلِ گلزار خدا جست　　سوگند تواں خورد کہ بویش نشمیدہ

وہ دل جس نے اُسے چھوڑ کر گل گلزار خدا ڈھونڈا۔ خدا کی قسم کہ اس شخص نے اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھی

باخور ندہم نسبتِ آں نور کہ بینم　　صدخور کہ بہ پیرامن او حلقہ کشیدہ

میں سورج سے اس نور کو تشبیہ نہیں دے سکتا کیونکہ دیکھتا ہوں کہ اس کے گرد سینکڑوں آفتاب حلقہ باندھے کھڑے ہیں

بے دولت و بدبخت کسانیکہ ازاں نور　　سرتافتہ از نخوت و پیوند بریدہ

وہ لوگ بدقسمت اور بدنصیب ہیں جنہوں نے اس نُور سے تکبر کی وجہ سے رُوگردانی کی اور تعلق توڑ لیا

تاثیراتِ قرآن پر ایک اور مؤثر کلام بھی سُن لیں۔

آں کتابے ہمچو خور دادش خدا　　کز رخش روشن شد ایں ظلمت سرا

خدا نے اُسے سورج کی طرح ایک ایسی کتاب عطا کی کہ اُس کے روئے روشن سے یہ اندھیرا جہان چمک اٹھا

ہست فرقاں طیّب و طاہر شجر　　از نشانہا مے دہد ہر دم ثمر

فرقان ایک پاک اور طیب درخت ہے اور ہر زمانہ میں نشانات کے پھل دیتا ہے

صد نشانِ راستی در وَے پدید　　نے چو دینِ تو بنایش برشنید

سچائی کے سینکڑوں نشان اس میں ظاہر ہیں تیرے دین کی طرح اُس کی بنیاد شنید پر نہیں ہے

پُر ز اعجاز است آں عالی کلام　　نورِ یزدانی درو رخشد تمام

وہ بزرگ کتاب معجزات سے بھری ہوئی ہے اُس میں خدائی نُور پورا پورا چمکتا ہے

از خُدائی ہا نمودہ کار را!　　بر دریدہ پردۂ کفّار را!

اُس نے خدائی طاقتوں کے ساتھ کام کیا ہے اور کفّار کے پردے پھاڑ کر دکھائے ہیں

آفتاب است و کند چوں آفتاب　　گر نۂ کوری بیابنگر شتاب

وہ خودآفتاب ہےاوردوسروں کوبھی آفتاب کی طرح بنادیتاہےاگرتواندھانہیں ہےتوجلدی آاوردیکھ

فرماتے ہیں کہ جوصحابہؓ میں روحانی انقلاب آیااورانہوں نے دنیاکویکسر بھلادیاوہ تاثیراتِ قرآن ہی تھیں۔

بود آں جذبۂ کلامِ خُدا　　کہ دلِ شاں ربود از دُنیا

یہ کلامِ الٰہی کی کشش ہی تو تھی۔ جس نے اُن کے دلوں کو دنیا کی طرف سے ہٹا دیا

سینۂ شاں ز غیر حق پرداخت　　و از مئے عشق آں یگاں پُرساخت

ان کے سینہ کو غیراللہ سے خالی کردیا۔ اور اُس یگانہ کی محبت کی شراب سے بھر دیا

چوں شد آں نورِ پاک شاملِ شاں　　تافت از پردہ بدرِ کامل شاں

جب وہ پاک نُور ان میں رچ گیا۔ تو پردہ میں سے بدرِکامل چمکا

دُور شد ہر حجابِ ظلمانی　　شد سراسر وجودِ نورانی

وہ ظلمت کے حجابوں سے دور ہوگیا اور سراسر نورانی وجود بن گیا

خاطرِ شاں بجذبِ پنہانی　　کرد مائل بہ عشقِ ربّانی

اُن کے دل کو ایک مخفی کشش سے خدا کی طرف مائل کردیا

حضرت اقدس کی قرآن سے محبت اوراس کے فیوض کاا یک بہت دلفریب بیان بھی سُن لیں

فرماتے ہیں۔

الغرض فرقاں مدارِ دینِ ماست　　اُو انیسِ خاطرِ غمگینِ ماست

الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے۔ وہ ہمارے غمگین دل کو تسلی دینے والا ہے۔

نورِ فرقاں میکشد سوئے خدا　　مے تواں دیدن ازو روئے خدا

فرقان کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے ذریعہ خدا کا چہرہ دیکھا جاسکتا ہے

ماچہ ساں بندیم زاں دلبر نظر　　ہمچو روئے اُو کُجا روئے دگر

میں اس محبوب سے اپنی آنکھیں کیونکر بند کرسکتا ہوں۔اس کے خوبصورت چہرے کے مقابل کونسا چہرہ ہے

روئے من از نورِ روئے اُو بتافت　　یافت ازفیضش دلِ من ہر چہ یافت

میرا چہرہ اس کے منہ کے نور سے چمک اٹھا۔ میرے دل نے جو پایا اسی کے فیض سے پایا

آخر پرآپ حضرت کی قرآنِ کریم سے محبت اورمسلمانوں کی اس طرف سے بےاعتنائی اور بےرغبتی کے بیان میں آپ حضرت کی ایک بہت ہی دردناک نظم پیش کرتے ہیں۔اس نظم کے مضمون کے تعلق میں ایک

خوبصورت بات یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس دردناک پکار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کہا ہے کیونکہ آنحضرتؐ کی قوم نے قرآن کریم کو مہجور کی طرح سے پس پشت ڈال دیا ہے۔

جیسے فرمایا:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (الفرقان: 31)

ترجمہ: اے میرے ربّ میری قوم نے تو اس فرقان کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔

گویا کہ اوّل یہ دردناک پکار حضرت اقدسؑ کے آقا اور مطاع کی طرف سے خدا تک پہنچی ہے اور پھر آپ کے نائب اور وارث کی طرف سے اس غم کا اظہار ہوا ہے۔

فرماتے ہیں:

**دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند آں خود عیاں مگر اثر عارفاں نماند**

افسوس کہ قرآن کے چہرے کی خوبصورتی ظاہر نہ رہی مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ خود تو ظاہر ہے لیکن اس کے قدر شناس نہ رہے

**مردم طلب کنند کہ اعجاز آں کجاست صد درد و صد دریغ کہ اعجاز داں نماند**

لوگ پوچھتے ہیں کہ اس کا اعجاز کہاں گیا (اعجاز تو ہے) لیکن سخت رنج اس کا ہے کہ کوئی اعجاز داں نہیں رہا

**یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معیں ایں یوسفے کہ ہیچ کسش کارواں نماند**

میں نے یوسف کی بابت سنا تھا کہ قافلہ نے اُس کی مدد کی تھی اور یہ یوسف ہے جس کا کوئی کارواں نہیں ہے

جانم کباب شد زِ غمِ ایں کتابِ پاک چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند

اس کتاب کے غم میں میری جان کباب ہوگئی اور میں اس قدر جل گیا ہوں کہ بچنے کی کوئی اُمّید نہیں

اے سیّد الورٰی مددے وقتِ نصرت است در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

اے مخلوقات کے سردارؐ مدد فرما یہ نصرت کا وقت ہے کیونکہ تیرے باغ میں کوئی بھی باغباں نہیں رہا

صدبار رقص ہا کنم از خرّمی اگر بینم کہ حسنِ دلکشِ فرقاں نہاں نماند

میں خوشی کے مارے سینکڑوں دفعہ رقص کروں۔ اگر یہ دیکھ لوں کہ قرآن کا دل کش جمال پوشیدہ نہیں رہا

یارب چہ بہر من غم فرقاں مقدر است یا خود دریں زمانہ کسے رازداں نماند

اے ربّ کیا میری تقدیر میں ہی فرقان کے لیے غم کھانا لکھا ہے یا اس زمانہ میں میرے سوا اور کوئی واقف حقیقت ہی نہیں

دیدم کہ زاہداں رہِ فرقاں گذاشتند ناچار در دلم اثرِ مہرِ شاں نماند

میں نے دیکھا کہ زاہدوں نے قرآن کا راستہ چھوڑ دیا ہے اس لیے میرے دل میں بھی ان کی محبت کا نشان باقی نہیں رہا

اے خواجہ پنج روز بود لطفِ زندگی　　کس از پئے مدام دریں خاکداں نماند

اے خواجہ! زندگی کا لطف چند دن کے لیے ہے کہ کوئی بھی اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہا

امروز گر دل از پئے قرآں نسوزدت　　عذرے دگر ترا بجنابِ یگاں نماند

اگر آج کے دن تیرا دل قرآن کے لیے نہیں جلتا تو پھر خدا کی درگاہ میں تیرا کوئی عذر باقی نہیں رہا

اوراس نظم کے مقطع میں قرآن کریم کی خدمت کی تلقین فرما کر سعدیؒ کے مصرعے کو زندہ وجاوید کر دیتے ہیں۔

**اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند　　زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند**[1]

اے بے خبر فرقان کی خدمت کے لیے کمر باندھ لے اس سے پہلے کہ یہ آواز آئے کہ فلاں شخص مر گیا

☆

1. سعدی کا مصرع ہے

# مدحتِ قرآنِ کریم

## عربی زبان میں

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نعت قرآن میں ہم ان تین صفات کا ذکر کریں گے جو قرآن کریم میں بار بار بیان ہوئی ہیں۔

یعنی اوّل۔نور

دوم۔ہدایت

سوم۔تاثیرات

اوّل ہم عربی میں ایک نعت پیش کرتے ہیں جس میں یہی درج بالا تمام موضوعات آجاتے ہیں اور بہت مؤثر اور مفصل طور پر آجاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

هَلُمَّ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ صِدْقًا وَّ اِیْمَانًا بِتَصْدِیْقِ الْجَنَانِ

خدا کی کتاب کی طرف۔ صدق اور دلی ایمان سے آجا

شَغَفْتُمْ اَیُّھَا النُّوْکٰی بِشَوْکٍ وَ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الزَّھْرِ الْحِسَانِ

بے وقوفو! تم کانٹوں پر فریفتہ ہوگئے ۔اور خوبصورت پھولوں سے کنارہ کیا

وَ اٰثَرْتُمْ اَمَاعِزَ ذَاتَ صَخْرٍ عَلٰی مُخْضَرَّۃٍ قَاعٍ هِجَانِ

اورتم نے کنکریوں اور بڑے پتھروں والی زمین جو بہت سخت ہے اختیار کی۔اور ایسی زمین کو چھوڑا جو پرسبزہ اورنرم اورنہایت عمدہ اورقابلِ زراعت ہے

وَمَا الْقُرْآنُ اِلَّا مِثْلَ دُرَرٍ فَرَائِدَ زَانَھَا حُسْنُ الْبَیَانِ

اورقرآن درحقیقت بہت عمدہ اور یکدانہ موتیوں کی طرح ہے۔ جو حسنِ بیان سے اوربھی اس کی زینت اورخوبصورتی نکلی ہے

وَ مَا مَسَّتْ اَکُفُّ الْکَاشِحِیْنَا مَعَارِفَهُ الَّتِیْ مِثْلَ الْحِصَانِ

اور دشمنوں کی ہتھیلیاں ان معارف کو چھوئی بھی نہیں۔ جو قرآن میں ایسے طور پر چھپی ہوئی ہیں جیسے پردہ نشین پارسا عورت چھپی ہوئی ہوتی ہے

بِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِلْمٍ وَّ عَقْلٍ وَّ اَسْرَارٍ وَّ اَبْکَارِ الْمَعَانِیْ

اس میں ہریک وہ علم اور عقل ہے جس کا تو طالب ہے۔اورانواع واقسام کے بھید اورنئی صداقتیں اس میں بھری ہیں

یُسَکِّتُ کُلَّ مَنْ یَعْدُوْ بِضِغْنٍ　　　یُبَکِّتُ کُلَّ کَذَّابٍ وَّ جَانِیْ

ہر ایک ایسے دشمن کا منہ بند کرتا ہے جو مخالفانہ طور پر دوڑ پڑتا ہے۔اور ہر ایک ایسے شخص پر اتمامِ حجت کرتا ہے جو دروغگو اور گناہگار ہے۔

رَئَیْنَا دَرَّ مُزْنَتِہٖ کَثِیْرًا　　　فَدَیْنَا رَبَّنَا ذَا الْاِمْتِنَانِ

ہم نے اس کے مینہ کا پانی بہت ہی دیکھا ہے۔سو ہم اس خدا پر قربان ہیں جس نے ایسے احسان کئے

وَ مَا اَدْرَاکَ مَا الْقُرْآنُ فَیْضًا　　　خَفِیْرٌ جَالِبٌ نَحْوَ الْجِنَانِ

اور تو کچھ جانتا ہے کہ قرآن فیض کے رو سے کیا شے ہے؟ وہ ایک راہبر ہے جو بہشت کی طرف کھینچتا ہے

لَهُ نُوْرَانِ نُوْرٌ مِّنْ عُلُوْمٍ　　　وَ نُوْرٌ مِّنْ بَیَانٍ کَالْجُمَانِ

اس میں دو نور ہیں ایک تو علوم کا نور اور دوسرے۔فصاحت اور بلاغت کا نور جو دانہ نقرہ کی طرح چمکتا ہے

کَلَامٌ فَائِقٌ مَا رَاقَ طَرْفِیْ　　　جَمَالٌ بَعْدَهٗ وَ النَّیِّرَانِ

وہ ایک ایسا کلام ہے جو ہر ایک کلام سے فوقیت لے گیا ہے۔اور اس کے بعد مجھے کوئی جمال اچھا معلوم نہ ہوا اور آفتاب اور قمر بھی اچھے دکھائی نہ دیئے۔

اَیَاۃُ الشَّمْسِ عِنْدَ سَنَاهُ دَخْنٌ　　　وَ مَا لِلَّعْلِ وَ السَّبْتِ الْیَمَانِیْ

آفتاب کی روشنی اس کی چمک کے آگے ایک دھواں سا ہے۔اور لعل سے تری کے سرخ چمڑے کو نسبت ہی کیا ہے گو یمن کی ساخت ہو۔

وَ اَیْنَ یَکُوْنُ لِلْقُرْآنِ مِثْلٌ　　　وَ لَیْسَ لَهٗ بِهٰذَا الْفَضْلِ ثَانِیْ

اور قرآن کی مثال کوئی دوسری چیز کیوں کر ہو۔ کیونکہ وہ تو اپنے فضائل میں بے مثل ہے

وَ رِثْنَا الصُّحُفَ فَاقَتْ کُلَّ کُتُبٍ　　　وَ سَبَقَتْ کُلَّ اَسْفَارٍ بِشَأْنِ

ہم اس کتاب کے وارث بنائے گئے جو سب کتابوں پر فائق ہے۔ایسی کتاب جو اپنے کمالات میں تمام کتابوں پر سبقت لے گئی ہے۔

وَ جَاءَ تْ بَعْدَ مَا خَرَّتْ خِیَامٌ　　　وَ خُرِّبَتِ الْبُیُوْتُ مَعَ الْمَبَانِیْ

اور اس وقت آئی جبکہ سب پہلے خیمے منہ کے بل گر چکے تھے۔اور تمام گھر مع بنیاد کی جگہوں کے خراب ہو چکے تھے۔

مَحَتْ کُلَّ الطَّرَائِقِ غَیْرَ بِرٍّ　　　وَ جَذَّتْ رَأْسَ بِدْعَاتِ الزَّمَانِ

ہر ایک راہ کو بغیر نیکی کے راہ کے معدوم کر دیا۔اور ان تمام بدعتوں کا سر کاٹ دیا جو زمانہ میں شائع تھیں

كَــأَنَّ سُيُـوْفَهَــا كَــانَتْ كَـنَــارٍ ‏ ‏ ‏ ‏ بِهَــا حُــرِقَـتْ مَخَـارِيْقُ الْاَدَانِیْ

گویااس کی تلواریں ایک آگ کی طرح تھیں۔ان سے تمام گدکے جل گئے جوسفلہ لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔

اِذَا اسْتَـدْعَــىٰ كِتَـابُ اللّٰـهِ مِثْلًا ‏ ‏ ‏ ‏ فَعَــيَّ الْـقَـوْمُ وَ اسْتَتَـرُوْا كَفَـانِیْ

جب کتاب اللہ نے اپنے مثل کا مطالبہ کیا۔سوقوم مقابلہ سے عاجز ہوگئی اور فنا شدہ چیز کی طرح چھپ گئی

وَسُـلِبَـتْ جُرْءَ ةُ الْاِسْـنَــافِ مِنْهُمْ ‏ ‏ ‏ ‏ مِــنَ الْهَـوْلِ الَّـذِیْ حَـلَّ الْـجَـنَـانِ

اور پیشقدمی کی ہمت اس سے مسلوب ہوگئی۔اور یہ ہیبتِ الٰہی تھی جوان کے دل میں بیٹھ گئی

فَـمِـنْ عَـجَـبٍ اَكَبُّـوْا مِثْـلَ مَيْـتٍ ‏ ‏ ‏ ‏ وَ قَـدْ مَـرَنُـوْا عَـلٰى لُطْفِ الْبَيَـانِ

سو یہ تعجب کی بات ہے کہ وہ مردہ کی طرح منہ کے بل جاپڑے۔حالانکہ وہ فصیح کلمات کی مشق اور عادت رکھتے تھے۔

وَ اَنْــزَلَــهُ مُهَيْـمِـنُـنَـا حُـدَيًّـا ‏ ‏ ‏ ‏ فَـفَـرُّوْا كُـلُّهُـمْ كَـالْـمُسْتَهَـانِ

اور خداتعالیٰ نے اس کو بیمثل اور طالب معارض نازل کیا۔پس کفار اس کی مثل بنانے پر قادر نہ ہوسکے اور سرگردان ہوکر بھاگ گئے۔

وَ صَــارَتْ عُـصُبُهُـمْ فِـرَقًـا ثُبِيْنًـا ‏ ‏ ‏ ‏ فَـمِـنْهُـمْ مَّـنْ اَتَــىٰ بَـعْـدَ الْحُـرَانِ

اوران کی جماعتیں کئی فرقوں میں متفرق ہوگئے۔پس بعض ان میں سے تو سرکشی سے باز آگئے

وَ مِـنْهُـمْ مَّـنْ تَـلَبَّـبَ مُسْتَشِيْـطًـا ‏ ‏ ‏ ‏ لِـحَـرْبِ الصَّــادِقِيْـنَ وَ لِلطَّعَـانِ

اور بعض نے قرآن کے مقابلہ سے عاجز آکر ہتھیار باندھے۔اور غضب میں آکر راستبازوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

اور فرماتے ہیں کہ تمام انوار قرآن ہی میں ہیں:

وَ كُـلُّ الـنُّـوْرِ فِــی الْـقُـرْآنِ لٰكِنْ ‏ ‏ ‏ ‏ يَـمِيْـلُ الْهَــالِـكُـوْنَ اِلَى الدُّخَـانِ

اور تمام ہر قسم کے نور قرآن ہی میں ہیں۔مگر مرنے والے دھوئیں کی طرف دوڑتے ہیں

بِـــهٖ نِـلْـنَـا تُـرَاثَ الْـكَـامِلِيْـنَـا ‏ ‏ ‏ ‏ بِــهٖ سِـرْنَــآ اِلٰى اَقْـصَـى الْمَعَـانِیْ

ہم نے اس کے وسیلہ سے کاملوں کی وراثت پائی۔ہم نے اس کے وسیلہ سے حقیقتوں کے اخیر تک سیر کیا

فَـقُـمْ وَ اطْـلُـبْ مَـعَــارِفَــهُ بِجُهْدٍ ‏ ‏ ‏ ‏ وَ خَفْ شَــرَّ الْـعَـوَاقِبِ وَ الْهَوَانِ

پس اٹھ اور کوشش کے ساتھ اس کے معارف طلب کر۔اور انجامِ بد اور ذلت کی بدیوں سے خوف کر

ذیل کی نعت میں مشاہدہ کریں کہ کس قدر اتّباع قرآن ہے۔

اوّل سے آخر تک

اول: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (الاعراف :186)

دوم: اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (ھود:2)

سوم: لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ:80)

بہت ہی خوبصورت نعت ہے اور فرماتے ہیں کہ آپ نے اس کتاب کی برکات سے فیض اٹھایا ہے۔

**هَلِ الْعِلْمُ شَیْءٌ غَيْرُ تَعْلِيْمِ رَبِّنَا وَ اَیُّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ نَتَخَيَّرُ**

کیا وہ علم کوئی چیز ہے جسے ہمارے ربّ نے نہ سکھایا ہو اور کونسی بات ہم اس کے بعد اختیار کر سکتے ہیں؟

**كِتَابٌ كَرِيْمٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ وَ حَيَاتُهٗ يُحْيِی الْقُلُوْبَ وَ يُزْهِرُ**

وہ کتاب کریم ہے اس کی آیات محکم ہیں اور اس کی زندگی دلوں کو زندہ اور روشن کرتی ہے

**يَدُعُّ الشَّقِیَّ وَ لَا يَمَسُّ نِكَاتَهٗ وَ يُرْوِی التَّقِیَّ هُدًی فَيَنْمُوْ وَ يُثْمِرُ**

وہ بدبخت کو دھکے دیتی ہے اور وہ اس کے نکات کو نہیں چھو سکتا اور وہ پرہیزگار کو ہدایت سے سیراب کرتی ہے سو وہ نشو و نما پاتا ہے اور پھل دیتا ہے

**وَ مَتَّعَنِیْ مِنْ فَيْضِهٖ لُطْفُ خَالِقِیْ وَ اِنِّیْ رَضِيْعُ كِتَابِهٖ وَ مُخَفَّرُ**

اور میرے ربّ کی مہربانی نے اپنے فیض سے مجھے بہرہ ور کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کا شیر خوار ہوں اور اس کی حفاظت میں ہوں

**كَرِيْمٌ فَيُؤْتِیْ مَنْ يَّشَاءُ عُلُوْمَهٗ قَدِيْرٌ فَكَيْفَ تُكَذِّبَنَّ وَ تَهْكَرُ**

وہ کریم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے علوم دیتا ہے، وہ قدیر ہے۔ سو تو (اس بات کی) کیسے تکذیب کرتا ہے اور کیسے (اس پر) تعجّب کرتا ہے

**وَ اِنِّیْ نَظَمْتُ قَصِيْدَتِیْ مِنْ فَضْلِهٖ لِتَعْلَمَ فَضْلُ اللّٰهِ كَيْفَ يُخَيِّرُ**

اور میں نے خدا کے فضل سے اپنا قصیدہ منظوم کیا ہے تا کہ تو جان لے کہ اللہ کا فضل کس طرح برگزیدہ بنا دیتا ہے

اور آخر پر ایک بہت ہی مؤثر نمونہ نعتِ قرآن مشاہدہ کریں اس میں قرآنِ کریم کی تمام تاثیرات کو بیان کیا گیا ہے اور بہت ہی خوبصورتی سے کہا گیا ہے۔ آخری شعر کو مشاہدہ کریں کیسی محبت اور فدائیت ہے۔

وَ ھٰذَا ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ رَبُّنَا　　　فَاِنْ کُنْتَ تَرْغَبُ عَنْ ھُدًی لَا نَرْغَبُ

اور یہ اس اللہ کی ہدایت ہے جو ہمارا ربّ ہے سو اگر تو ہدایت سے اعراض کرتا ہے تو ہم اعراض نہیں کریں گے۔

وَ اِنَّ سِرَاجِیْ قَوْلُہٗ وَ کِتَابُہٗ　　　فَاِنْ اَعْصِہٖ فَسَنَاہُ مِنْ اَیْنَ اَطْلُبُ

اور میرا چراغ تو اس کا فرمودہ اور اس کی کتاب ہے اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کی روشنی کہاں سے طلب کروں۔

وَ اِنَّ کِتَابَ اللّٰہِ بَحْرُ مَعَارِفٍ　　　وَ نَجِدَنَّ فِیْہِ عُیُوْنَ مَانَسْتَعْذِبُ

اور بے شک اللہ کی کتاب تو معارف کا سمندر ہے اور ہم اس میں ضرور ایسے چشمے پاتے ہیں جنہیں ہم شیریں پاتے ہیں۔

وَ کَمْ مِّنْ نِّکَاتٍ مِثْلَ غِیْدٍ تَمَتَّعَتْ　　　بِھَا مُھْجَتِیْ مِنْ ھَدْیِ رَبِّیْ فَجَرِّبُوْا

اور بہت سے نکتے نازک اندام دلرباؤں کی طرح ہیں کہ لطف اندوز ہوئی ان سے میری جان اپنے ربّ کی رہنمائی سے۔ پس تم بھی تجربہ کرو۔

اِذَا مَا نَظَرْتُ اِلٰی ضِیَاءِ جَمَالِہٖ　　　فَاِذَا الْجَمَالُ عَلٰی سَنَا الْبَرْقِ یَغْلِبُ

جب میں نے اس کے جمال کی روشنی کو دیکھا تو ناگاہ اس کا حسن بجلی کی روشنی پر بھی غالب آ رہا تھا۔

رَئَیْتُ بِنُوْرٍ نُوْرَہٗ فَتَبَیَّنَتْ　　　عَلَیَّ حَقَائِقُہٗ فَفِیْھَا اُقَلَّبُ

میں نے نور (بصیرت) کے ذریعہ قرآن کا نور دیکھا تو ظاہر ہو گئے مجھ پر اس کے حقائق اور انہی پر میں غور کرتا رہتا ہوں۔

یَصُدُّ عَنِ الطَّغْوٰی وَ یَھْدِیْ اِلَی التُّقٰی　　　خَفِیْرٌ اِلٰی طُرُقِ السَّلَامَۃِ یَجْلِبُ

وہ سرکشی سے روکتا ہے اور تقوٰی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ پناہ دینے والا ہے (اور) سلامتی کی راہوں کی طرف کھینچتا ہے۔

یَجُرُّ اِلَی الْعُلْیَا وَ جَاءَ مِنَ الْعُلٰی　　　کَمَا ھُوَ اَمْرٌ ظَاھِرٌ لَیْسَ یُحْجَبُ

وہ بلندی کی طرف کھینچتا ہے اور بلندی سے آیا ہے جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے پردہ میں نہیں۔

وَ سِرٌّ لَطِیْفٌ فِیْ ھُدَاہُ وَ نُکْتَۃٌ　　　کَنَجْمٍ بَعِیْدٍ نُوْرُھَا تَتَغَیَّبُ

وہ اپنی ہدایت میں ایک لطیف بھید اور ایک نکتہ ہے دور کے ستارے کی طرح جس کا نور چھپا رہتا ہے۔

وَمَنْ یَّاْتِہٖ یُقْبَلُ وَ مَنْ یُھْدَ قَلْبُہٗ　　　اِلٰی مَاْمَنِ الْفُرْقَانِ لَایَتَذَبْذَبُ

اور جو اس کے پاس آتا ہے قبول کیا جاتا ہے اور جس کے دل کی رہنمائی کی جائے وہ فرقان کی امن گاہ کی طرف (آنے میں) مذبذب نہیں ہوتا۔

**یُضِیءُ الْقُلُوْبَ وَ یَدْفَعَنَّ ظَلَامَهَا　　　وَ یَشْفِی الصُّدُوْرَ سَوَادُهُ وَ یُهَذِّبُ**

وہ دلوں کو روشن کرتا اور ان کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے اور اس کی تحریر سینوں کو شفا دیتی ہے اور مہذب کرتی ہے۔

**فَقُلْتُ لَهُ لَمَّا شَرِبْتُ زُلَالَهُ　　　فِدًی لَّکَ رُوْحِیْ اَنْتَ عَیْنِیْ وَ مَشْرَبُ**

پس میں نے قرآن سے کہا جب میں نے اس کا صاف پانی پیا۔ تجھ پر میری جان قربان ہو کہ تُو میرا چشمہ اور گھاٹ ہے۔

# مدحِ صحابہ کرامؓ

اسلامی شعری ادب میں یہ بھی ایک ایسا موضوع ہے جس کو مسلمان شعراء نے اپنے ادب میں مطلقاً اختیار نہیں کیا۔

قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ افتخار حضرت اقدسؑ ہی کو ملا ہے۔ آپ نے عربی زبان میں (جو کہ صحابہ کرامؓ کی زبان تھی) صحابہؓ کی مدح وتوصیف کہی ہے۔ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی مدح بیان کی ہے اور پھر عمومی طور پر تمام صحابہ کی مدحت میں اشعار پیش کئے ہیں۔

ہم اپنے دستور کے مطابق اوّل قرآنِ کریم کی مدحِ صحابہؓ کو پیش کرتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مدحت وثناء کے مضمون میں قرآنِ کریم صرف تین ہستیوں ہی کو یہ اعزاز دیتا ہے کہ ان کی مدح وستائش کی جائے۔

اِن میں اوّل مقام تو ہستی باری تعالیٰ کا ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ اس کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہے جیسے فرمایا:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:45)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو اُس میں بسنے والے ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور دنیا کی ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہوئی اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں یقیناً وہ حلیم اور غفور ہے۔

اور دوسرے مقام پر انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ظاہر کرنے والے اور اس کی منشاء اور تعلیم کو پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

تیسرے مقام پر وہ ہستیاں ہیں جن کو ہم صحابہ کرامؓ کہتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے تعلیم حاصل کر کے تربیت پائی اور اپنے عمل سے باری تعالیٰ کی ہستی اور انبیاء اور ان کی تعلیم کی صداقت کا ثبوت فراہم کیا یہ وہ صداقت ہے جس کو ہم نے حضرت اقدس کے اس فرمان سے حاصل کیا ہے۔

فرمان حضرت اقدسؑ:

> قرآن شریف کے لئے تین تجلیات ہیں۔ وہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔ وَ لِكُلِّ اَمْرٍ وَقْتٌ مَّعْلُوْمٌ۔ اور جیسا کہ آسمان سے نازل ہوا تھا ویسا ہی آسمان تک اس کا نور پہنچا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ہر ایک پہلو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور مسیح موعود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے

ظہور کی تکمیل ہوئی۔

(براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ 66 حاشیہ)

یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔

فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اٰل عمران: 165)

ترجمہ۔ اللہ نے مومنوں میں سے ایک ایسا رسول بھیج کر جو اُنہیں اس کے نشان پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً ان پر احسان کیا ہے اور اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

صحابہؓ نے بھی اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو ایسے احسن طریق سے قبول کیا کہ اللہ نے اُن کا حسن اطاعت دیکھ کر فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (اٰل عمران: 111)

ترجمہ: تم سب سے بہتر جماعت ہو جسے لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں اس بارہ میں شہادت دینا تسلی بخش امر نہیں ہے کیا اس نے صحابہ کرامؓ کے حق میں نہیں فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو امم سابقہ سے جمیع کمالات میں بہتر اور برتر و بزرگ تر ٹھہراتا ہے“۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور صحابہ کرامؓ کی امت کو (کیونکہ قرآن کے اوّل مخاطب وہی تھے) ان اعمالِ صالحہ اور اطاعت رسول کو کمال تک پہنچانے پر فرماتا ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلة: 23)

حضرت اقدسؑ اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''جو جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر تھی اور جس نے آپ کی قوّتِ قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا نتیجہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجوہِ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپؐ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی۔ میرا دعوٰی ہے کہ ایسی جماعت آدمؑ سے لیکر آخر تک کسی کو نہیں ملی''

اور فرماتے ہیں:

''وہ جماعت (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمالِ صالحہ کیے کہ خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے) صرف ترکِ بدی ہی سے نہ بنی تھی انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا تب جا کر ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آئی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (**المجادلة:23**)

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مزید فرماتے ہیں:

صحابہؓ کی جو تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کی نسبت فرماتا ہے **مِنۡھُمۡ مَنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ** اور پھر **رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ** فرمایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مدح میں دو عظیم الشان فرمودات قرآن بھی ہیں اوّل کا تعلق صحابہؓ کے اخلاق اور عباداتِ الٰہی کے آثار سے ہے۔

جیسے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ تَرٰىھُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ (**الفتح:30**)

حضرت اقدسؑ اس فرمان قرآن کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں یعنی

کفاران کے سامنے لاجواب اور عاجز ہیں اوران کی حقانیت کی ہیبت کافروں کے دلوں پر مستولی ہےاوروہ لوگ آپس میں رحم کرتے ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اس آیت کے دوسرے حصے کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جولوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک فی الحقیقت مومن ہیں اور جن کوخدائے تعالیٰ نے خاص اپنے لئے چن لیا ہےاوراپنے ہاتھ سے صاف کیا ہےاوراپنے برگزیدہ گروہ میں جگہ دے دی ہےاورجن کے حق میں فرمایا ہے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ان میں آثار سجود اور عبودیت کے ضرور پائے جانے چاہئیں کیونکہ خدائے تعالےٰ کے وعدوں میں خطااور تخلف نہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

دوسرے فرمان کاتعلق صحابہ کی جاں نثاری اور کامل فدائیت کے بیان میں ہے۔

فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب:24)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں صحابہ کی تعریف وتوصیف میں یہ آیت اوّل مقام پر ہے۔

فرماتے ہیں:

خداتعالیٰ نے صحابہؓ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ پارہ 21 رکوع 19۔ مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے اس وعدہ کوسچا کردکھایا جوانہوں نے خداتعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔سواُن میں سے بعض اپنی جانیں دے چکے ہیں اور بعض جانیں دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔صحابہؓ کی تعریف میں قرآن شریف سے آیات اکٹھی کی جائیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اُسوۂ حسنہ نہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

صحابہ کی یہ وفا اوران کے ایمان کا صدق ااوراطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس نے ان میں ایسی صفات

پیدا کردیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا۔ حضرت اقدس صحابہؓ کے اس منصب کو صرف اطاعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ سورۃ ال عمران کی آیت

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران: 32)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

صحابہ نے چلّہ کشیاں نہیں کی تھیں ارّہ اور نفی ءِ اثبات کے ذکر نہیں کئے تھے بلکہ اِن کے پاس ایک اور بھی چیز تھی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نور آپ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ کے قلب پر گرتا تھا اور ماسوا اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس نور کو حاصل کرنے پر ہی صحابہ کرامؓ کا یہ منصب ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ**

ترجمہ۔ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ اِن میں سے جس کا بھی اتّباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

یہی وہ نور تھا جو اصحاب نبی سے مخصوص ہوا اور دین اسلام کی خدمت کرنے والوں کے لئے ضروری ہوا کہ ان کے نمونے اور اسوہ کو اختیار کریں تا اللہ کے نزدیک عزت کا مقام حاصل ہو۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں:

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا بہار و رونق اندر روضۂ ملّت شود پیدا

اے جوانو! کوشش کرو کہ دین میں قوت پیدا ہو اور ملتِ اسلام کے باغ میں بہار اور رونق آئے

**اگر یاراں کنوں بر غربتِ اسلام رحم آرید باصحابِ نبیؐ نزدِ خدا نسبت شود پیدا**

اے دوستو! اگر اب تم اسلام کی غربت پر رحم کرو تو خدا کے ہاں تمہیں آنحضرت کے صحابہ سے مناسبت پیدا ہو جائے

نفاق و اختلافِ ناشناساں از میاں خیزد کمالِ اتفاق و خُلّت و اُلفت شود پیدا

نااہل لوگوں کا آپس میں اختلاف اور نفاق دور ہو جائے اور کمال درجہ کا اتفاق دوستی اور محبت پیدا ہو جائے

بہ جنبید از پئے کوشش کہ از درگاہِ ربّانی زِ بہرِ ناصرانِ دینِ حق نصرت شود پیدا

کوشش کے لیے حرکت میں آؤ کہ خدا کی درگاہ سے مددگارانِ اسلام کے لیے ضرور نصرت ظاہر ہوگی

اگر امروز فکرِ عزت دیں درشما جوشد　　　　شما را نیز و اللہ رتبت و عزّت شود پیدا

اگر آج دین کی عزت کا خیال تمہارے دل میں جوش مارے تو خدا کی قسم خود تمہارے لیے بھی عزت و مرتبت پیدا ہو جائے

اور اسی اطاعت رسول اکرمؐ کے تحت آنخضرتؐ کے نائب اور مہدیٔ دوراں بھی یہی فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول کا مقام حاصل کرنے کے لیئے اس زمانے میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ کی اطاعت بھی لازمی ہے۔

فرماتے ہیں:

وہ آیا منتظر جس کے تھے دِن رات
معمّہ کھُل گیا روشن ہوئی بات
دِکھائیں آسماں نے ساری آیات
زمیں نے وقت کی دے دِیں شہادات
پھر اس کے بعد کون آئیگا ہیہات
خُدا سے کچھ ڈرو چھوڑو معادات
خُدا نے اِک جہاں کو یہ سُنا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

مسیحِ وقت اب دُنیا میں آیا
خُدا نے عہد کا دِن ہے دِکھایا
مُبارک وہ جو اَب ایمان لایا
صحابہؓ سے مِلا جب مُجھ کو پایا
وُہی مَے اُن کو ساقی نے پلا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

عربی زبان میں مدحِ صحابہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّحَابَۃَ کُلَّھُمْ کَذُکَاءِ　　　　قَدْ نَوَّرُوْا وَجْہَ الْوَرٰی بِضِیَاءِ

یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا

تَـرَکُوْا اَقَـارِبَھُمْ وَحُبَّ عِیَالِھِمْ　　جَـاءُوْا رَسُوْلَ اللّٰـہِ کَـالْفُقَرَاءِ

انہوں نے اپنے اقارب کواورعیال کی محبت کوبھی چھوڑ دیااوررسول اللہ کے حضور میں فقراء کی طرح حاضر ہوگئے

ذُبِحُوْا وَ مَا خَافُوا الْوَرٰی مِنْ صِدْقِھِمْ　　بَـلْ اٰثَـرُوا الـرَّحْـمَـانَ عِنْدَ بَلَاءِ

وہ ذبح کئے گئے اوراپنے صدق کی وجہ سے مخلوق سے نہ ڈرے بلکہ مصیبت کے وقت انھوں نے خدائے رحمان کواختیار کیا

تَـحْتَ السُّیُوْفِ تَشَھَّدُوْا لِخُلُوْصِھِمْ　　شَھِـدُوْا بِصِدْقِ الْقَلْبِ فِی الْاَمْلَاءِ

اپنے خلوص کی وجہ سے وہ تلواروں کے نیچے شہید ہوگئے اور مجالس میں انہوں نے صدقِ قلب سے گواہی دی

حَضَرُوا الْمَوَاطِنَ کُلَّھَا مِنْ صِدْقِھِمْ　　حَـفَـدُوْا لَھَـا فِـیْ حَرَّۃٍ رَجْلَاءِ

اپنے صدق کی وجہ سے وہ تمام میدانوں میں حاضر ہوگئے ۔وہ ان میدانوں کی سنگلاخ سخت زمین میں جمع ہوگئے

اَلـصَّـالِـحُوْنَ الْـخَاشِعُوْنَ لِرَبِّھِمْ　　اَلْبَــائِتُـوْنَ بِـذِکْـرِہٖ وَ بُـکَـاءِ

وہ صالح تھے،اپنے ربّ کے حضور عاجزی کرنے والے تھے وہ اس کے ذکر میں روروکرراتیں گذانے والے تھے

قَـوْمٌ کِـرَامٌ لَا نُـفَـرِّقُ بَیْـنَھُمْ　　کَـانُوْا لِـخَیْـرِالـرُّسُلِ کَالْاَعْضَاءِ

وہ بزرگ لوگ ہیں۔ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے ۔وہ خیرالرسل کے لیے بمنزلہ اعضاء کے تھے

مَـاکَـانَ طَـعْـنُ الـنَّاسِ فِیْھِمْ صَادِقًا　　بَـلْ حَشْـنَۃٌ نَشَـاَتْ مِـنَ الْاَھْـوَاءِ

لوگوں کے طعن ان کے بارے میں سچے نہ تھے بلکہ وہ ایک کینہ ہے جو ہوا وہوس سے پیدا ہوا ہے

اِنِّیْ اَرٰی صَحْبَ الرَّسُوْلِ جَمِیْعَھُمْ　　عِـنْـدَ الْـمَلِیْکِ بِعِـزَّۃٍ قَعْسَـاءِ

میں رسول کے تمام کے تمام صحابہ کو خدا کے حضور میں دائمی عزّت کے مقام پر پاتا ہوں

تَبِعُـوا الـرَّسُـوْلَ بِـرَحْـلِہٖ وَ ثَوَاءِ　　صَـارُوْا بِسُبُـلِ حَبِیْبِھِمْ کَـعَفَاءِ

انہوں نے رسول کی پیروی کی سفراور حضر میں اور وہ اپنے حبیب کی راہوں میں خاکِ راہ ہوگئے

نَھَـضُـوْا لِـنَـصْـرِ نَبِیِّـنَـا بِـوَفَـاءِ　　عِـنْـدَالـضَّلَالِ وَ فِتْـنَۃٍ صَمَّـاءِ

وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے وفاداروں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے گمراہی اور سخت فتنہ کے وقت میں

وَ تَـخَیَّــرُوْا لِـلّٰــہِ کُـلَّ مُـصِیْبَۃٍ　　وَ تَھَـلَّـلُـوْا بِـالْقَتْـلِ وَ الْاِجْلَاءِ

اور انہوں نے اللہ کی خاطر ہر مصیبت کو اختیار کر لیا اور قتل اور جلاوطنی کو بھی بخوشی قبول کر لیا

اَنْـوَارُھُـمْ فَـاقَـتْ بَیَـانَ مُبَیِّـنٍ　　یَسْـوَدُّ مِـنْـھَـا وَجْـہُ ذِی الشَّحْنَـاءِ

ان کے انوار بیان کرنے والے کے بیان سے بھی بالا ہوگئے۔کینہ وَر کا چہرہ ان انوار کے مقابلہ میں سیاہ ہو رہا ہے

اور صحابہ کرامؓ کے مخالفین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

رُوَیْدَکَ لَاتَھْجُ الصَّحَابَةَ وَ احْذَرِ وَلَاتَقْفُ کُلَّ مُزَوِّرٍ وَ تَبَصَّرِ
سنبھل جا۔ صحابہ کی ہجو نہ کر اور ڈر اور ہر فریبی کے پیچھے نہ چل اور بصیرت سے کام لے

وَلَا تَتَخَیَّرْ سُبُلَ غَیٍّ وَّ شِقْوَةٍ وَلَا تَلْعَنَنْ قَوْمًا اَنَارُوْا کَنَیِّرِ
گمراہی اور بدبختی کے راستوں کو اختیار نہ کر اور ایسے لوگوں پر لعنت نہ کر جو آفتاب کی طرح روشن ہوئے

اُولٰٓئِکَ اَھْلُ اللّٰهِ فَاخْشَ فِنَاءَ ھُمْ وَلَا تَقْدَحَنْ فِیْ عِرْضِهِمْ بِتَهَوُّرِ
یہ لوگ اہل اللہ ہیں۔ سوان کے صحن میں داخل ہونے سے ڈر اور دیدہ دلیری سے ان کی عزت و آبرو پر طعنہ زنی نہ کر

اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ حُفَّاظُ دِیْنِهٖ وَ اِیْذَاءُ ھُمْ اِیْذَاءُ مَوْلًی مُؤْثِرِ
یہ سب اللہ کا گروہ ہیں اور اس کے دین کے محافظ ہیں اور ان کو ایذا دینا انہیں پسند کرنے والے مولیٰ کو ایذا دینا ہے

تَصَدَّوْا لِدِیْنِ اللّٰهِ صِدْقًا وَّ طَاعَةً لِکُلِّ عَذَابٍ مُحْرِقٍ اَوْ مُدَمِّرِ
وہ تیار ہو گئے دین الٰہی کی خاطر صدق اور اطاعت سے، ہر جلانے والے یا مہلک عذاب کے اٹھانے کے لئے

وَ طَھَّرَ وَادِی الْعِشْقِ بَحْرَ قُلُوْبِهِمْ فَمَا الزَّبْدُ وَ الْغُثَاءُ بَعْدَ التَّطَھُّرِ
عشق کی وادی نے ان کے دلوں کے سمندر کو پاک کر دیا پس جھاگ اور میل کچیل پاک ہو جانے کے بعد باقی نہیں رہی

وَ جَآءُ وْا نَبِیَّ اللّٰهِ صِدْقًا فَنُوِّرُوْا وَ لَمْ یَبْقَ اَثْرٌ مِّنْ ظَلَامٍ مُّکَدِّرِ
اور وہ اللہ کے نبی کے پاس صدقِ دل سے آئے تو روشن کر دیئے گئے اور کدورت پیدا کرنے والی تاریکی کا کوئی اثر باقی نہ رہا

بِاَجْنِحَةِ الْاَشْوَاقِ طَارُوْا اِطَاعَةً وَ صَارُوْا جَوَارِحَ لِلنَّبِیِّ الْمُوَقَّرِ
وہ فرمانبرداری کرتے ہوئے شوق کے پروں کے ساتھ اڑے اور نبیٔ محترم کے لئے وہ دست و بازو بن گئے

حضرت ابوبکرؓ کی شان میں عظیم الشان منقبت بیان کرتے ہیں:

وَ اِنِّیْ اَرَی الصِّدِّیْقَ کَالشَّمْسِ فِی الضُّحٰی مَــآثِـرُہٗ مَـقْـبُـوْلَۃٌ عِـنْـدَ ھُـوْجَـرِ

میں (ابوبکر) صدیق کو چاشت کے سورج کی طرح پاتا ہوں آپ کے مناقب و اخلاق ایک روشن ضمیر انسان کی نگاہ میں مقبول ہیں

وَ کَـانَ لِذَاتِ الْمُصْطَفٰی مِثْلَ ظِلِّہٖ وَمَھْمَا اَشَارَ الْمُصْطَفٰی قَامَ کَالْجَرِیْ

وہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے سائے کی مثل تھا اور جب بھی مصطفٰی صلی اللہ علیہ و سلم نے اشارہ کیا تو وہ بہادر کی طرح اٹھ کھڑا ہوا

وَ اَعْـطٰـی لِـنَـصْـرِ الدِّیْنِ اَمْوَالَ بَیْتِہٖ جَـمِیْعًا سِوَی الشَّیْءِ الْحَقِیْرِ الْمُحَقَّرِ

اوراس نے دین کی نصرت کے لئے اپنے گھر کے سب اموال دے دیئے سوائے ناچیز اور معمولی اشیاء کے

وَ لَـمَّـــا دَعَـــاہُ نَبِیُّـنَـــا لِـرِفَـاقَۃٍ عَلَی الْمَوْتِ اَقْبَلَ شَائِقًا غَیْرَ مُدْبِرِ

اور جب ہمارے نبی نے اسے رفاقت کے لئے بلایا تو وہ موت پر شوق کے ساتھ آگے بڑھا اس حال میں کہ وہ پیٹھ پھیرنے والا نہ تھا

وَ لَیْـسَ مَـحَلَّ الطَّعْنِ حُسْنُ صِفَاتِہٖ وَ اِنْ کُـنْـتَ قَدْ اَزْمَعْتَ جَوْرًا فَعَیِّرِ

اور اس کی اچھی صفات طعن کا محل نہیں۔ اگر تو نے ظلم سے ارادہ کیا ہے تو عیب لگاتا رہ

اَبَـادَ ھَـوَی الـدُّنْـیَـا لِاِحْـیَـاءِ دِیْنِـہٖ وَ جَـاءَ رَسُـوْلَ الـلّٰـہِ مِنْ کُلِّ مَعْبَرِ

اس نے دنیا کی خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے احیاء کی خاطر مٹا دیا اور رسول اللہ کے پاس ہر گذرگاہ سے آیا

عَلَیْکَ بِصُحُفِ اللّٰہِ یَا طَالِبَ الْھُدٰی لِتَـنْـظُـرَ اَوْصَـافَ الْعَتِیْقِ الْمُطَھَّرِ

اے طالب ہدایت! اللہ کے صحیفوں کو لازم پکڑ تا تُو اس پاک شریف النفس کے اوصاف دیکھے

وَ مَا اِنْ اَرٰی وَاللّٰہِ فِی الصَّحْبِ کُلِّھِمْ کَـمِثْـلِ اَبِـیْ بَـکْـرٍ بِـقَـلْـبٍ مُّعَطَّرِ

اور خدا کی قسم! میں تمام کے تمام صحابہ میں کوئی شخص ابوبکر کی طرح معطر دل والا نہیں پاتا

تَـخَـیَّـرَہُ الْاَصْـحَـابُ طَوْعًا لِّفَضْلِہٖ وَلِـلْـبَـحْـرِ سُـلْطَانٌ عَلٰی کُلِّ جَعْفَرٍ

صحابہ نے بخوشی اس کی بزرگی کی وجہ سے اس کا انتخاب کیا۔ اور سمندر کو غلبہ حاصل ہے ہر دریا پر

وَ یُثْـنِـیْ عَلَی الصِّدِّیْقِ رَبٌّ مُّھَیْمِنٌ فَمَا اَنْتَ یَا مِسْکِیْنُ اِنْ کُنْتَ تَزْدَرِیْ

اور ربّ مھیمن صدیق کی مدح کر رہا ہے۔ پس اے مسکین! تو کیا چیز ہے؟ اگر تو عیب لگاتا ہے

لَـهُ بَـاقِيَـاتٌ صَـالِحَـاتٌ كَشَـارِقٍ لَـهُ عَيْـنُ ايَـاتٍ لِهٰذَا التَّطَهُّرِ

سورج کی طرح اس کے باقیات صالحات موجود ہیں اس پاکیزگی کی وجہ سے اس کے لئے نشانات کا ایک چشمہ موجود ہے

تَصَدّٰى لِنَصْرِ الدِّيْنِ فِيْ وَقْتِ عُسْرَةٍ تَبَدّٰى بِغَـارٍ بِـالـرَّسُوْلِ الْمُؤَزَّرِ

دین کی تنگی کے وقت اس نے اس کی مدد کی ذمہ داری لی۔اس نے تائید یافتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں جانے میں پہل کی

مَـكِيْـنٌ اَمِيْـنٌ زَاهِـدٌ عِـنْـدَ رَبِّـهِ مُـخَلِّصُ دِيْنِ الْحَقِّ مِنْ كُلِّ مُهْجِرِ

وہ اپنے ربّ کے حضور میں صاحب مرتبہ، امانتدار اور تارکِ دنیا ہے۔دینِ حق کو خلاصی دینے والا ہے ہر ایک بیہودہ گو سے

وَمِـنْ فِتَنٍ يُّخْشٰى عَلَى الدِّيْنِ شَرُّهَا وَمِـنْ مِّحَنٍ كَانَتْ كَصَخْرٍ مُّكَسِّرِ

اور خلاصی دینے والا ہے دین کو ایسے فتنوں سے جن کے شر سے دین کو خوف تھا اور ایسے دکھوں سے جو توڑنے والے پتھر کی طرح تھے

وَ لَـوْ كَانَ هٰذَا الرَّجُلُ رَجُلًا مُّنَافِقًا فَـمَـنْ لِـلـنَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى مِنْ مُّعَزِّرِ

اگر یہ آدمی کوئی منافق آدمی تھا تو پھر نبی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار کون تھا؟

حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں فرماتے ہیں:

وَ شَـابَهَـهُ الْـفَـارُوْقُ فِيْ كُلِّ خُطَّةٍ وَ سَاسَ الْبَرَايَا كَالْمَلِيْكِ الْمُدَبِّرِ

اور (عمر) فاروق ہر فضیلت میں ان کے مشابہ ہوا اور اس نے ایک مدبر بادشاہ کی طرح رعایا کا انتظام کیا

سَعٰى سَعْيَ اِخْلَاصٍ فَظَهَرَتْ عِزَّةٌ وَشَـأْنٌ عَـظِيْـمٌ لِـلْـخِلَافَةِ فَـانْظُـرِ

اس نے اخلاص سے کوشش کی تو ظاہر ہوگئی خلافت کے لئے عزّت اور شانِ عظیم۔سو دیکھ تو سہی

وَ صَبَّغَ وَجْهَ الْاَرْضِ مِنْ قَتْلِ كَفْرَةٍ فَيَـا عَـجَبًـا مِـنْ عَـزْمِـهِ الْمُتَشَمِّرِ

اور اس نے زمین کی سطح کو کفار کو قتل کر کے رنگ دیا پس اس کا عزم مصمّم کیا ہی عجیب تھا

وَ صَـارَ ذُكَـاءً كَـوْكَبٌ فِيْ وَقْتِـهِ فَـوَاهًـا لَّـهُ وَ لِـوَقْتِـهِ الْـمُتَـطَهِّـرِ

اور اس کے عہد میں ستارہ سورج بن گیا تھا۔پس آفرین ہے اس پر بھی اس کے پاک وقت پر بھی

وَ بَارَى مُلُوْكَ الْكُفْرِ فِيْ كُلِّ مَعْرِكٍ وَ اَهْـلَـكَ كُـلَّ مُبَـارِزٍ مُّتَـكَبِّـرِ

اور اس نے کافر بادشاہوں سے ہر معرکے میں مقابلہ کیا اور ہر متکبر جنگجو کو ہلاک کردیا

اَرَی اٰیَۃً عُظْمٰی بِاَیْدٍ قَوِیَّۃٍ      فَوَاھًا لِّھٰذَا الْعَبْقَرِیِّ الْمُظَفَّرِ

اس نے قوی ہاتھوں سے بڑا نشان دکھایا۔ پس آفرین ہے اس فتح مند جوانمرد پر

اِمَامُ اُنَاسٍ فِیْ بِجَادٍ مُّرَقَّعٍ      مَلِیْکُ دِیَارٍ فِیْ کِسَاءٍ مُّغَبَّرِ

وہ پیوند شدہ کمبل میں لوگوں کا امام تھا اور غبار آلود چادر میں ملکوں کا بادشاہ تھا

وَ اُعْطِیَ اَنْوَارًا فَصَارَ مُّحَدَّثًا      وَ کَلَّمَہُ الرَّحْمٰنُ کَالمتَخَیَّرِ

اور اسے انوار الٰہی دیئے گئے سو وہ خدا کا محدّث بن گیا اور خدائے رحمان نے اس سے برگزیدوں کی طرح کلام کیا

مَاٰثِرُہٗ مَمْلُوَّۃٌ فِیْ دَفَاتِرٍ      فَضَائِلُہٗ اَجلٰی کَبَدْرٍ اَنْوَرٍ

اس کی خوبیوں سے دفاتر بھرے پڑے ہیں اور اس کے فضائل بدر انور کی طرح زیادہ روشن ہیں

فَوَاھًا لَّہٗ وَ لِسَعْیِہٖ وَ لِجُھْدِہٖ      وَ کَانَ لِدِیْنِ مُحَمَّدٍ خَیْرَ مِغْفَرِ

پس آفرین ہے اس کے لئے اور اس کی کوشش اور جدوجہد کے لئے وہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہترین خود تھا

وَ فِیْ وَقْتِہٖ اِفْرَاسُ خَیْلِ مُحَمَّدٍ      اَثَرْنَ غُبَارًا فِی بِلَادِ التَّنَصُّرِ

اور اس کے عہد میں محمد صلعم کے شاہسواروں کے گھوڑوں نے عیسائیوں کے ملک میں غبار اڑائی

وَ کَسَرَ کِسْرٰی عَسْکَرُ الدِّیْنِ شَوْکَۃً      فَلَم یَبْقَ مِنْھُمْ غَیْرُ صُوَرِ التَّصَوُّرِ

اور دین کے لشکر نے کسریٰ کو شوکت کے لحاظ سے توڑ ڈالا پس ان (اکاسرہ) میں سے خیالی صورتوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا

اور آخر پر خدا تعالیٰ کی جناب میں مناجات کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے طفیل ہم پر رحم فرما۔

یَارَبِّ فَارْحَمْنَابِصَحْبِ نَبِیِّنَا      وَ اغْفِرْ وَ اَنْتَ اللّٰہُ ذُوْ اٰلاءِ

اے میرے ربّ! ہم پر بھی نبی کے صحابہ کے طفیل رحم کر اور ہماری مغفرت فرما اور تو ہی نعمتوں والا اللہ ہے

وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ لَوْ قَدَرْتُ وَ لَمْ اَمُتْ      لَاَشَعْتُ مَدْحَ الصَّحْبِ فِی الْاَعْدَاءِ

اللہ جانتا ہے اگر میں قدرت رکھتا تو میں مرتے دم تک صحابہ کی تعریف ان کے تمام دشمنوں میں خوب پھیلا کر چھوڑتا

اِنْ کُنْتَ تَلْعَنُھُمْ وَ تَضْحَکُ خِسَّۃً      فَارْقُبْ لِنَفْسِکَ کُلَّ اِسْتِھْزَاءِ

اگر تو ان کو لعنت کرتا رہا اور کمینگی سے ہنستا رہا تو اپنے لئے ہر استہزاء کا انتظار کر

مَنْ سَبَّ اَصْحَابَ النَّبِیِّ فَقَدْ رَدٰی      حَقٌّ فَمَا فِی الْحَقِّ مِنْ اِخْفَاءِ

جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالی دی تو بے شک وہ ہلاک ہوگیا۔ یہ ایک سچائی ہے سو اس سچائی میں کوئی اخفاء نہیں

☆

# محبت الٰہی

اگر قرآن کریم کی تعلیم کا مقصدِ اوّل وآخر اس حقیقت کو کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اس غرض کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اُس سے ایسی محبت کرے جو عبادت کی حد تک پہنچی ہوئی ہو تو فرموداتِ قرآن کے مطابق یہ برحق بیان ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس منشاء کے حصول کے لیئے انسان کی پیدائش کے اوّل مرحلے پر ہی انسان کے دل میں اپنی محبت کا چراغ روشن کردیا ہے۔

جیسے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف: 173)

نجات کا تمام مدار خدا تعالیٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہے پھر جس حالت میں ارواح پرمیشر کی مخلوق ہی نہیں ہیں تو پھر ان کی فطری محبت پرمیشر سے کیونکر ہوسکتی ہے اور کب اور کس وقت پرمیشر نے ان کی فطرت کے اندر ہاتھ ڈال کر یہ محبت اس میں رکھ دی یہ تو غیر ممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فطرتی محبت اس محبت کا نام ہے جو فطرت کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہو اور پیچھے سے لاحق نہ ہو جیسا کہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: 173) یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ **اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً محبت ہے اس لیے کہ وہ اس کی پیدائش ہے۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

قرآن کریم کے اس فرمان کو ہمارے پیارے مسیحؑ نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

اوراس نمک پاشی کے بعد جو عاشقانِ الٰہی کا حال ہے اس کو بھی سُن لیں۔

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خُوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

فارسی میں فرماتے ہیں:

جاں فدائے آنکہ او جاں آفرید　　　دِل نثارِ آنکہ زو شد دل پدید

جان اس پر قربانی ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا ہے دل اس پر نثار ہے جس نے اس دل کو بنایا۔

جاں از و پیداست زیں مے جویدش　　　رَبُّنَا اللّٰہ رَبُّنَا اللّٰہ گویدش

جان چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لیے اسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے کہ تو ہی میرا ربّ ہے تو ہی میرا ربّ ہے

گر وجود جاں نبودے ، زو عیاں　　　کے شدے مہر جمالش نقشِ جاں

اگر جان کا وجود اس کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ تو اس کے حسن کی محبت جان پر کس طرح نقش ہوتی

جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں　　　زیں دَوَد دل سوئے او چوں عاشقاں

جسم اور جان کو اسی یکتا نے پیدا کیا ہے اسی لیے عاشقوں کی طرح دل اس کی طرف دوڑتا ہے

ایک اور مقام پر درج ذیل فرمانِ خداوندی کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا　(الروم:31)

اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لئے پیدا کیا ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ اپنے تمام قوٰی کے ساتھ اس کی پرستش، اطاعت اور محبت میں لگ جائے اسی وجہ سے اس قادر کریم خدا نے انسان کو تمام قوٰی اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں ...... **انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود ان سے خدا تعالیٰ کی معرفت اور پرستش اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے**

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ محبت ذاتیہ باری تعالیٰ ہے جسکو آپ حضور کمال قلبی اور ادبی حسن و جمال کے ساتھ ''پیوند جاں'' کہتے ہیں۔ اردو زبان کے اسلوب میں محبتِ الٰہی کے مضمون میں ایسا بیان کہاں ملے گا۔ ایسے ادبی شاہکار تو قلب و جان کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں اور نکلے ہیں۔

فرماتے ہیں:

**مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے**

**وہی جنت وہی دارالاماں ہے**

بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے
محبت کا تو اک دریا رواں ہے
یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ہم نے ''محبت ذاتیہ'' کا لفظ حضرت اقدسؑ ہی سے اخذ کیا ہے۔ آپ حضرت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات: 57) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

میں نے پرستش کے لئے ہی جن وانس کو پیدا کیا ہے۔ ہاں یہ پرستش اور حضرت عزّت کے سامنے دائمی حضور کے ساتھ کھڑا ہونا بجز محبت ذاتیہ کے ممکن نہیں اور محبت سے مراد یکطرفہ محبت نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی دونوں محبتیں مراد ہیں تا بجلی کی آگ کی طرح جو مرنے والے انسان پر گرتی ہے اور جو اس وقت اس انسان کے اندر سے نکلتی ہے بشریت کی کمزوریوں کو جلا دیں اور دونوں مل کر تمام روحانی وجود پر قبضہ کر لیں۔

(دیکھو تفسیر زیر آیت)

محبت ذاتیہ اور عشقِ حقیقی کا ایک بیان اور سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

کسی نے یہ پُوچھی تھی عاشق سے بات
وہ نسخہ بتا جس سے جاگے تو رات
کہا نیند کی ہے دوا سوز و دَرد
کہاں نیند جب غم کرے چہرہ زرد
وہ آنکھیں نہیں جو کہ گِریاں نہیں
وُہ خود دِل نہیں جو کہ بِریاں نہیں
تُو اِنکار سے وقت کھوتا ہے کیا
تجھے کیا خبر عِشق ہوتا ہے کیا؟
مُجھے پُوچھو اور میرے دِل سے یہ راز
مگر کون پُوچھے بجز عِشق باز

جو برباد ہونا کرے اختیار
خُدا کے لیے، ہے وہی بختیار
جو اُس کے لیے کھوتے ہیں پاتے ہیں
جو مرتے ہیں وُہ زندہ ہو جاتے ہیں

آپ حضرت محبت کے لفظ کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اوراس سوال کی تیسری جز یہ ہے کہ قرآن شریف میں یہ کہاں لکھا ہے کہ انسان انسان کے ساتھ محبت کرے۔اس کا جواب یہ ہے کہ **قرآن نے اس جگہ بجائے محبت کے رحم اور ہمدردی کا لفظ لیا ہے کیونکہ محبت کا انتہا عبادت ہے اس لئے محبت کا لفظ حقیقی طور پر خدا سے خاص ہے۔** اور نوع انسان کے لئے بجائے محبت کے خدا کے کلام میں رحم اور احسان کا لفظ آیا ہے کیونکہ کمال محبت پرستش کو چاہتا ہے اور کمال رحم ہمدردی کو چاہتا ہے۔اس فرق کو غیر قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور خدا کا حق غیروں کو دیا۔ میں یقین نہیں رکھتا کہ یسوع کے منہ سے ایسا مشرکانہ لفظ نکلا ہو۔ بلکہ میرا گمان ہے کہ پیچھے سے یہ مکروہ الفاظ انجیلوں میں ملا دیئے گئے ہیں۔محبت کا لفظ جہاں کہیں باہم انسانوں کی نسبت آیا بھی ہو اس سے درحقیقت حقیقی محبت مراد نہیں بلکہ اسلامی تعلیم کی رو سے حقیقی محبت صرف خدا سے خاص ہے۔اور دوسری محبتیں غیر حقیقی اور مجازی طور پر ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اس محبت کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے جو راہنمائی فرمائی ہے۔اُس کے لئے اوّل یہ فرمانِ قرآن ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اٰل عمران:32)

ترجمہ از حضرت اقدسؑ: ان کو کہہ دو کہ تم اگر چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ اور تمہارے گناہ بخش دیئے جاویں تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔

اور فرماتے ہیں:

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کر لے اس کو وہ نورِ ایمان۔محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔اور گناہوں سے رستگاری اور نجات کو موجب ہوتا ہے۔اسی

دنیا میں وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے۔ اور نفسانی جوش و جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِی یعنی میں وہ مُردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے مراتب معلوم تھے اور ہر یک کی نورانیت باطنی کا اندازہ اس قلب منور پر مکشوف تھا۔ ہاں جولوگ بیگانہ ہیں۔ وہ یگانہ حضرت احدیت کو شناخت نہیں کرسکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَ ھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (الاعراف: 199) یعنی وہ تیری طرف (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ پر تو اُنہیں نظر نہیں آتا۔

(دیکھو تفسیر اقدس زیرآیت)

آپ حضرت نے اس نثری فرمان کی تصدیق میں کتنا خوبصورت کلام پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

مصطفیٰؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اور مزید فرماتے ہیں۔

روحانیت کے نشوونما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتبّاعِ رسول ہے...... قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو۔ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے مصداق بنو اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ پر عمل کرو ایسی فناء اتم تم پر آجاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کرلو۔

(دیکھو تفسیر اقدس زیرآیت)

یہی وہ فرمودات حضرت اقدس ہیں۔ جن کی پُرنور راہ نمائی میں ہم نے ابتدا ہی میں عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم کا مقصد اعلیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی جائے جو عبادت کا مقام رکھتی ہو اور جبکہ قرآن کریم کا یہ مقصد ہے تو پھر تمام صحفِ مقدسہ اسی مقصد کو لیکر نازل ہوئے ہیں کیونکہ قرآن کریم ان تمام صحف کا متمّم ہے

اور اِسی طور سے تمام انبیاء اور مرسلین کی تعلیم وتربیت محبتِ الٰہی کے حصول کے محور کے گرد ہی طواف کرتی ہے۔
محبتِ الٰہی کا یہی مقام ہے جس کو حاصل کرنے کی تلقین آپ حضرت کسقدر خوبصورتی اور صدق سے بیان کررہے ہیں۔
فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر تو اللہ تعالیٰ نے محبتِ الٰہی کا جذبہ قلب میں ہونے کو آپ کی رسالت پر ایمان لانے کے لئے ایک شرط کے طور پر قائم کردیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتّباع کرو کیونکہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:32)

کے فرمان میں یہ بات مضمر ہے کہ اگر ایسا نہیں تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف:199)

حضرت اقدس اس فرمان کی کس قدر خوبصورت تفسیر فرماتے ہیں۔

اس کا مرنا اور جینا اپنے لیے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیے ہو جائے تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لیے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا وہ اسی لیے مکّار اور خودغرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرمایا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ محبتِ الٰہی کا حصول ہی وہ مقصدِ اعلیٰ ہے جس کے لیئے انسان پیدا کیا گیا۔ اور جس کو قلب میں زندہ کرنے کے لیئے قرآن کریم اور دیگر صحفِ سماوی نے انسان کی راہ نمائی کی ہے اور اسی طور پر انبیاء نے بھی اپنے پیغامِ الٰہی کے ماننے والوں کی ایسی ہی تعلیم و تربیت کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتا ہے۔''

(بخاری کتاب الذکر)

اور یادِ الٰہی کی تلقین میں فرماتے ہیں:

''تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں''

(حصن حصین)

محبتِ الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کس قدر جامع اور آپ کی زندگی کے تمام لمحات کو اپنے دائرہ میں لیے ہوئے ہے۔

اللہ کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

**رَبِّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّھَا حَقٌّ فَادْرُسُوْھَا وَ تَعَلَّمُوْھَا.**

(سنن ترمذی)

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا طلبگار ہوں اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو میرے دل میں تیری محبت زندہ کردے اور آپ نے فرمایا یہی حق ہے اور اُسی کی تعلیم و تدریس کیا کرو۔

اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا بھی ہے جو ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھی۔

**عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِی وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.**

(سنن ترمذی)

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤدؑ کی دعاؤں میں سے ایک یہ دعا تھی کہ اے میرے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا طلب گار ہوں اور اُسکی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جس کی وجہ سے میں تجھ سے محبت کرنے لگوں۔ اے اللہ اپنی محبت میرے

لیے اپنی جان سے اور اپنے عزیز و اقرباء سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو مشاہدہ کریں کہ باوجود محبوب الٰہی ہونے اور دوسروں کو محبوب الٰہی بنانے کے محبتِ الٰہی کی پیاس نہیں بجھتی۔ انبیاء کی یہی شان ہے۔

جیسے فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (الانعام: 163، 164)

کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری اس اللہ کے واسطے ہیں جو ربّ ہے عالموں کا۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیرِ آیت)

اسی محبت میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اور اسی کو زندہ کرنے کے لیئے ان کو مبعوث کیا جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور وارثِ کامل کی دعا کو بھی مشاہدہ کریں کہ لفظاً اور معناً اُس محبت کو پانے کی دعا کر رہے ہیں جو کہ آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یہ اتّباعِ رسول اکرمؐ کا کامل نمونہ ہے۔

فرماتے ہیں:

اے خداوندِ من گناہم بخش سوئے درگاہِ خویش راہم بخش
اے میرے خداوند! میرے گناہ بخش دے اور اپنی درگاہ کی طرف مجھے رستہ دکھا
روشنی بخش در دل و جانم پاک کُن از گناہِ پنہانم
میرے جان اور میرے دل میں روشنی دے اور مجھے میرے مخفی گناہوں سے پاک کر
دل ستانی و دلربائی کن بہ نگاہے گرہ کشائی کُن
دل ستانی کر اور دل رُبائی دکھا اپنی ایک نظرِ کرم سے میری مشکل کشائی کر
**در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی**
دونوں عالم میں تو ہی میرا پیارا ہے اور جو چیز میں تجھ سے چاہتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

بے انتہاء خوبصورت اور عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہوا کلام ہے اس قدر مؤثر کہ ہر عاشقِ الٰہی کی حرزِ جان ہے اور ادبی اعتبار سے اپنے موضوع میں فارسی کا شاہکار ہے۔ صرف فارسی ہی میں نہیں بلکہ کسی بھی زبان میں اس کے مقابل پر کچھ بھی پیش کرنے کو نہیں۔

آپ حضرت کی ان مناجات کا حضرت داؤد کی دعا سے ایک رشتہ یہ بھی ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے الہامًا بتایا کہ آپ کا روحانی مشرب داؤد علیہ السلام کے نقش قدم پر ہے اور حضرت داؤدؑ کا مشرب تو آپ کی دعا سے ظاہر ہے کہ صرف اور صرف محبتِ الٰہی کا حصول تھا۔

آپ کا الہامی شعر ہے۔

طریق زہد و تعبّد نہ دانم اے زاہد

خدائے من قدمم راند بر رہِ داؤد

ترجمہ۔اے زاہد میں تو کوئی زہد وتعبد کا طریق نہیں جانتا میرے خدا نے خود ہی میرے قدم کو داؤدؑ کے راستہ پر ڈال دیا ہے

(تذکرہ صفحہ 93۔مطبوعہ 2004ء)

وہ کشفی نظارہ جس کے اختتام پر یہ شعر الہام ہوا ہے۔ایسا دلفریب ہے کہ اُس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے اس تسلسلِ بیان میں حضرت اقدس کا یہ شعر بھی تو ہے۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے

میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

داؤدی صفت کے پھل محبتِ الٰہی ہی کے تو ہیں جو آپ کے شجر طیبّہ پر لگے۔

اور اردو میں آپ حضرت کے دل کا راز بھی سُن لیں کہ وہ مکمل اور تمام تر محبتِ الٰہی میں گرفتار فرماتے ہیں:

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار

اے مرے پیارے بتا تو کِس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وُہی جب تجھ پر ہوویں ہم نثار

جِس طرح تو دُور ہے لوگوں سے میں بھی دُور ہوں
ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دِل کا راز دار

نیک ظن کرنا طریقِ صالحانِ قوم ہے
لیک سو پردے میں ہوں اُن سے نہیں ہوں آشکار

بیخبر دونوں ہیں جو کہتے ہیں بد یا نیک مرد
میرے باطن کی نہیں ان کو خبر اک ذرّہ وار

ابنِ مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار

مُلک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نَے دیار

تاج و تختِ ہند قیصر کو مُبارک ہو مدام
اُن کی شاہی میں مَیں پاتا ہوں رفاہِ روزگار

مجھکو کیا ملکوں سے میرا مُلک ہے سب سے جُدا　　　مجھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

**ہم تو بستے ہیں فلک پر اِس زمیں کو کیا کریں**

**آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نِقار**

اس موضوع کا تعارف (باوجود اختصار کی کوشش کے) قدرے طویل ہو گیا ہے۔اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ جہاں کلام کے حُسن و جمال کی ہزار تجلیات ہوں وہاں اُن کے انتشارِ رنگ و بو میں چند ایک کا انتخاب کرنا مشکل کام ہے۔

مظہر جانِ جاناں کا یہ شعر اسی مشکل کو بیان کر رہا ہے۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا می بینم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جاں ایں جا است

ترجمہ۔محبوب کے چہرے سے لیکر اُس کے قدموں تک جہاں بھی نظر پڑتی ہے اُس کا حُسن و جمال دل کو اُسی مقام پر فدا ہونے کو کہتا ہے۔

اس طوالت کی دوسری وجہ اس مضمون کا عنوان ہے۔یعنی محبتِ الٰہی۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جو تمام صحفِ سماوی اور انبیاء کی تعلیم و تربیت کی جان اور ان کی روحِ رواں ہے۔اُسی جذبے کو زندہ کرنے کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور اسی جذبہ کو انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس موضوع کی ابتدا ہی باری تعالیٰ کے اس فرمان سے کی ہے۔

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی　　(الاعراف: 173)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’خدا تعالیٰ کے ساتھ تو انسان کا فطری تعلق ہے کیونکہ اُسکی فطرت خدا تعالیٰ کے حضور میں ’’اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ‘‘ کے جوب میں ’’قَالُوۡا بَلٰی‘‘ کا اقرار کر چکی ہے‘‘۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ان خصوصیات کی وجہ سے حضرت اقدس کا تمام کلام دراصل محبتِ الٰہی کا ہی اظہار ہے کبھی بلاواسطہ اور برملا اور کبھی بالواسطہ اور پوشیدہ۔

اس صورت میں مضمون کا قدرے مفصّل ہونا لازم تھا۔

درحقیقت یہ معذرت بلاضرورت تھی کیونکہ طوالت کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ حضرت کے ادبِ عالیہ میں اِس

مضمون کی ہمہ گیر اہمیت کا بیان ہوگیا۔

## اُردو زبان میں

اب ہم اپنے دستور کے مطابق اس مضمون میں حضرت اقدسؑ کے اردو کلام کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ اوّل قدم پر ایک ایسا قطعہ کلام ہے جس کا حُسن و جمال بیان کرنے کے لئے کسی قلم میں طاقت نہیں ہے۔ یہ کلام اپنے جذبے اور تاثیر میں اپنی قلبی تمنا کے اظہار میں اور اردو ادب کے اسالیب کی پاسداری میں ایک بے مثال اور شاہکار اشعار کا نمونہ ہے۔ محبتِ الٰہی کے مضمون میں ہزار تلاش کرنے پر بھی ایسا کلام نہیں ملے گا اور مل بھی نہیں سکتا کیونکہ نہ کوئی باری تعالیٰ کا ایسا عاشق ہوگا اور نہ اُس کے قلب سے ایسا کلام جاری ہوگا۔

فرماتے ہیں۔

مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے — وہی جنت وہی دارالاماں ہے
بیان اس کا کروں طاقت کہاں ہے — محبت کا تو اک دریا رواں ہے

یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

تری نعمت کی کچھ قِلت نہیں ہے — تہی اس سے کوئی ساعت نہیں ہے
شمارِ فضل اور رحمت نہیں ہے — مجھے اب شکر کی طاقت نہیں ہے

یہ کیا احساں ترے ہیں میرے ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں — وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں
محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں — خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
محبت چیز کیا کِس کو بتاؤں — وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں — یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیائے مادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

محبتِ الٰہی کے بیان میں دوسرا شاہکار کلام بھی ہر ادبی خوبی اور قلبی جذبات محبت کے اظہار میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اس کی تاثیر تو ایسی ہے کہ آپ کی جماعت نے گذشتہ ایک صدی سے اس کلام کو خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی جناب میں دعا کی باریابی کا تعویذ بنا رکھا ہے۔ کوئی جماعتی اجتماع اور خاندانی تقریب ایسی نہیں ہوتی کہ اس کلام

کوحصول برکات کیلئے نہایت محبت اور ترنم سے پڑھا نہ جائے۔

فرماتے ہیں۔

حمدوثنا اُسی کو جو ذات جاودانی ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اِک دل کا یارجانی
دِل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اسکی عظمت لرزاں ہیں اہلِ قُربت کرّ وبیوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شکر نعمت ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلفت کب چاہے اسکی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اور فرماتے ہیں:

اس دل میں تیرا گھر ہے تیری طرف نظر ہے تجھ سے میں ہوں مُنوَّر میرا تو تو قمر ہے
تجھ پر مرا توکّل در پرترے یہ سر ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

جب تجھ سے دل لگایا سو سو ہے غم اٹھایا تن خاک میں ملایا جاں پر وَبال آیا
پر شکر اے خدایا! جاں کھو کے تجھ کو پایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

دیکھا ہے تیرا منہ جب چمکا ہے ہم پہ کوکب مقصود مل گیا سب ہے جام اب لبالب
تیرے کرم سے یا ربّ میرا بَر آیا مطلب
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اور اس محبت کے اظہار کو دیکھیں۔

ہیں تری پیاری نگاہیں دِلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کے لیے ہم مِل گئے ہیں خاک میں
تا مگر دَرماں ہو کُچھ اس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
**شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر**
**خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا**

یہ بیان ایک اَور بار سُن لیں۔
فرماتے ہیں:

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار
اے مرے پیارے بتا تو کِس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وُہی جب تجھ پر ہوویں ہم نثار
**جِس طرح تو دُور ہے لوگوں سے میں بھی دُور ہوں**
**ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دِل کا راز دار**

اور وصال الٰہی کی تمنا کو برلانے کے لئے محبت کا مقام بھی سُن لیں۔ بہت سادہ اور مؤثر کلام ہے۔ خدا کو پانے کی یہی ایک ہی راہ ہے اور قرآن کریم نے یہی پیغام دیا ہے۔
فرماتے ہیں:

دیکھ لو میل ومحبت میں عجب تاثیر ہے
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار
**کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں**
**طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار**
اُسکے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے
کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائیگا زَر بے شمار
تیر تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو! نہ ہونا سُست اس میں زینہار
ہے یہی اِک آگ تاتم کو بچاوے آگ سے
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار

اس سے خود آ کر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل
اِس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار
وہ کتاب پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے
وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار

محبت اور وفا میں ایسا پیوند ہے کہ اگر اسکو ''پیوند جان'' کہیں تو درست ہوگا کیونکہ محبت کا ثبوت وفا سے ہے اگر وفا نہیں تو محبت خام ہی نہیں بلکہ معدوم ہے۔

فرماتے ہیں:

جلد آ مرے سہارے غم کے ہیں بوجھ بھارے
مُنہ مت چھُپا پیارے میری دَوا یہی ہے
کہتے ہیں جوش الفت یکساں نہیں ہے رہتا
دل پر مرے پیارے ہر دم گھٹا یہی ہے
ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے
دُنیا میں عشق تیرا، باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشقِ صفا یہی ہے
مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اُڑایا
جب سے سُنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
دلبر کا درد آیا حرفِ خودی مٹایا
جب میں مرا جِلایا جامِ بقا یہی ہے
اِس عشق میں مصائب سو سو ہیں ہر قدم میں
پر کیا کروں کہ اس نے مجھکو دیا یہی ہے
حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

اور پھر اس وفا کے بعد محبوبِ حقیقی کی وفا بھی دیکھیں۔

فرماتے ہیں:

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
مَیں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا مَیں مثلِ طفلِ شِیرخوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے بِن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
**لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبُول**
**مَیں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار**

وصالِ باری تعالیٰ کی تلاش یعنی سلوک کی تعلیم و تربیت کو بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

**اِس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سُود ہے**
**اِک تری قیدِ محبت ہے جو کردے رستگار**
دِل جو خالی ہو گدازِ عشق سے وہ دِل ہے کیا
دِل وہ ہے جس کو نہیں بے دِلبرِ یکتا قرار
فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیٔ وجُود
پس کرو اس نفس کو زیروزبر از بہر یار
تلخ ہوتا ہے ثمر جبتک کہ ہو وہ ناتمام
اِسطرح ایماں بھی ہے جبتک نہ ہو کامل پیار
تیرے مُنہ کی بھوک نے دِل کو کیا زیر و زبر
اے مرے فردوسِ اعلیٰ اب گِرا مجھ پر ثمار
اَے خدا اَے چارہ سازِ درد ہم کو خود بچا
اے مرے زخموں کے مرہم دیکھ میرا دل فگار

باغ میں تیری محبت کے عجب دیکھے ہیں پھل
ملتے ہیں مشکل سے ایسے سیب اور ایسے انار
تیرے بن اے میری جاں یہ زندگی کیا خاک ہے
ایسے جینے سے تو بہتر مر کے ہوجانا غبار

''فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیٔ وجُود'' ذیل کے شعر میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لیے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

اور عاشقانِ باری تعالیٰ کی علامات اور صفات بھی سُن لیں۔

خُدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کُچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نِثار
اِسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟
اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دِل میں کہ ہیں نابکار
**لگاتے ہیں دِل اپنا اُس پاک سے**
**وُہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے**

اور آخر پر ایک تلقین عام ہے کہ محبت کے قابل صرف ایک ہی ہستی ہے اور اگر کہیں وفا ہے تو اُسی محبوبِ حقیقی میں ہے۔

فرماتے ہیں:

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دِل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اس میں وہ کیا نہیں

سورج پہ غور کرکے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اس یار سا نہیں

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں

سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں

**اِس جائے پُر عذاب سے کیوں دِل لگاتے ہو**
**دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سَرا نہیں**

اوراس مضمون کے اختتام پر ایک دلفریب قطعہ سُن لیں فرماتے ہیں:

**اگر وہ جاں کوطلب کرتے ہیں تو جاں ہی سہی**
**بلا سے کُچھ تو نپٹ جائے فیصلہ دِل کا**
**اگر ہزار بلا ہو تو دِل نہیں ڈرتا**
**ذرا تو دیکھیئے کیسا ہے حوصلہ دِل کا**

# محبتِ الٰہی کا بیان

## فارسی اشعار میں

بہت مرتبہ کہا جا چکا ہے کہ فارسی زبان کا مزاج روحانی ہے۔اس لیئے ان مضامین کے بیان کرنے کی اس میں صلاحیت بھی ہے اور مناسبت بھی۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیارے حضرت اقدس مسیح موعود کا فارسی کلام محبتِ الٰہی کے اظہار سے بھرپور ہے اور اس قدر بھرپور ہے کہ اس لالہ زار سے چند ایک پھولوں کا انتخاب کرنا بہت مشکل ہے۔اس کوشش میں کہ انتخاب کی خوبی قائم رہے اور اختصار کا نقص بھی ظاہر نہ ہو ہم نے آپ کی طویل نظموں میں سے صرف محبتِ الٰہی کے اشعار کو اختیار کیا ہے۔

اوّل قدم پر ہم خدا تعالیٰ کے فرمان اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کے اتّباع میں حضرت کا وہ کلام پیش کرتے ہیں جو اِس مضمون کو بیان کر رہا ہے کہ محبتِ الٰہی انسان کی فطرت میں ہے۔بہت ہی خوبصورت اور محبت بھرا کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار کز وجودش ہر وجودے آشکار

اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا

ایں جہاں آئینہ دارِ روئے اُو ذرّہ ذرّہ رہ نماید سوئے اُو

یہ جہان اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے ذرّہ ذرّہ اُسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے

کرد درآئینۂ ارض و سما آں رُخِ بے مثلِ خود جلوہ نما

اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا

ہر گیاہے عارفِ بُنگاہِ اُو دست ہر شاخے نماید راہِ اُو

گھاس کا ہر پتّہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اُسی کا راستہ دکھاتی ہے

نُورِ مَہر و مَہ زِ فیضِ نُورِ اوست ہر ظہورے تابعِ منشورِ اوست

چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اُسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے

ہر سرے سِرّے زِ خلوت گاہِ اُو ہر قدم جوید درِ باجاہِ اُو

ہر سَر اُس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اُسی کا باعظمت دروازہ تلاش کرتا ہے

مطلبِ ہر دل جمالِ روئے اوست گمرہے گرہست بہرِ کوئے اوست

اُسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اُسی کے کوچہ کی تلاش میں ہے

اور فرماتے ہیں:

جاں فدائے آنکہ او جاں آفرید دل نثارِ آنکہ زو شد دل پدید

جان اُس پر قربان ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا دل اُس پر نثار ہے جس نے دل کو بنایا

جاں ازو پیداست زیں مے جویدش رَبُّنَا اللّٰہ رَبُّنَا اللّٰہ گویدش

جان چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لیے اسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے کہ تو ہی میرا ربّ ہے تو ہی میرا ربّ ہے

گر وجودِ جاں نبودے زو عیاں کے شدے مہر جمالش نقشِ جاں

اگر جان کا وجود اس کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ تو اس کے حسن کی محبت جان پر کس طرح نقش ہوتی

جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں زیں دَوَد دل سوئے او چوں عاشقاں

جسم اور جان کو اسی یکتا نے پیدا کیا ہے اسی لیے عاشقوں کی طرح دل اس کی طرف دوڑتا ہے۔

یہ بات تو ہو گئی کہ محبتِ الٰہی انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اب یہ بات ہے کہ انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کا عشق الٰہی میں اس فطرتی جوش کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

محبتِ تو دوائے ہزار بیماری است بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است

تیری محبت ہزار بیماریوں کی دوا ہے تیرے منہ کی قسم کہ اس گرفتاری ہی میں اصل آزادی ہے۔

پناہِ روئے تو جستن نہ طورِ مستاں است کہ آمدن بہ پناہت کمال ہشیاری است

تیری پناہ ڈھونڈھنا دیوانوں کا طریقہ نہیں ہے بلکہ تیری پناہ میں آنا ہی تو کمال درجہ کی عقلمندی ہے

متاعِ مہرِ رُخِ تو نہاں نخواہم داشت کہ خفیہ داشتنِ عشقِ تو زِ غدّاری است

میں تیری محبت کی دولت کو ہرگز نہیں چھپاؤں گا۔ کہ تیرے عشق کا مخفی رکھنا بھی ایک غدّاری ہے

برآں سرم کہ سروجاں فدائے تو بکنم کہ جاں بیار سپُردن حقیقتِ یاری است

میں تیار ہوں کہ جان و دل تجھ پر قربان کر دوں کیونکہ جان کو محبوب کے سپرد کر دینا ہی اصل دوستی ہے

اور پھر اس محبت کے اظہار کے شوق کو بھی دیکھیں۔

فرماتے ہیں:

بہردم از دل و جاں وصفِ یارِ خود بکنم　　　من آں نیم کہ تغافل زِ کارِ خود بکنم

میں ہردم دل وجان سے اپنے خدا کی تعریف کرتا ہوں میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں

بہر زماں بدلم ایں ہوس ہمے جوشد　　　کہ ہرچہ ہست نثارِ نگارِ خود بکنم

ہروقت میرے دل میں یہ شوق جوش مارتا ہے کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ اپنے محبوب پر قربان کردوں

اگرچہ در رہِ جاناں چو خاک گردیدم　　　دلم تپد کہ فدایش غبارِ خود بکنم

اگرچہ میں محبوب کی راہ میں خاک کی طرح ہوگیا ہوں مگر میرا دل تڑپتا ہے کہ اپنا غبار بھی اُس پر فدا کردوں

رَوَم بگلشنِ دلدادگاں کزاں باغم　　　چرا بکوچۂ غیرے قرارِ خود بکنم

میں عاشقوں کے گلشن میں جاتا ہوں اس باغ کو چھوڑ کر میں کسی غیر کے کوچہ میں کیوں اپنا مسکن بناؤں

**رسید مژدہ کہ ایام نوبہار آمد　　　زمانہ را خبر از برگ وبارِ خود بکنم**

مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آ گیا تا کہ زمانہ کو میں اپنے پھلوں اور پتوں کی خبر کردوں

**تعلقاتِ دلآرامِ خویش بنمایم　　　ہمائے اوجِ سعادت شکارِ خود بکنم**

اور اپنے محبوب کے تعلقات کا اظہار کروں اور ہمائے اوج سعادت کو اپنا شکار بناؤں

آخری دو شعر تو ایسے دلفریب ہیں کہ ان کا حسن وخوبی بیان نہیں ہوسکتا ہے فرماتے ہیں۔

کہ بہار آئی ہے تو میں بھی اپنی محبت کے برگ و بار دکھاؤں اور اپنے محبوب کے تعلقات کو بیان کروں اور سعادت عظمیٰ کے ہما کو شکار کروں۔

**سبحان اللّٰہ!** ایسا عاشقانہ کلام کہاں ملے گا

یہاں پر دیکھیں دنیا و مافیہا سے تعلق توڑ کر اپنے خدا سے رشتہ باندھا ہے۔

فرماتے ہیں:

اے دلبر و دلستان و دلدار　　　و اے جانِ جہان و نُورِ انوار

میرے محبوب اور دلدار اور اے جانِ جہاں اور نوروں کے نور

لرزاں ز تجلیّت دل و جان　　　حیراں ز رُخت قلوب و ابصار

جان ودل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں۔قلوب اورنظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں

از یادِ تو نُور ہا بہ بینم! در حلقۂ عاشقانِ خونبار

میں تیرے ذکر کی برکت سے انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں

آنکس کہ بہ بندِ عشقت اُفتاد دیگر نشنید پندِ اغیار

وہ شخص جو تیری قید محبت میں گرفتار ہوگیا۔ پھر اس نے دوسروں کی نصیحت نہ سُنی

اے مونسِ جاں چہ دلستانی کز خود بر بودیم بہ یکبار!

اے میرے مونسِ جاں! تو کیسا دلستاں ہے کہ دفعتًا تو نے مجھے مدہوش کردیا

از یادِ تو ایں دلے بہ غم غرق دارَد گُہرے نہاں صدف وار

تیری یاد میں میرا دل غم میں غرق ہوکر صدف کی طرح ایک موتی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے

چشم و سرِ ما فدائے رؤیت جان و دلِ ما بتُو گرفتار

میری آنکھ اور سر تجھ پر قربان ہیں اورمیرے جان و دل تیری محبت میں قید

**عشق تُو بہ نقدِ جاں خریدیم تادم نہ زَنَد دِگر خریدار**

ہم نے نقدِ جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے ۔ تاکہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے

**غیر از تو کہ سرزدے ز جیبم! در بُرجِ دلم نماند دیّار**

تیرے سوااور کون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اورکوئی بسنے والا ہی نہیں

**عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند کردیم و دمے جز از تو دشوار**

ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ گذارنا بھی مشکل ہے۔

آخری شعر کو دوبارہ سن لیں۔اسی کو کامل رجوع الی اللہ کہتے ہیں۔

**عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند کردیم و دمے جز از تو دشوار**

ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ گذارنا بھی مشکل ہے۔

محبت کے آثار کا بھی مشاہدہ کریں۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کردی

اے محبت تو نے عجیب رنگ دکھائے تونے یار کی راہ میں زخم اور مرہم برابر کر دیئے

ہمہ مجموع دوعالم تو پریشاں کردی　　　ہمہ عشّاق تو سرگشتہ و حیراں کردی

دونوں جہان کے مجموعہ کو تو نے پراگندہ کر دیا اور سب عاشقوں کو تو نے دیوانہ اور حیران کر دیا

ہوشمندانِ جہاں را تُو کنی دیوانہ　　　اے بسا خانۂ فطنت کہ تو ویراں کردی

دنیا کے عقلمندوں کو تو دیوانہ بنا دیتی ہے اور بہت سے عقلمندی کے گھروں کو تو نے ویران کر دیا

جانِ خود کس ندہد بہر کس از صدق و وفا　　　راست ایں ست کہ ایں جنس تو ارزاں کردی

کوئی کسی کے لیے اپنی جان عشق اور وفاداری کے ساتھ نہیں دیتا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس جنس کو تو نے بہت سستا کیا ہے

بر تو ختم ست ھمہ شوخی و عیاری و ناز　　　ہیچ عیّار نباشد کہ نہ نالاں کردی

شوخی چالاکی اور ناز سب تجھ پر ختم ہیں۔ کوئی ہوشیار آدمی ایسا نہ ہوگا جسے تو نے رُلا نہ دیا ہو

**تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیا مد بسرم　　　اے جنوں گردِ تو گردم کہ چہ احساں کردی**

میں بھی جب تک دیوانہ نہ ہو گیا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہوئے۔ اے جنونِ عشق تجھ پر قربان! تو نے کتنا احسان کیا

**ہمہ جا شورِ تو بینم چہ حقیقت چہ مجاز　　　سینۂ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی**

میں سب جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ حقیقت ہو یا مجاز۔ تُو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا ڈالے

**آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند　　　لطف کردی کہ ازیں خاک مرا آں کردی**

وہ مسیح جس کا مقام آسمان پر بیان کرتے ہیں تو نے مہربانی فرمائی کہ اسی زمین میں سے مجھے وہی مسیح بنا دیا

محبتِ الٰہی میں وفا اور محبوب کی رضا کو عزیز رکھنا بھی دیکھیں۔ باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ تو محبت اور وفا کو نہیں جانتے تھے اس جذبے کو تو نے ہی میرے دل میں بھر دیا ہے۔ بہت ہی پاکیزہ کلام ہے۔ آخری دو شعر تو وہی کہہ سکتا ہے جس کو آداب وفا محبوبِ حقیقی نے عنایت کئے ہوں۔

قربانِ تست جانِ من اے یارِ محسنم　　　با من کدام فرق تو کردی کہ من کنم

اے میرے محسن دوست میری جان تجھ پر قربان ہے تو نے مجھ سے کونسا فرق کیا ہے کہ میں تجھ سے کروں

ہر مطلب و مراد کہ می خواستم ز غیب　　　ہر آرزو کہ بود بخاطر معیّنم

ہر مراد اور دعا جو میں نے غیب سے طلب کیا۔ اور ہر خواہش جو میرے دل میں تھی

از جود دادہء ہمہ آں مدعائے من　　　و از لطف کردۂ گذرِ خود بمسکنم

تو نے اپنی مہربانی سے میری وہ مرادیں پوری کر دیں اور مہربانی فرما کر تو میرے گھر تشریف لایا

**ہیچ آگہی نبود زِ عشق و وفا مرا — خود ریختی متاعِ محبت بدامنم**

مجھے عشق و وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی تو نے ہی خود محبت کی یہ دولت میرے دامن میں ڈال دی

**یارب مرا بہر قدمم استوار دار — واں روزِ خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم**

**اے ربّ مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں**

**در کوئے تو اگر سرِ عشاّق را زنند — اوّل کسیکہ لافِ تعشق زند منم!**

**اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعوٰی کرے گا وہ میں ہوں گا**

اور یہ ''عہد'' کیا ہے یہی کہ محبت میں استوار رہنا اور وفا دکھانا۔

ان دو اشعار کو دوبارہ پڑھ لیں۔ ایسی وفا اور اُس کے حصول کی دعا کہاں دستیاب ہوگی اور پھر اسی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صدق و وفا کے آداب کی تعلیم دی اور الہامًا فرمایا۔

**صادق آں باشد کہ ایاّمِ بلا — میگزارد بامحبت باوفا**

صادق وہ ہوتا ہے کہ ابتلاؤں کے دن محبت اور وفاداری سے گذارتا ہے

**گر قضا را عاشقے گردَد اسیر — بوسد آں زنجیر را کز آشنا**

اگر قضائے الٰہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ اُس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو۔

(تذکرہ صفحہ 255۔ مطبوعہ 2004ء)

اور اس تعلیم کی روشنی میں آپؑ نے محبت الٰہی میں اپنا مسلک بیان کیا اور محبوبِ حقیقی سے محبت کے آداب سکھائے۔

سینہ مے باید تہی از غیرِ یار! — دل ہمے باید پُر از یادِ نگار!

یار کے سوا ہر چیز سے سینہ خالی ہونا چاہیئے اور دل محبوب کی یاد سے بھرا رہنا چاہیئے

جاں ہمے باید براہِ اُو فدا — سرہمے باید بپائے اُو نثار

جان اُس کی راہ میں قربان ہونی چاہیئے اور سَر اُس کے قدموں میں نثار ہونا چاہیئے

ہیچ دانی چیست دینِ عاشقاں — گوئمت گر بشنوی عشاّق دار

کیا تجھے معلوم ہے کہ عاشقوں کا دین کیا ہوتا ہے؟ میں تجھے بتاتا ہوں اگر تو عاشقوں کی طرح سُنے

**از ہمہ عالم فرو بستن نظر — لوحِ دل شستن ز غیر دوستدار**

وہ یہ ہے کہ سارے جہاں کی طرف سے آنکھ بند کر لینا اور دوست کے سوا ہر چیز سے دل کی تختی کو دھوڈالنا

اس مقام پر عاشق الٰہی یہی کہتا ہے۔

در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی

دونوں جہانوں میں تو ہی مجھے عزیز ہے۔اور جو میں تجھ سے طلب کرتا ہوں وہ تُو ہی ہے۔

اور اپنا مذہب عشق بیان کر کے اپنے عشق کی کیفیت سناتے ہیں کہ میرے لیئے دوا تجویز نہ کرو محبت کے رنج وغم میں ہی میرا علاج ہے۔

مرا نہ زہد وعبادت نہ خدمت وکارے است ہمیں مرا است کہ جانم رہینِ دلدارے است

میرے پاس نہ زُہد ہے نہ عبادت نہ خدمت نہ اور کوئی کام۔صرف ایک بات ہے کہ میری جان اس دلدار کے پاس گرو پڑی ہوئی ہے

چہ لذّتے است برُ ویش کہ جاں فدایش باد چہ راحتے است بکُویش اگرچہ خوں بارے است

اس کے چہرہ میں ایسی لذت ہے کہ جان اس پر قربان ہے اس کی گلی میں عجیب لُطف ہے اگرچہ وہاں خون کی بارش ہوتی ہے

مسیحِ وقت مرا کرد آنکہ دید ایں حال بہ بیں دلائلِ دعوٰی اگرچہ بیکارے است

خدا نے جب میرا یہ حال دیکھا تو مجھے مسیح الزمان بنا دیا اب تو میرے دعوے کے دلائل دیکھ گو (تیرے نزدیک) یہ بیکار رہے۔

**دوائے عشق نخواہم کہ آں ہلاکت ماست شفائے ما بہؔ ہمیں رنج ودردوآزارے است**

میں عشق کا علاج نہیں چاہتا کیونکہ اس میں ہماری ہلاکت ہے ہماری شفا تو اسی رنج ودرد اور بیماری میں ہے

اور آخر پر دیکھیں کہ کیسا دل گداز فیصلہ کرتے ہیں

فرماتے ہیں:

**ہماں بہ کہ جاں در رہِ اُو فشانم جہاں راچہ نقصاں اگر من نمانم**

یہی بہتر ہے کہ میں اُس کی راہ میں جان قربان کر دوں۔اگر میں نہ رہوں تو دنیا کا کیا نقصان ہے

☆

# محبتِ الٰہی

## عربی اشعار میں

عربی زبان میں محبتِ الٰہی کے اشعار کا انتخاب کرنے میں وہی مشکل ہے جو اردو اور فارسی اشعار میں تھی۔ یعنی یہ کہ اس موضوع کے اشعار اتنی کثرت سے ہیں کہ ان میں سے چند ایک کا انتخاب مشکل ہے۔ کوئی بھی موضوع کلام ہو چند اشعار کے بعد محبتِ الٰہی نقاب کشا ہو جاتی ہے۔

یہی بات آپ حضرت فرما رہے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ کَانَ مَقْصِدَ مُھْجَتِیْ  فِی کُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَ الْاِمْلَاءِ

ترجمہ: تُو ہی تَو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

اس صورت میں ہم نے یہاں بھی کوشش کی ہے کہ بہتر سے بہتر کلام کے نمونے پیش کئے جا سکیں۔ عشق الٰہی میں اوّل ان اشعار کا مشاہدہ کریں۔

اَنْتَ الْمُرَادُ وَ اَنْتَ مَطْلَبُ مُھْجَتِیْ  وَ عَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَ رَجَائِیْ

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

اَعْطَیْتَنِی کَاْسَ الْمَحَبَّۃِ رَیْقَھَا  فَشَرِبْتُ رَوْحَاءً عَلٰی رَوْحَاءِ

تو نے مجھے محبت کی بہترین مَے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

**اِنِّی اَمُوْتُ وَ لَا یَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ  یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِی**

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز پہچانی جائے گی۔

مَاشَاھَدَتْ عَیْنِیْ کَمِثْلِکَ مُحْسِنًا  یَا وَاسِعَ الْمَعْرُوْفِ ذَاالنَّعْمَاءِ

میری آنکھ نے تجھ سا (کوئی) محسن نہیں دیکھا۔ اے احسانات میں وسعت پیدا کرنے والے اور اے نعمتوں والے

اَنْتَ الَّذِیْ قَدْ کَانَ مَقْصِدَ مُھْجَتِیْ  فِی کُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَ الْاِمْلَاءِ

تُو ہی تَو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

لَمَّا رَأَیْتُ کَمَالَ لُطْفِکَ وَ النَّدَا  ذَھَبَ الْبَلَاءُ فَمَا اُحِسُّ بَلَائِی

جب میں نے تیرے لطف کا کمال اور بخششیں دیکھیں تو مصیبت دور ہو گئی اور (اب) میں اپنی مصیبت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔

اِنِّیْ تَرَکْتُ النَّفْسَ مَعَ جَذْبَاتِهَا　　لَمَّا أَتَانِیْ طَالِبُ الطُّلَبَاءِ

میں نے نفس کو اس کے جذباب سمیت چھوڑ دیا جب میرے پاس طالبوں کا طالب آیا۔

مُتْنَا بِمَوْتٍ لَا یَرَاهُ عَدُوُّنَا　　بَعُدَتْ جَنَازَتُنَا مِنَ الْاَحْیَاءِ

ہم ایسی موت سے مر چکے ہیں جس کو ہمارا دشمن نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارا جنازہ زندوں سے بہت دور ہو گیا ہے۔

غَلَبَتْ عَلٰی قَلْبِیْ مَحَبَّةُ وَجْهِهٖ　　حَتّٰی رَمَیْتُ النَّفْسَ بِالْاِلْغَاءِ

میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آ گئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا۔

وَ أَرَی الْوَدَادَ أَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ　　وَ أَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو منور کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔

مَا بَقِیَ فِیْ قَلْبِیْ سِوَاهُ تَصَوُّرٌ　　غَمَرَتْ اَیَادِی اللّٰهِ وَجْهَ رَجَائِیْ

میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصوّر باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں کے منہ کو ڈھانپ لیا ہے۔

هَوْجَآءُ اُلْفَتِهٖ اَثَارَتْ حُرَّتِیْ　　فَفَدَا جَنَانِیْ صَوْلَةَ الْهَوْجَاءِ

اس کی الفت کی تیز ہواؤں نے میری خاک اڑا دی پس میرا دل ان ہواؤں کی شدت پر قربان ہو گیا۔

دوسرے مقام پر اس عظیم الشان محبت بھری ثناء باری تعالیٰ کا لطف لیں۔ جوش محبت سے بھرا ہوا کلام ہے۔ ایسا جوش جس کو قابو میں لانا مشکل ہو۔

فرماتے ہیں:

لَکَ الْحَمْدُ یَا تُرْسِیْ وَ حِرْزِیْ وَ جَوْسَقِیْ　　بِحَمْدِکَ یُرْوٰی کُلُّ مَنْ کَانَ یَسْتَقِیْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے

بِذِکْرِکَ یَجْرِیْ کُلُّ قَلْبٍ قَدِ اعْتَقٰی　　بِحُبِّکَ یَحْیٰی کُلُّ مَیْتٍ مُمَزَّقِ

تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مُردہ زندہ ہو جاتا ہے

وَ بِاسْمِکَ یُحْفَظُ کُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا　　　وَ فَضْلُکَ یُنْجِیْ کُلَّ مَنْ کَانَ یُزْبَقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

وَمَا الْخَیْرُ اِلَّا فِیْکَ یَا خَالِقَ الْوَرٰی　　　وَمَاالکَھْفُ اِلَّا اَنْتَ یَا مُتَّکَأَ التَّقِیْ

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ ہے

وَ تَعنُوْا لَکَ الْاَفْلَاکُ خَوْفًا وَ ھَیْبَۃً　　　وَ تَجْرِیْ دُمُوْعُ الرَّاسِیَاتِ وَ تَشْبَقُ

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جُھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں

وَ لَیْسَ لِقَلْبِیْ یَا حَفِیْظِیْ وَ مَلْجَائِیْ　　　سِوَاکَ مُرِیْحٌ عِنْدَ وَقْتِ التَّاَزُّقِ

اور میرے دل کے لئے۔ اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو

یَمِیْلُ الْوَرٰی عِنْدَ الْکُرُوْبِ اِلَی الْوَرٰی　　　وَ اَنْتَ لَنَا کَھْفٌ کَبَیْتٍ مُسَرْدَقٍ

دُکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تو ہمارے لیے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر۔

اور محبتِ الٰہی کے اس بیان کو دیکھیں کہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اللہ کی محبت کو اختیار کیا تو تمام وابستگیوں کو ختم کر دیا ہے۔

فَقُمْ شَاھِدًا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتَ خَاشِعًا　　　وَ اَکْرَمُ نَاسٍ عِنْدَہٗ فَاتِکٌ تَقِی

پس اگر تو خدا کے لئے خشوع رکھتا ہے تو للہ گواہی کے لئے کھڑا ہو جا اور خدا کے نزدیک بزرگ آدمی وُہی ہے جو دلیر اور نیک بخت ہے

وَقَدْ کُنْتُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَانَ مَلْجَائِیْ　　　وَذٰلِکَ سِرٌّ بَیْنَ رُوْحِیْ وَ مُزْعَقِیْ

اور مَیں اس خدا کے لئے ہو گیا جو میری پناہ ہے اور یہ بھید ہے مجھ میں اور میری فریادگاہ میں

رَئَیْتُ وُجُوْھًا ثُمَّ اٰثَرْتُ وَجْھَہٗ　　　فَوَاھًا لَہٗ وَ لِوَجْھِہِ الْمُتَأَلِّقِ

میں نے کئی مُنہ دیکھے پس اس کا مُنہ اختیار کر لیا۔ پس کیا اچھا وہ ہے اور کیا اچھا ہے اُس کا مُنہ چمکنے والا

اُحِبُّ بِرُوْحِیْ فَالِقَ الْحَبِّ وَ النَّوٰی　　　وَ اِنِّیْ لَاَوَّلُ مَنْ نَوٰی کُلَّ مُلْزَقِ

میں اپنی جان کے ساتھ اس کو دوست رکھتا ہوں جو دانہ اس کے جرم سے علیحدہ کرنے والا ہے اور مَیں وہ پہلا شخص ہوں جس نے ہر ایک پیوستہ کو پھینک دیا ہے۔

اور دیگر وابستگیوں کو ترک کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے وصول کی کیفیت کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

سَعَیْتُ وَ مَا وَنَیْتُ بِشَوْقِ رَبِّیْ اِلٰی اَنْ جَاءَ نِیْ رَیَّا الْوِصَالِ

میں نے اپنے ربّ کے اشتیاق میں کوشش جاری رکھی اور کوئی سُستی نہ کی یہاں تک کہ مجھے وصالِ الٰہی کی خوشبو آ گئی

وَقَدْ اُشْرِبْتُ کَأْسًا بَعْدَ کَأْسٍ اِلٰی اَنْ لَّاحَ لِیْ نُوْرُ الْجَمَالِ

اور مجھے پیالے پر پیالہ پلایا گیا یہاں تک کہ مجھ پر جمالِ حقیقی کا نور جلوہ گر ہوگیا

وَقَدْ اُعْطِیْتُ ذَوْقًا بَعْدَ ذَوْقٍ وَ نَعْمَاءِ الْمَحَبَّةِ وَ الدَّلَالِ

اور مجھے ذوق پر ذوق دیا گیا اور محبت اور ناز کی نعمتیں بھی دی گئیں

وَجَدْتُ حَیٰوۃَ قَلْبِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ وَعَادَتْ دَوْلَتِیْ بَعْدَ الزَّوَالِ

میں نے اپنی فنا کے بعد دل کی زندگی کو پالیا اور میری دولت جاتے رہنے کے بعد لوٹ آئی۔

اور محبوبِ حقیقی کے وصال کو حاصل کرنے کے لیئے آپ کے مجاہدہ اور کوشش کو بھی دیکھیں

وَلِیْ فِیْ حَضْرَةِ الْمَوْلٰی مَقَامٌ وَ شَأْنٌ قَدْ تَبَاعَدَ مِنْ خَیَالِ

اور میرا، مولیٰ کریم کی جناب میں، ایک بلند مقام ہے اور ایسی شان ہے کہ خیال سے بلند تر ہے

وَصَافَانِیْ وَ وَافَانِیْ حَبِیْبِیْ وَ اَرْوَانِیْ بِکَأْسَاتِ الْوِصَالِ

میرے حبیب نے مجھ سے محبت کی اور وہ مجھے ملا اور مجھے وصال کے پیالوں سے سیراب کیا

اَرَانِیْ الْحُبُّ مَوْتِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ وَ اَنْأَی تُرْبَتِیْ فَبَدَا زُلَالِی

(خدا کی) محبت نے مجھے موت کے بعد موت دکھائی اور میری گرد کو (مجھ سے) دور کر دیا ہے تو میرا آبِ زلال ظاہر ہوگیا

وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا بَعْدَ وَجْدٍ وَ اِقْبَالِیْ اَتٰی بَعْدَ الزَّوَالِ

ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے، غم کے بعد ہی پایا ہے اور میرا اقبال (میرے) مٹنے کے بعد آیا ہے

اِذَا اَنْکَرْتُ مِنْ نَّفْسِیْ بِصِدْقٍ فَوَافَانِیْ حَبِیْبِیْ رَوْحُ بَالِیْ

جس وقت صدق کے ساتھ میں نے نفس کی (اطاعت) سے انکار کر دیا تو میرا حبیب، جو میرے دل کا آرام ہے، میرے پاس آ گیا

اَطَعْتُ النُّوْرَ حَتّٰی صِرْتُ نُوْرًا وَلَا یَدْرِیْ خَصِیْمٌ سِرَّ حَالِیْ

میں نے نور کی اطاعت کی یہاں تک کہ خود نور ہو گیا اور جھگڑنے والا دشمن میرے حال کے بھید سے واقف نہیں

**طَـلَـعَـتُ الْيَـوْمَ مِـنْ رَّبٍّ رَّحِيْـمٍ          وَجَـلَّـتْ شَـمْـسُ بَعْثِىْ فِى الْكَمَالِ**

میں نے آج ربّ رحیم کی جانب سے طلوع کیا ہے اور میری بعثت کا آفتاب کامل ہوکر روشن ہوا ہے

اور آخر پر وصالِ باری تعالیٰ کے حصول کے بعد کی دعا تو آبِ زر سے لکھنے والا کلام ہے۔ بہت دلفریب اور محبت سے لبریز۔ باری تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

**اَمِتْـنِـىْ فِـى الْـمَـحَبَّةِ وَ الْـوَدَادِ          وَ كُـنْ فِـىْ هٰذِهٖ لِىْ وَ الْـمَـعَـادِ**

مجھے اپنی محبت میں ہی وفات دے اور اس دنیا اورآخرت میں تُو میرا ہوجا

**وَلَـمْ يَبْـقَ الْهُـمُـوْمُ لَـنَـا فَـاِنَّـا          تَـوَكَّـلْـنَـا عَـلٰى رَبِّ الْعِبَـادِ**

اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے ربّ العباد پر توکل کیا ہے۔

(تذکرۃ صفحہ 779 مطبوعہ 2004ء)

# تقویٰ

حضرت اقدس کے کلام کا یہ موضوع بھی ان موضوعات میں شمار ہوتا ہے جن کا نام ونشان اسلامی ادب میں نہیں ملتا۔ نیکی کی ترغیب اور برائی سے پرہیز کا مضمون تو اکثر فارسی اور اردو اساتذۂ شعر میں جستہ جستہ بیان کے طور پر ضرور ملتا ہے مگر قرآن کریم کے فرمودات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کے ارشادات کے مطابق جس صفت کو تقویٰ کہتے ہیں وہ قرآن کریم اور اسوۂ رسول کی رضا جوئی اور اطاعت میں کئے گئے نیک اعمال کو کہتے ہیں۔

جیسے فرمایا:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ (المائدة:28)

اس فرمان کے ترجمہ میں حضرت فرماتے ہیں:

''اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے''

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں:

''متقی وہی ہیں کہ خدا سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الٰہی کے خلاف ہیں''۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حضرت اقدس کا ''تقویٰ'' یہی ہے اور یہ وہ مضمون ہے جو دیگر شعراء میں ناپید ہے۔

اپنے دستور کے مطابق جب ہم نے اس عنوان میں قرآن کریم کے فرمودات کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے تقویٰ کے مضامین کو اس تواتر سے بیان کیا ہے کہ شاید ڈیڑھ صد سے زائد مقامات میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

ہم نے اختصار کے پیش نظر دو اہم فرمودات کو اختیار کیا ہے

اوّل فرمان

الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (البقرة:2،3)

آپ حضرت فرماتے ہیں:

پھر دیکھو کہ تقویٰ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی علّت غائی اسی کو ٹھہرایا ہے چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے تو یوں ہی فرمایا ہے الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہم نے اس آیت کو اس لیے بھی انتخاب کیا ہے کہ حضرت اقدس نے اس آیت کی تفسیر میں بہت تفصیل سے تقوٰی کے مضمون پر روشنی ڈالی ہے اس مضمون میں اس آیت کے تحت تفسیر حضرت اقدس کے فرمودات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

آپ حضرت فرماتے ہیں کہ تقویٰ قرآن شریف کی علّت غائی ہے۔

قرآن شریف تقوٰی ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علّت غائی ہے اگر انسان تقوٰی اختیار نہ کرے تو اُس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہوسکتی ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے سعدی کہتا ہے

کلید ِ درِ دوزخ است آن نماز — کہ در چشم مردم گذاری دراز

وہ نماز دوزخ کے دروازہ کی کنجی ہے جو کہ لوگوں کے سامنے لمبی لمبی کر کے پڑھی جائے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

فرماتے ہیں:

ساری جڑ تقوٰی اور طہارت ہے اسی سے ایمان شروع ہوتا ہے اور اسی سے اس کی آبپاشی ہوتی ہے اور نفسانی جذبات دبتے ہیں۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

تقوٰی کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اس میں ایک مصرع الہامی درج ہوا۔ وہ شعر یہ ہے:

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس میں دوسرا مصرعہ الہامی ہے جہاں تقوٰی نہیں وہاں حسنہ حسنہ نہیں اور کوئی نیکی نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ قرآن بھی اُن لوگوں کے لیے ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقوٰی اختیار کریں۔ ابتدا میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقوٰی یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو (نہ) دیکھیں بلکہ نورِ قلب کا تقوٰی ساتھ لیکر صدقِ نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

تقوٰی کے مضمون میں دوسرا فرمانِ قرآن یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل :129)

آپ حضرت اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔ عُجب۔ خود پسندی۔ مال حرام سے پرہیز اور بداخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے جو شخص اچھے اخلاق ظاہر کرتا ہے اس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدة :35)

اس آیت کی بہت عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے ''تقویٰ'' کی اہمیت کو بیان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ تقویٰ کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو۔ اور محسنون وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں بلکہ نیکی بھی کریں۔ اور پھر یہ بھی فرمایا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی (یونس:27)۔ یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کرتے ہیں۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اور اتنی بار ہوئی کہ مَیں گن نہیں سکتا۔ خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو اس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہو جانا چاہئے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی معیّت اور نصرت اسی وقت ملے گی جب سچی تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ فرمودات قرآن ہیں جن کی تفسیر و تعبیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جامع اور فیصلہ کن فرمان جاری کیا ہے۔

''خَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی''

یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں جو چیز مقبول ہوگی وہ تقویٰ ہی ہے۔

اِسی زادِ راہ کا ذکر حضرت اقدسؑ کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں:

اے دوستو پیارو! عقبیٰ کو مت بسارو
کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گذارو
دنیا ہے جائے فانی دل سے اِسے اُتارو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اب ہم اردو زبان میں حضرت اقدسؑ کا تقویٰ کے مضمون میں عالی شان کلام جو اردو ادب میں شاہکار نمونہ ہیں اور بے انتہا مؤثر اور دل گرمانے والے اشعار ہیں، پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

ہمیں اُس یار سے تقوٰی عطا ہے
نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے
کہ یہ حاصل ہو جوشرطِ لقا ہے
یہی آئینہٗ خالق نما ہے
یہی اِک جوہرِ سیفِ دُعا ہے
ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتّقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخرِ شانِ اولیاء ہے
بجُز تقویٰ زیادت اِن میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے
اگر سوچو، یہی دارُالجزاء ہے
مجھے تقوٰی سے اُس نے یہ جزادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

**عجب گوہر ہے جِس کا نام تقویٰ**
**مُبارک وُہ ہے جِس کا کام تقویٰ**
**سُنو! ہے حاصلِ اِسلام تقویٰ**
**خُدا کا عِشق مَے اور جام تقویٰ**
**مُسلمانو! بناؤ تام تقویٰ**
**کہاں اِیماں اگر ہے خام تقویٰ**
**یہ دَولت تُو نے مُجھ کو اے خُدا دی**
**فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

قرآن کریم کے فرمودات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سُننے کے بعد حضرت کا یہ فرمانا۔

ہمیں اُس یار سے تقوٰی عطا ہے
نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے

کس قدر صاحب عظمت ہونے پر بھی عاجزانہ ہے اور اس میں یہ عرفان بھی دیا ہے کہ حقیقی تقویٰ احسانِ باری تعالیٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

یہی وہ احسان باری تعالیٰ ہے جس کی برکت سے آپ کی یہ کیفیت ہے۔

ہوئے ہم تیرے اے قادر توانا
ترے در کے ہوئے اور تجھ کو جانا
ہمیں بس ہے تیری درگہ پہ آنا
مصیبت سے ہمیں ہر دم بچانا
کہ تیرا نام ہے غفّار و ہادی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

اس کیفیتِ قلب کو تقوٰی کی روح کہتے ہیں۔

اب یہ بھی سُن لیں کہ آپ حضرت نے تقوٰی کا کیا منصب بیان کیا ہے اور اس کی کیا تعریف کی ہے۔ یہ بھی کہ اس مقام کو حاصل کرنے کی کیا شرائط ہیں۔

فرماتے ہیں:

زندہ وُہی ہیں جو کہ خُدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز و حبیب ہیں
وہ دُور ہیں خُدا سے جو تقوٰی سے دُور ہیں
ہر دم اَسیر نخوت و کبر و غرور ہیں
**تقوٰی یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو**
**کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو**
**اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو**
**اُس یار کے لیے رہِ عشرت کو چھوڑ دو**

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
وَرنہ خیالِ حضرت عزّت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
شوخی و کبر دیوِ لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وُہ ہے جو وہ خاکسار ہے
اَے کرمِ خاک! چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کِبر حضرتِ ربِّ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اِسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور وکبر کہ تقوٰی اِسی میں ہے
ہوجاؤ خاک مرضیٔ مولٰے اِسی میں ہے
تقوٰی کی جَڑ خُدا کے لیے خاکساری ہے
عفّت جو شرطِ دِیں ہے وہ تقوٰی میں ساری ہے
جو لوگ بدگُمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقوٰی کی راہ سے وہ بہت دُور جاتے ہیں

تقوٰی کے مضمون میں تمام مقدسوں اور پاکبازوں کی تعظیم کرنا بھی ایک شرط ہے۔ فرماتے ہیں:

ہم بد نہیں ہیں کہتے ان کے مقدسوں کو
تعلیم میں ہماری حکمِ خدا یہی ہے

ہم کو نہیں سکھاتا وہ پاک بدزبانی

تقویٰ کی جڑھ یہی ہے صدق وصفا یہی ہے

عاشقانِ الٰہی کے لئے راہ سلوک کو روشن کرنے والا ایسا کلام کہاں ملے گا۔ آسان فہم اور سہل ممتنع بے انتہاء مؤثر اور دِل ہلانے والا کلام ہے۔ یہی وہ نور ہے جس کے بیان میں آپ فرماتے ہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اور آخر پر فرماتے ہیں کہ تقوٰی خدا تعالیٰ کے عشق سے حاصل ہوتا ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر

”کون ہے جسکے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق

کون کرتا ہے وفا بن اُسکے جس کا دلفگار

**رنگِ تقوٰی سے کوئی رنگت نہیں ہے خوب تر**

**ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار**

**سَو چڑھے سُورج نہیں بن رُوئے دِلبر روشنی**

**یہ جہاں بے وصل دِلبر ہے شبِ تاریک وتار**

اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اِک بینظیر

جو ترے مجنُوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار

اِس جہاں کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام

نقد پالیتے ہیں وُہ اوردُوسرے اُمّید وار

کون ہے جسکے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق

کون کرتا ہے وفا بن اُسکے جس کا دلفگار

غیر ہوکر غیر پر مرنا کِسی کو کیا غرض

کون دیوانہ بنے اس راہ میں لیل و نہار

کون چھوڑے خوابِ شیریں کون چھوڑے اکل وشرب

کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کے ہار

**عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پُرخطر**

**عِشق ہے جو سر جُھکا دے زیرِ تیغِ آبدار**

عربی زبان میں حضرت اقدسؑ کے تقویٰ کے مقام علوی اور اس کے حصول کے لیئے مجاہدہ اور ریاضت کے بیان کو سُن لیں۔ محبتِ الٰہی کے مضمون میں جس کو آپ حضرت نے تقویٰ کا جزو اعظم کہا ہے ایسا بیان کہاں دستیاب ہوگا۔ کون محبوبِ حقیقی کی جناب سے ایسی محبت لے کر آئے گا اور ہم انسانوں کو اس کی کیفیات سے روشناس کرے گا یہ بھی مشاہدہ کریں کہ آخری شعر میں اپنے آقا اور اوّل مقام کے محبوب الٰہی کے فرمان کو بھی کتنے پیار سے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

نَـزَلْـنَـا مَـنْـزِلَ الْاَضْیَـافِ مِنْكُمْ　　　فَـنَـرْجُـوْ اَنْ تَـقُـوْلُـوْا لِی نَـزَالِ

ہم تمہارے پاس مہمانوں کی طرح اترے ہیں پس ہم امید رکھتے ہیں کہ تم لوگ مجھے کہو" آیئے تشریف لایئے"

وَلِیْ فِیْ حَضْرَةِ الْمَوْلٰی مَقَامٌ　　　وَ شَـأْنٌ قَـدْ تَبَـاعَـدَ مِنْ خَیَـالِ

اور میرا، مولیٰ کریم کی جناب میں، ایک بلند مقام ہے اور ایسی شان ہے کہ خیال سے بلند تر ہے

وَصَـافَـانِـیْ وَ وَافَـانِیْ حَبِیْبِـیْ　　　وَ اَرْوَانِـیْ بِـكَـأْسَـاتِ الْـوِصَـالِ

میرے حبیب نے مجھ سے محبت کی اور وہ مجھے ملا اور مجھے وصال کے پیالوں سے سیراب کیا

اَرَانِیْ الْـحُـبُّ مَـوْتِـیْ بَعْـدَ مَوْتِیْ　　　وَ اَنْـأَی تُـرْبَتِـیْ فَبَدَا زُلَالِـی

(خدا کی) محبت نے مجھے موت کے بعد موت دکھائی اور میری گرد کو (مجھ سے) دور کر دیا ہے تو میرا آبِ زلال ظاہر ہوگیا

وَجَـدْنَـا مَـا وَجَـدْنَـا بَـعْـدَ وَجْـدٍ　　　وَ اِقْبَـالِـیْ اَتٰـی بَعْـدَ الـزَّوَالِ

ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے، غم کے بعد ہی پایا ہے اور میرا اقبال (میرے) مٹنے کے بعد آیا ہے

اِذَا اَنْـكَـرْتُ مِـنْ نَّـفْسِـیْ بِصِـدْقٍ　　　فَـوَافَـانِـیْ حَبِیْبِـیْ رَوْحُ بَـالِـیْ

جس وقت صدق کے ساتھ میں نے نفس کی (اطاعت) سے انکار کر دیا تو میرا حبیب، جو میرے دل کا آرام ہے، میرے پاس آ گیا

اَطَعْـتُ الـنُّـوْرَ حَتّٰـی صِرْتُ نُوْرًا　　　وَلَا یَـدْرِیْ خَـصِیْـمٌ سِـرَّ حَـالِـیْ

میں نے نور کی اطاعت کی یہاں تک کہ خود نور ہو گیا اور جھگڑنے والا دشمن میرے حال کے بھید سے واقف نہیں

طَـلَـعْـتُ الْیَـوْمَ مِنْ رَّبٍّ رَّحِیْـمٍ　　　وَجَـلَّـتْ شَـمْـسُ بَعْثِیْ فِی الْكَمَالِ

میں نے آج ربِّ رحیم کی جانب سے طلوع کیا ہے اور میری بعثت کا آفتاب کامل ہو کر روشن ہوا ہے

فَلَا تَقْنُطْ مِنَ اللّٰہِ الرَّءُ وْفِ ۔۔۔ وَقُمْ وَ بِتَوْبَۃٍ نَحْوِیْ تَعَالِ

پس خدائے مہربان کی طرف سے ناامید مت ہو۔ اٹھ اور توبہ کے ساتھ میری طرف آ

قَرَیْنَا مِنْ کَمَالِ النُّصْحِ فَاقْبَلْ ۔۔۔ قِرَانَا بِالتَّھَلُّلِ کَالرِّجَالِ

ہم نے کمال خیر خواہی سے تمہاری ضیافت کی ہے پس تو ہماری مہمانی کو مردوں کی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر

وَ خَیْرُ الزَّادِ تَقْوَی الْقَلْبِ لِلّٰہِ ۔۔۔ فَخُذْ اِیَّاہُ قَبْلَ الْاِرْتِحَالِ

اور بہترین توشہ دل کا خدا سے ڈرنا ہے پس (دنیا سے) کوچ کرنے سے پہلے اسے لے لے

وَ فَکِّرْ فِیْ کَلَامِیْ ثُمَّ فَکِّرْ ۔۔۔ وَلَا تَسْلُکْ کَمَرْءٍ لَایُبَالِیْ

اور میرے کلام میں غور کر اور ایسے آدمی کا طریق اختیار نہ کر جو لاپرواہی کرتا ہے

دوسرے مقام میں آپ اپنی جناب کو وارثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر پیش کر کے فرماتے ہیں کہ انسان کا حسب نسب اُس کے تقویٰ کے معیار پر ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

وَاِنَّا وَرِثْنَا مِثْلَ وُلْدٍ مَتَاعَہٗ ۔۔۔ فَاَیُّ ثُبُوْتٍ بَعْدَ ذٰلِکَ یُحْضَرُ

اورہم نے اولاد کی طرح اس کی وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے، جو پیش کیا جائے؟

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَ اِنَّ لِیْ ۔۔۔ غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ أَتُنْکِرُ

اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا؟

وَکَانَ کَلَامٌ مُعْجِزٌ آیَۃً لَّہٗ ۔۔۔ کَذٰلِکَ لِیْ قَوْلِیْ عَلَی الْکُلِّ یَبْھَرُ

اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔ اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا جو سب پر غالب ہے

اِذَا الْقَوْمُ قَالُوْا یَدَّعِیْ الْوَحْیَ عَامِدًا ۔۔۔ عَجِبْتُ فَاِنِّیْ ظِلُّ بَدْرٍ یُنَوِّرُ

جب قوم نے کہا کہ یہ تو عمداً وحی کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں نے تعجب کیا کہ میں تو رسول اللہ صلعم کا ظل ہوں

وَ اَنّٰی لِظِلٍّ اَنْ یُّخَالِفَ اَصْلَہٗ ۔۔۔ فَمَا فِیْہِ فِیْ وَجْھِیْ یَلُوْحُ وَ یَزْھَرُ

اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہوسکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے وہ مجھ میں چمک رہی ہے

وَ أَنّٰی لَذُوْنَسَبٍ کَاَصْلٍ اُطِیْعُہٗ ۔۔۔ وَمِنْ طِیْنِہِ الْمَعْصُوْمِ طِیْنِیْ مُعَطَّرُ

اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ذونسب ہوں۔ اور اس کی پاک مٹی کا مجھ میں خمیر ہے

**کَفَی الْعَبْدَ تَقْوَی الْقَلْبِ عِنْدَ حَسِیْبِنَا　　　وَلَیْسَ لِنَسَبٍ ذُوْصَلَاحٍ مُعَیَّرُ**

اور بندہ کو دل کا تقویٰ کافی ہے اور ایک صالح کو۔ اس لئے سرزنش نہیں کر سکتے کہ اس کی نسب اعلیٰ نہیں

اور خدا تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ آپ کا فخر ہدایت اور تقویٰ کی وجہ سے ہے اور دنیا میں کوئی مال مصفّٰی قلب سے بہتر نہیں۔

فرماتے ہیں:

اَحَاطَتْ بِنَا الْاَنْوَارُ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ　　　وَمِنْ اُفُقِنَا شَمْسُ الْمَحَاسِنِ تُشْرِقِ

ہر ایک طرف سے ہمیں نور محیط ہو گئے ہیں اور ہمارے افق سے آفتابِ محاسن طلوع کرتا ہے

وَیَنْمُوْ مِنَ الرَّحْمٰنِ حَقٌّ مُطَهَّرٌ　　　وَمَا کَانَ مِنْ غُوْلٍ فَیُفْنِیْ وَ یُمْحَقُ

اور خُدا کی بات نشوونما پاتی ہے اور جو شیطان کی طرف سے ہو وہ فنا ہو جاتا ہے اور نقصان پذیر ہو جاتا ہے

وَوَاللّٰهِ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ وَ مُحِبُّهٗ　　　أَاَنْتَ عَلَیْنَا بَابَ ذِی الْمَجْدِ تُغْلِقِ

اور بخدا! میں مومن اور محبّ خدا ہوں کیا تو ہم پر خدا تعالیٰ کا دروازہ بند کرتا ہے

وَ تَذْکُرُنِیْ کَالْمُفْسِدِیْنَ مُحَقِّرًا　　　تَقُوْلُ فَقِیْرٌ مُفْلِسٌ بَلْ کَمُدْحَقِ

اور مجھے تحقیر سے تُو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک محتاج مفلس بلکہ ایسے آدمی کی طرح ہے جو بالکل بے نصیب ہو

اَتَفْخُرُ یَا مِسْکِیْنُ! مِنْ قِلَّةِ النُّهٰی　　　بِمَالٍ وَّ اَوْلَادٍ وَّ جَاهٍ وَّ نُسْتَقِ

اے مسکین! کیا کم عقلی کی وجہ سے مال اور اولاد اور مرتبہ اور نوکر چاکروں سے فخر کرتا ہے

**وَمَا الْفَخْرُ اِلَّا بِالتُّقَاةِ وَ بِالْهُدٰی　　　وَلَا مَالَ فِی الدُّنْیَا کَقَلْبٍ یَّتَّقِیْ**

اور فخر محض پرہیزگاری کے ساتھ ہے اور دُنیا میں کوئی مال پرہیزگار دل کی طرح نہیں

اور آخر پر ایک عظیم الشان ثناء باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں کہ اللہ ہی متقیوں کی پناہ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

لَکَ الْحَمْدُ یَا تُرْسِیْ وَ حِرْزِیْ وَ جَوْسَقِیْ　　　بِحَمْدِکَ یُرْوٰی کُلُّ مَنْ کَانَ یَسْتَقِیْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے

بِذِکْرِکَ یَجْرِیْ کُلُّ قَلْبٍ قَدِ اعْتَقٰی　　　بِحُبِّکَ یَحْیٰی کُلُّ مَیْتٍ مُمَزَّقِ

تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مُردہ زندہ ہو جاتا ہے

وَ بِاسْمِکَ یُحْفَظُ کُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا　　　وَ فَضْلُکَ یُنْجِیْ کُلَّ مَنْ کَانَ یُوْبَقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

**وَمَا الْخَیْرُ اِلَّا فِیْکَ یَا خَالِقَ الْوَرٰی وَمَاالکَھْفُ اِلَّا اَنْتَ یَا مُتَّکَأَ التَّقِیْ**

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ ہے

آپ حضرت کے فارسی اشعار میں اسلوبِ بیان کے اعتبار سے تقوٰی کے مضامین عشقِ الٰہی اور صدق کے موضوعات کے تحت پیش کیا گیا ہے ان دونوں موضوعات کو ہم ''محبتِ الٰہی'' اور ''صدق'' کے عنوانات کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اسکا مطالعہ فرمائیں۔

☆

# عاجزی اور خاکساری

اس کتاب میں ہم نے ایک مضمون ''حضرت کا ادب ایک منفرد مکتبِ ادب ہے'' کے عنوان سے باندھا ہے جس میں ہم نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر ادب کا ایک دوسرے سے ممتاز مطمحِ نظر اور جداگانہ ترجیحاتِ ادبی ہوتی ہیں اس لئے اُس کے حسن وخوبی کو پسند کرنے اور دل میں جگہ دینے کے لئے لازم ہے کہ سامع اور مخاطب کی بھی وہی ترجیحاتِ زندگی ہوں اور وہی دلی تمنائیں ہوں جو ادیب کی ہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت میں غالبؔ کا ایک شعر پیش کیا تھا جو ادبی تجزیہ اور انتقاد میں تاثیر کے اعتبار سے ایک عظیم الشان اور زندہ جاوید بیان ہے۔ کہتا ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی شعر میں لذت اور تاثیر اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ شعر کا مضمون سننے والے کے قلبی رجحانات اور ذہنی ترجیحات کے مطابق ہو۔

ادبی اعتبار سے یہی اصل الاصول ہے جس کی بنا پر ذہنی رجحانات رکھنے والے زمینی ادب کے شیدائی ہوتے ہیں اور آسمانی یعنی روحانی رجحانات رکھنے والے خدا تعالیٰ اور انبیاء اصفیاء کے کلام پر فدا ہوتے ہیں۔

ادبِ عالیہ کی یہ باہم دگر ممتاز نوعیت ایک طرف سامع کی ترجیحاتِ زندگی کی نقاب کشائی کر رہی ہوتی ہے وہاں پر دوسرے اعتبار سے اُس کے جذبات کی تربیت اور رجحانات کو صَیقل بھی کر رہی ہوتی ہے۔

اوّل عمل تو زمینی ادب کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ مگر دوسرا عمل جس میں سامع کے روحانی جذبات کی تربیت اور قلبی رجحانات کو صیقل کرنا شامل ہے۔ خالصۃً روحانی ادب کا تخلیقی منشا اور مدّعا ہوتا ہے۔

جب ہم اس زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم اور دیگر صحفِ سماوی اور انبیاء کا کلام روحانی جذبات اور اخلاق کو زندہ کرنے اور ان کی تعدیل ہی کی غرض سے تخلیق ہوا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ ان کا منشاء ایک روحانی اور اخلاقی شخصیت اور کردار پیدا کرنا ہے تو یقیناً بجا ہوگا۔

قرآن کریم کے ادبِ عالیہ سے جو سب سے اعلیٰ وارفع صاحب اخلاقِ حسنہ شخصیت پیدا کی ہے (جس پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں) وہ ہمارے آقا اور مطاع محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیا۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (التوبہ:128)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظلّ اللّٰہ بنتا ہے پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لیے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے آپ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا وہ اس پر سخت گراں ہے اور اسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ صفات اور انداز ہیں جن کی بنا پر آپ میں خاکساری۔ عاجزی اور مقابل پر عفو و درگذر کی صفات پیدا ہوئیں۔ یہی وہ غریبی میں فخر کا انداز ہے کہ آپ نے ایک شخص کو (جو آپ کے رعب اور تمکنت سے بہت مرعوب ہو کر کانپنے لگا تھا) فرمایا کہ ایسے خائف نہ ہو جاؤ "میں تو ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کا ٹکڑا چبا کر اپنی بھوک مٹاتی تھی"۔ یہی وہ ہمدردی اور رحم ہے جس پر آپؐ نے ایک مزدور کا کٹا پھٹا ہاتھ چوم لیا اور غریبی اور بے آرام زندگی کو اختیار کیا اور دعا کی کہ اللہ آپ کو غریبوں اور مسکینوں میں رکھے اور اُنہی میں سے اُٹھائے اور یہی وہ کردار علوی تھا جس کی بنا پر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے القاب نہ دو میرا لقب "عبد" ہے اور اس طرح سے اس سفلی دنیا کے تفاخر اور تمنّا سے بے تعلق ہو گئے۔ **اللّٰھم صلّ علی سیدنا محمد و علیٰ اٰلِ محمد و بارک و سلّم انک حمید مجید.**

اس مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی ہوا کہ عفو کو اختیار کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل میں اعلیٰ اخلاق دکھائے۔

فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (**الاعراف** :200)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

خدا کے مقربوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بُری طرح ستایا گیا۔ مگر ان کو اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ کا ہی فرمان ہوا۔ خود اُس انسانِ کامل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُری تکلیفیں دی گئیں اور گالیاں۔ بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں مگر اس خلق مجسّم نے اس کے مقابلہ میں کیا کیا۔ اُن کے لیے دعا کی۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کرے گا تو تیری عزت اور جان کو ہم صحیح سلامت رکھیں گے اور یہ بازاری آدمی اس پر

حملہ نہ کرسکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور کے مخالف آپ کی عزّت پر حرف نہ لا سکے اور خود ہی ذلیل وخوار ہوکر آپ کے قدموں پر گرے یا سامنے تباہ ہوئے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہمارے مضمون پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے اعتبار سے قرآن کریم کا ذیل کا فرمان اور اس کی تفسیر حضرت اقدس بہت موزوں ہے۔

فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (الحشر:22)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ایک تو اِس آیت کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اُترتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا اور زمین کے ساتھ مِل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور **دوسرے اس کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہوجائیں۔ اوّل تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوُا پہاڑ جس نے سر اُونچا کیا ہوُا ہوتا ہے گِر کر زمین سے ہموار ہوجائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبّر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے** اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گِر کر مُتَصَدِّعًا ہوجاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جُدا ہوجاتی ہے ایسا ہی اسکے تمام پہلے تعلقات جو موجبِ گندگی اور الٰہی نارضامندی تھے وہ سب ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کی رہ جائیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور یہ فرمان بھی تو ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:64)

حضرت اقدسؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

**وَ عِبادُ الرَّحمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا...... الخ ھَون یعنی کسی دوسرے کوظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔**
خدا کے نیک بندے صلحکاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرمایا:

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (الفرقان:73)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ **اِس لئے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ سدِّ باب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گذر جاؤ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے** وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ۔ اگر یہ باتیں اختیار کرلو گے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ اخلاق واطوار علوی ہیں جن کی نشاندہی میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو عظیم الشان الفاظ میں یاد کیا۔

فرمایا: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:5)

حضرت اقدس اس فرمان خداوندی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ جلّ شانہٗ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

یعنی تو ایک بزرگ خُلق پر قائم ہے سو اس تشریح کے مطابق اس کے معنے ہیں یعنی یہ کہ تمام قِسمیں اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم، احسان، صدق، حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوّتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ اَدب، حیا، دیانت، مروّت، غیرت، استقامت، عفّت، ذہانت، اعتدال، مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت، سخاوت، عفو، صبر، احسان، صدق، وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبّر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا۔

معاشرتی اخلاق کے مضمون میں قرآن کریم کی بے شمار ہدایات ہیں۔ ہم نے ان میں سے چند ایک کا انتخاب

کیا ہے۔اس احتیاط کے ساتھ کہ تفسیر وتعبیر حضرت اقدس کی ہو۔
اب ہم اخلاقی موضوعات پر چند ایک فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے ہیں۔
خاکساری اور درگذر کے عنوان میں فرمایا:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَ مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بَعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَ مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ .
(مسلم كتاب البر و الصلة باب استحباب العفو و التواضع)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ جتنا کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی زیادہ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔
عاجزی کے عنوان میں فرمایا:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَّحْرُمُ عَلَى النَّارِ-اَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلَى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ .
(ترمذی كتاب صفة القيامة)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔کیا میں تم کو بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے۔یعنی نفرت نہیں کرتا،ان سے نرم سلوک کرتا ہے۔ان کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے اور سہولت پسند ہے۔
تکبر کے بارے میں فرمایا:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ عَنِ النَّبِیِ ﷺ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍفَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ .
(مسلم كتاب الايمان باب تحريم الكبر و بيانه)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں نہیں داخل ہونے دے گا۔ایک شخص

نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو، وہ خوبصورت لگے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تکبر نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر دراصل یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے لوگوں کو ذلیل سمجھے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان سے بری طرح سے پیش آئے۔

اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں فرمایا:

**عَنِ عَبۡدِاللّٰہِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ رَضِیَ اللّٰہُ قَالَ: نَامَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی حَصِیۡرٍ فَقَامَ وَ قَدۡ اَثَّرَ فِیۡ جَنۡبِہٖ، قُلۡنَا: یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! لَوِ اتَّخَذۡنَا لَکَ وِطَاءً فَقَالَ: مَالِیۡ وَ لِلدُّنۡیَا؟ مَا اَنَا فِی الدُّنۡیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسۡتَظَلَّ تَحۡتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا.**

(ترمذی کتاب الزھد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو رہے تھے۔ جب اٹھے تو چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر نظر آئے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے لئے نرم سا گدیلہ بنا دیں تو کیا اچھا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے دنیا اور اس کے آراموں سے کیا تعلق؟ میں اس دنیا میں اس شتر سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے اترا اور پھر شام کے وقت اس کو چھوڑ کر آگے چل کھڑا ہوا۔

اور عیب جوئی کے بارے میں فرمایا:

**عَنۡ اَبِی ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: یُبۡصِرُ اَحَدُکُمُ الۡقَذَاۃَ فِیۡ عَیۡنِ اَخِیۡہِ وَ یَنۡسَی الۡجِذۡعَ فِیۡ عَیۡنِہٖ.**

(الترغیب و الترھیب، باب الترھیب من ان یامر بمعروف و ینھی عن المنکر و ینسی نفسہ، صفحہ 15/ 4بحوالہ ابن حبان فی صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو انسان کو نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں پڑا ہوا شہتیر وہ بھول جاتا ہے۔

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

(کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

معاشرتی اعتبار سے یہ وہ اخلاق واطوار ہیں جن کو اپنانے کی تلقین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور یہی وہ اخلاق اور طرز زندگی ہے جس کو حضرت اقدس نے اپنے کلام میں بار بار بیان کیا ہے کہ ان کو اختیار کئے بغیر قرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہم نے ان موضوعات کو ترتیب دینے کی غرض سے درج ذیل عنوانات بنائے ہیں۔

عاجزی اور خاکساری

تکبر اور خود پسندی

ترک آسائش وآرام

دنیا سے بے رغبتی

عیب جوئی وبدگمانی

اب ہم ان موضوعات پر حضرت اقدس کا کلام پیش کرتے ہیں۔

اردو زبان میں ایک نہایت خوبصورت بیان سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

**تکبر سے نہیں ملتا وُہ دِلدار**
**مِلے جو خاک سے اُسکو مِلے یار**

کوئی اس پاک سے جو دِل لگاوے
کرے پاک آپکو تب اُسکو پاوے

**پسند آتی ہے اُس کو خاکساری**
**تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری**

عَجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

اور فارسی میں حضرت کی خاکساری کو دیکھیں۔

خاکساریم و سخن از رہِ غربت گوئیم　　　　یَعْلَمُ اللّٰہُ کہ بکس نیست غبارے مارا

ہم تو خاکسار ہیں اور فروتنی سے بات کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ہمیں کسی سے عداوت نہیں

ما نہ بیہودہ پئے ایں سروکارے برویم　　　　جلوۂ حسن کشد جانبِ یارے مارا

ہم فضول اس مقصد کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے بلکہ تجلّی حسن ہمیں محبوب کی طرف کھینچے لیے جارہی ہے۔

اور عربی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عاجزی اور خاکساری کو پسند فرماتا ہے۔

وَ اِنِّــی بَــرِیْءٌ مِّـنْ رَیَـاحِیْنِ غَیْـرِہٖ　　　　وَعَذَابُ شَوْکٍ مِّنْہُ عَذْبٌ وَّ طَیِّبُ

میں اس کے غیر کی (طرف سے آنے والی) خوشبوؤں سے بھی بیزار ہوں اور اسکی طرف سے کانٹے کی تکلیف بھی (میرے نزدیک) شیریں اور عمدہ ہے

**یُحِــبُّ التَّـذَلُّلَ وَ التَّـوَاضُعَ رَبُّنَـا　　　　وَمَـنْ یَّـنْزِلَنْ عَنْ فَرْسِ کِبْرٍ یَّرْکَبُ**

ہمارا ربّ تو عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہے۔ جو تکبر کے گھوڑے سے نیچے اتر آئے وہی شاہ سوار بن جاتا ہے

**وَلِـلصَّـابِـرِیْـنَ یُوَسِّعُ اللّٰـہُ رَحْـمَـہٗ　　　　وَ یَـفْتَـحُ اَبْـوَابَ الْـجَـدَا وَ یُقَـرِّبُ**

اور صبر کرنے والوں کے لئے خدا اپنے رحم کو وسیع کرتا ہے اور عطا کے دروازے کھول دیتا ہے اور قُرب بخشتا ہے

تَــعَــرَّفْتُــہٗ حَتّٰی اَتَتْـنِـیْ مَـعَـارِفُ　　　　وَ اِنَّ الْـفَتٰـی فِـیْ سُـؤٰلِـہٖ لَا یَلْغَبُ

(مجاہدہ سے) میں نے پے در پے ربّ کو طلب کیا یہاں تک کہ میرے پاس معارف آ گئے اور یقیناً باہمّت انسان سوال کرنے میں نہیں تھکتا

اردو میں بہت ہی پیارا کلام بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

جو خاک میں مِلے اُسے ملتا ہے آشنا
اَے آزمانے والے! یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وُہ یار کو مَر مَر کے پاتے ہیں
جب مَر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے
دِلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے

ہمارے پیارے مسیح کی عاجزی اور انکساری کا عالم مشاہدہ کریں کہ باوجود منصب رسالت اور مجددیّت پر

فائز ہونے کے کس قدر عاجزی سے فرماتے ہیں:

کام جو کرتے ہیں تیری راہ میں پاتے ہیں جزا
مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار

کِرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

فارسی میں فرماتے ہیں کہ عجز و نیاز وصالِ باری تعالیٰ کی شرط ہے۔

فرماتے ہیں:

از خدا باشد خدا را یافتن ‏ نے بہ مکر و حیلہ و تدبیر و فن

خدا کی مدد سے ہی خدا کو پاسکتے ہیں نہ کہ چالاکی، حیلہ اور مکر و فریب کے ساتھ

تانیائی پیش حق چوں طفلِ خورد ‏ ہست جامِ تو سراسر پُر زِ دُرد

جب تک تو چھوٹے بچے کی طرح خدا کے سامنے نہ آئیگا۔ تب تک تیرا جام صرف تلچھٹ سے ہی بھرا رہیگا

**شرطِ فیضِ حق بود عجز و نیاز ‏ کس ندیدہ آب بر جائے فراز**

خدا کے فیضان کے لیے عجز و نیاز شرط ہے۔ کسی نے پانی کو اونچی جگہ ٹھہرتے نہیں دیکھا

حق نیازے جویَد آنجا ناز نیست ‏ از پرِ خود تا درش پرواز نیست

خدا کو عاجزی پسند ہے وہاں فخر کام نہیں آتا۔ اپنے پروں سے اُس تک اُڑ کر نہیں پہنچ سکتے

عاجزاں را پرورد ذاتِ اَجَل ‏ سرکشاں محروم و مردودِ ازل

وہ بزرگ ذات عاجزوں کی پرورش کرتی ہے۔ اور سرکش ہمیشہ محروم و مردود رہتے ہیں

چوں نیائی زیرِ تابِ آفتاب ‏ کے فتد بَر تُو شعاعے در حجاب

جب تک تو سورج کی روشنی کے سامنے نہیں آتا۔ تو پردہ کے پیچھے تجھ پر اُس کی روشنی کیونکر پڑسکتی ہے

اس مضمون میں ایک مفصّل اور عارفانہ کلام کا دوبارہ مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لیے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیِٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
شوخی و کِبر دیوِ لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
اے کِرمِ خاک! چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کِبر حضرتِ ربِّ غیور کو
**بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں**
**شاید اِسی سے دخل ہو دار الوِصال میں**
**چھوڑو غرور و کبر کہ تقوٰی اِسی میں ہے**
**ہو جاؤ خاک مرضیِٔ مولےٰ اِسی میں ہے**
**تقویٰ کی جڑ خدا کے لیے خاکساری ہے**
**عِفّت جو شرطِ دِیں ہے وُہ تقویٰ میں ساری ہے**
جو لوگ بدگُمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقوٰی کی راہ سے وُہ بہت دور جاتے ہیں
بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے
اِک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے
اِک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

اور بہت درد سے فرمایا:

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
ورنہ خیالِ حضرتِ عزّت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تاتم پر ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اوراپنی جماعت کے لیئے ایک دردمندانہ نصیحت کوبھی سُن لیں۔
فرماتے ہیں:

اے مرے پیارو! شکیب و صبر کی عادت کرو
وُہ اگر پھیلائیں بدبُو تُم بنو مُشکِ تتَار
نفس کو مارو کہ اُس جیسا کوئی دشمن نہیں
چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وُہ سامانِ دِمار
جس نے نفسِ دُوں کو ہمّت کرکے زیرِ پا کیا
چیز کیا ہیں اُس کے آگے رُستم و اسفندیار
گالیاں سُن کر دُعا دو پاکے دُکھ آرام دو
کِبر کی عادت جو دیکھو تُم دکھاؤ اِنکسار
تم نہ گھبراؤ اگر وُہ گالیاں دیں ہر گھڑی
چھوڑ دو اُن کو کہ چھپوائیں وُہ ایسے اِشتہار
چپ رہوتم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں سِتم
دم نہ مارو گر وُہ ماریں اور کردیں حال زار
دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدّتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

اورآخر پرہمارے آقااورمطاع محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اورانکساری کابھی مشاہدہ کریں۔
آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں فرماتے ہیں:

عاشقِ صدق و سداد و راستی دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے
وہ صدق ۔ سچائی اور راستی کا عاشق ہے۔ مگر کذب ۔ فساد اور شرّ کا دشمن ہے

**خواجۂ و مر عاجزاں را بندۂ　　بادشاہ و بیکساں را چاکرے**

وہ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کا غلام ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ مگر بیکسوں کا چاکر ہے

**آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید　　کس ندیدہ در جہاں از مادرے**

وہ مہربانیاں جو مخلوق نے اُس سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں میں بھی نہیں پائیں

از شرابِ شوقِ جاناں بیخودے　　ورسرش برخاک بنہادہ سرے

وہ محبوب کے عشق کی شراب میں بیخود ہے اُس کی محبت میں اُس نے اپنا سرخاک پر رکھا ہوا ہے

روشنی از وے بہر قومے رسید　　نُورِ او رخشید بر ہر کشورے

اُس سے ہر قوم کو روشنی پہنچی۔ اُس کا نور ہر ملک پر چمکا

آیتِ رحمان برائے ہر بصیر　　حجّتِ حق بہر ہردیدہ ورے

وہ ہر صاحب بصیرت کے لئے آیت اللہ اور ہر اہل نظر کے لیے حجتِ حق ہے

**ناتواناں را برحمت دستگیر　　خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے**

کمزوروں کا رحمت کے ساتھ ہاتھ پکڑنے والا اور ناامیدوں کا شفقت کے ساتھ غم خوار

حُسنِ رُویش بہ زِ ماہ و آفتاب　　خاکِ کُویش بہ زِ مُشک و عنبرے

اُس کے چہرہ کا حسن شمس وقمر سے زیادہ ہے اور اُس کے کوچہ کی خاک مشک وعنبر سے بہتر ہے

## تکبر اور خود پسندی

اردو میں ایک خوبصورت نظم خود پسندی اور تکبّر کے مضمون میں مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُ ہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

اگر چہ یہ اشعار عاجزی اور خاکساری کے عنوان کے تحت آ چکے ہیں مگر ان کا تکبّر کے مضمون سے بھی قوی تعلق ہے۔

تکبر سے نہیں ملتا وُہ دِلدار
مِلے جو خاک سے اُسکو مِلے یار

کوئی اس پاک سے جو دِل لگا وے
کرے پاک آپکو تب اُسکو پاوے

**پسند آتی ہے اُس کو خاکساری**
**تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری**

عَجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

فارسی میں فرماتے ہیں:

من آں شاخ خودی و خودروی از بیخ بر کندم — کہ مے آرد زِ ناپا کی بر نفرین ولعنت را

میں نے خودی اور خودرائی کی اُس شاخ کو جڑ سے کاٹ ڈالا جو اپنی ناپا کی سے نفرین اور لعنت کا پھل پیدا کرتی ہے

اگر از روضۂ جان و دلِ من پردہ بردارند — بہ بینی اندراں آں دلبرِ پا کیزہ طلعت را

اگر میرے جان و دل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تُو اُس میں اُس پا کیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا۔

فروغِ نورِ عشقِ اُو زِبام و قصرِ ما روشن — مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را

اُس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بام و قصر روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو

نگاہِ رحمتِ جاناں عنایتہا بمن کردست — وگرنہ چوں منے کے یابد آں رشد و سعادت را

محبوب کی نگاہ و رحمت نے مجھ پر بڑی عنایتیں کی ہیں ورنہ مجھ جیسا انسان کس طرح اس رشد و ہدایت کو پاتا

نظر بازانِ علم ظاہر اندر علم خود نازند! — زِ دستِ خود فگندہ معنی و مغز و حقیقت را

ظاہری علوم کے واقف اپنے علم پر نازاں ہیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے اصلیت اور حقیقت اور مغز کو پرے پھینک دیا

**ہمہ فہم و نظر در پردہ ہائے کبر پوشیدند　　چناں خواہند ایں خمرے کہ پاکاں جامِ قُربت را**

انہوں نے تکبّر کے پردوں میں اپنی عقل ودانش کو چھپا دیا اور اس شراب کے ایسے خواہشمند ہیں جیسے پاک لوگ قرب الٰہی کے

عربی زبان میں آپ حضرت کی تکبر سے دوری کو مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

**وَ وَ اللّٰہِ اِنِّی مَا ادَّعَیْتُ تَعَلِّیًا　　وَ اَبْغِیْ حَیَاتًا مَّا یَلِیْهَا التَّکَبُّرُ**

اور بخدا! میں نے تعلّی کی راہ سے دعوٰی نہیں کیا۔اور میں ایسی زندگی چاہتا ہوں جس پر تکبّر کا سایہ ہی نہ ہو

**وَ قَدْ سَرَّنِیْ اَنْ لَّا یُشَارَ بِاِصْبَعٍ　　اِلَیَّ وَ اُلْقٰی مِثْلَ عَظْمٍ یُعَفَّرُ**

اور میری یہ خوشی رہی کہ میری طرف انگلی کے ساتھ اشارہ نہ کیا جاوے اور میں ایسا پھینک دیا جاؤں جیسا کہ ایک ہڈی خاک آلودہ

**فَلَمَّا اَجَزْنَا سَاحَةَ الْکِبْرِ کُلَّهَا　　اَتَانِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَحْیٌ یُّکَبِّرُ**

پس جبکہ ہم تکبر کے میدان سے بہت دور نکل گئے اور سب میدان طے کرلیا۔تب خدا کی وحی میرے پاس آئی جس نے مجھے بڑا بنا دیا

فارسی میں خود پسندی اور تکبّر کو خدا سے دوری کا موجب قرار دیا ہے۔

خود پسنداں بعقلِ خویش اسیر　　فارغ از حضرتِ علیم و قدیر

خود پسند اور اپنی عقل کے اسیر ہیں اور خدائے علیم و قدیر سے بیگانہ ہیں

آنکہ خود بین و معجب اُفتاد است　　حضرتِ اقدسش کجا یاداست

وہ شخص جو خود پسند اور متکبّر ہے خدائے پاک اُسے کہاں یاد ہے

**خوئے عُشّاق عجز ہست و نیاز　　نشنیدیم عشق و کِبر انباز**

عاشقوں کی عادت تو عجز و نیاز ہے ہم نے کبھی عشق اور تکبّر کو ساتھ ساتھ نہیں پایا

گر بجوئی سوارِ ایں رہِ راست　　اندر آنجا بجو کہ گرد بخاست

اگر تو اس سیدھے راستے کے سوار کی تلاش میں ہے۔تو وہاں ڈھونڈھ جہاں گرد اُڑ رہی ہے

اندر آنجا بجو کہ زور نماند　　خود نمائی و کبر و شور نماند

اسے ایسی جگہ ڈھونڈ جہاں زور نہیں رہا۔ شیخی نہیں رہی تکبّر اور شور نہیں رہا

فانیاں را جہانیاں نرسند     جانیاں را زبانیاں نرسند

اس دنیا کے لوگ فانی لوگوں کونہیں پہنچ سکتے اور زبانی مدعی سچے عاشقوں کونہیں پہنچ سکتے

اورفرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کوعلمی خزانے اپنے احسان سے عطا کئے ہیں۔اوراس لیے دیئے ہیں کہ آپ تکبر سے دور ہو گئے ہیں۔

**اَللّٰـهُ اَعْطَـانِـیْ حَـدَائِقَ عِـلْـمِهٖ     لَـوْلَا الْـعِـنَـايَةُ كُـنْتُ كَـالسُّـفَهَـاءِ**

اللہ نے مجھے اپنےعلم کے باغ عطافرمائے ہیں۔اگراللہ کی عنایت نہ ہوتی تو میں بھی بےوقوفوں کی طرح ہوتا

**اِنِّــیْ دَعَـوْتُ الـلّٰــهَ رَبًّــا مُحْسِنًـا     فَـاَرٰی عُيُـوْنَ الْـعِـلْـمِ بَعْدَ دُعَـائِیْ**

میں نے اپنے اللہ ربِّ محسن سے درخواست کی تو میری دعا کے بعد اس نے (مجھے)علم کے چشمے دکھادیئے

**اِنَّ الْـمُهَيْـمِـنَ لَا يُـعِـزُّ بِـنَـخْـوَةٍ     اِنْ رُمْـتَ دَرَجَـاتٍ فَـكُـنْ كَعَفَـاءِ**

بےشک خدائے نگہبان تکبّر پرعزت نہیں دیتا۔اگرتو درجات حاصل کرنا چاہتا ہےتو خاک کی طرح ہوجا

خودی اورخودروی اللہ کو پسندنہیں۔بہت ہی خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں۔

جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے

جو جلتا ہے وہی مُردے جلاوے

ثمر ہے دُور کا کب غیر کھاوے

چلو اُوپر کو وُہ نیچے نہ آوے

نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے

غریقِ عشق وہ موتی اُٹھاوے

**وُہ دیکھے نیستی رحمت دکھاوے**

**خودی اور خودروی کب اسکو بھاوے**

مُجھے تُو نے یہ دَولت اے خدا دی

**فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

# ترکِ آسائش و آرام

اس عنوان میں بہت ہی خوبصورت بیان اردو میں سن لیں۔

فرماتے ہیں:

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کِبر و غرور و بُخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
ورنہ خیال حضرت عزّت کو چھوڑ دو

**تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول**
**تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول**

عربی میں فرماتے ہیں کہ عیش و آرام کی زندگی اصل دشمن ہے۔

فرماتے ہیں:

**اَطِعُ رَبَّکَ الْجَبَّارَ اَهْلَ الْاَوَامِرِ وَ خَفُ قَهُرَهُ وَ اتُرُکُ طَرِيُقَ التَّجَاسُرِ**

اپنے ربّ کی، جو جبار اور احکام دینے کا حقدار ہے، اطاعت کر اور اس کے قہر سے ڈر اور بے جا دلیری کا طریق چھوڑ دے

**وَ کَيُفَ عَلٰی نَارِ النَّهَابِرِ تَصُبِرُ وَاَنُتَ تَاَذّٰی عِنُدَ حَرِّ الُهَوَاجِرِ**

اور تو جہنم کی آگ پر کیسے صبر کر سکے گا حالانکہ تو تو دو پہروں کی تپش سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے

**وُ حُبُّ الُهَوٰی وَ اللّٰهِ صِلٌّ مُّدَمِّرٌ کَمَلُمَسِ اَفُعٰی نَاعِمٌ فِی النَّوَاظِرِ**

اور ہوا و ہوس کی محبت، خدا کی قسم! ایک مہلک سانپ ہے جو سانپ کی کینچلی کی طرح بظاہر نرم دکھائی دیتی ہے

اس مضمون میں فارسی زبان میں ایک عالیشان پُرعظمت و شوکت کلام ہے۔ اس میں ایک مصرعے کا ایک حصّہ الہامی ہے۔

''کہ مے خواہد نگارِ من تہیدستانِ عشرت را''

یہ الہام حضور اقدسؑ کو ایک کشفی نظارے کے دوران ہوا تھا جس میں ایک فرشتے نے آپ حضور کو باری تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی پانے کی شرط بتائی تھی ''تہید ستانِ عشرت را''یعنی وصالِ باری تعالیٰ کے لئے عیش وعشرت کی زندگی کو ترک کرنا ہوگا اور آپ حضرت کو یہ پیغام الٰہی ایسا پیارا لگا کہ آپ نے اس کو ایک شعر میں شامل کر کے محفوظ کرلیا ہم چاہتے ہیں کہ حصولِ برکت کے لئے حضرت اقدس کے الفاظ میں اس واقعہ کو درج کر دیں۔

فرماتے ہیں:

۱۸۷۲ء (قریبًا) ''مَیں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ بٹالہ کے مکانات میں ایک حویلی ہے اُس میں ایک سیاہ کمبل پرمَیں بیٹھا ہوں اور لباس بھی کمبل ہی کی طرح کا پہنا ہوا ہے گویا کہ دُنیا سے الگ ہوا ہوں۔ اِتنے میں ایک لمبے قد کا شخص آیا اور مجھے پوچھتا ہے کہ میرزا غلام احمد میرزا غلام مرتضٰی کا بیٹا کہاں ہے؟ مَیں نے کہا کہ مَیں ہوں۔ کہنے لگا کہ مَیں نے آپکی تعریف سُنی ہے کہ آپ کو اسرارِ دینی اور حقائق اور معارف میں بہت دخل ہے، یہ تعریف سُنکر ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ مَیں نے کیا جواب دیا۔ اِس پر اُس نے آسمان کی طرف مُنہ کیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بہہ کر رخسار پر پڑتے تھے۔ ایک آنکھ اُوپر تھی اور ایک نیچے، اور اُس کے مُنہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل رہے تھے:۔

''تہی دستانِ عشرت را''

اِس کا مطلب مَیں نے یہ سمجھا کہ یہ مرتبہ انسان کو نہیں ملتا جب تک کہ وہ اپنے اُوپر ایک ذبح اور موت وارد نہ کرے۔

اِس مقام پر عرب صاحب نے حضرت کا یہ شعر پڑھا جس میں یہ کلمہ مُنسلک تھا

''کہ مے خواہد نگارِ من تہی دستانِ عشرت را''

(ترجمہ از مرتّب) کیونکہ میرا محبوب آرام طلبی کی زندگی سے الگ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(تذکرہ، ایڈیشن چہارم صفحہ 13، 14)

فرماتے ہیں:

بہ نخوت ہا نمی آید بدست آں دامنِ پاکش | کسے عزت ازو یابد کہ سوزد رختِ عزّت را

اُس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا۔ اُس کے ہاں اسی کو عزت ملتی ہے جو لباسِ عزّت جلا دیتا ہے

اگر خواہی رہِ مولے زِلافِ علم خالی شو | کہ رہ ندہند در کُویش اسیرِ کبر و نخوت را

اگر مولا کی راہ چاہتا ہے تو علم کی شیخی ترک کر کہ اُس کے کوچہ میں اسیر کبر و نخوت کو گُھسنے نہیں دیتے

**منہ دل در تنعم ہائے دُنیا گر خدا خواہی　　که مے خواہد نگارِ من تہید ستانِ عشرت را**

اگر خدا کا طلبگار ہے تو دنیوی نعمتوں سے دل نہ لگا کہ میرا محبوب ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو عیش کے تارک ہوں

**مصفّا قطرۂ باید که تا گوہر شود پیدا　　کجا بیند دلِ ناپاک روئے پاک حضرت را**

پانی کا مصفا قطرہ چاہئیے تا کہ اس سے موتی پیدا ہو۔ناپاک دِل خدا کے پاک چہرہ کو کہاں دیکھ سکتا ہے

**نمے باید مرا یک ذرّہ عزتہائے ایں دُنیا　　منہ از بہرِ ما کرسی که ماموریم خدمت را**

مجھے ذرّہ بھر بھی دُنیا کی عزت درکار نہیں۔ ہمارے لیے کرسی نہ بچھا کہ ہم تو خدمت پر مامور ہیں

محبتِ الٰہی میں عیش وآرام کی زندگی کو ترک کرنے کا ارادہ بھی مشاہدہ کریں:

اردو میں فرماتے ہیں:

ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے
دُنیا میں عِشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشقِ صفا یہی ہے
مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اُڑایا
جب سے سُنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
دِلبر کا دَرد آیا حرفِ خودی مٹایا
جب مَیں مَرا جِلایا جامِ بقا یہی ہے
**اِس عشق میں مصائب سَو سَو ہیں ہر قدم میں**
**پر کیا کروں کہ اس نے مُجھ کو دیا یہی ہے**
**حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں**
**اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے**

فارسی میں آپ حضرت کی خاکساری عاجزی اور عشق الٰہی کا مشاہدہ کریں۔

امروز قومِ من نشناسد مقامِ من　　روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی لیکن ایک دن آئیگا کہ وہ رو رو کر میرے مبارک وقت کو یاد کرے گی

اے قومِ من بصبر نظر سُوئے غیب دار　　　تا دستِ خود بہ عجز زِ بہر تو گسترم!

اے میری قوم صبر کیساتھ غیب کی طرف نظر رکھ تا کہ میں اپنے ہاتھ (خدا کی درگاہ میں) تیری خاطر عاجزی کے ساتھ پھیلاؤں

**گر ہمچو خاک پیشِ تو قدرم بود چہ باک　　　چوں خاک نے کہ از خس وخاشاک کمترم**

اگر تیرے نزدیک میری قدر خاک کے برابر بھی ہوتو کیا مضائقہ ہے خاک تو کیا میں کوڑے کرکٹ سے بھی زیادہ حقیر ہوں

**لُطف است وفضلِ اُو کہ نوازد وگرنہ من　　　کِرمم نہ آدمی صَدف استم نہ گوھرم!**

یہ اس کا فضل اور لطف ہے کہ وہ قدردانی کرتا ہے ورنہ میں تو ایک کیڑا ہوں نہ کہ آدمی۔ سیپی ہوں نہ کہ موتی

**زِ انگو نہ دستِ اُو دلم از غیر خود کشید　　　گوئی گہے نبود دِگر در تصوّرم**

اس کے ہاتھ نے اس طرح میرے دل کو غیر کی طرف سے کھینچ لیا گویا اس کے سوا اور کوئی بھی میرے خواب وخیال میں نہ تھا

**بعد از خدا بعشقِ محمد مُخمّرم　　　گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم**

**خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں**

**ہر تار و پودِ من بسراید بعشقِ اُو　　　از خود تہی و ازغمِ آں دلستاں پُرم**

**میرے ہر رگ وریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں**

**من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم　　　دستش محافظ است زِ ہر بادِ صرصرم**

**میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُس کا ہاتھ ہر بادصرصر سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔**

## دنیا سے بے رغبتی

فارسی میں فرماتے ہیں کہ اس دل کو جو دنیا کا آرام ڈھونڈتا ہے محمدؐ کے دین کی خاطر غم کدہ بنادو۔

دوستاں خود را نثارِ حضرِ جاناں کنید　　　در رہِ آں یارِ جانی جان و دل قرباں کنید

اے دوستو اپنے تئیں محبوبِ حقیقی پر قربان کر دو اور اس جانی دوست کی راہ میں جان و دل نثار کر دو

**آں دلِ خوش باش را کاندر جہان جوید خوشی　　　از پئے دینِ محمد کلبۂ احزاں کنید**

اس آرام پسند دل کو جو اس جہان میں خوشیاں ڈھونڈتا ہے محمد کے دین کی خاطر بیت الحزن بنادو

از تعیّش ہا بروں آئید اے مردانِ حق خویشتن را از پئے اسلام سرگرداں کنید

اے مردانِ خدا عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ دو اور اب اپنے آپ کو اسلام کی خاطر سرگرداں کرو

اردو میں دنیا سے بے رغبتی کی نصیحت کو سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

کہاں تک حرص و شوقِ مالِ فانی!
اُٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی
کہاں تک جوشِ آمال و اَمانی
یہ سَو سَو چھید ہیں تم میں نہانی
تو پھر کیونکر ملے وُہ یارِ جانی
کہاں غِربال میں رہتا ہے پانی
کرو کُچھ فِکر مُلکِ جاودانی
یہ مُلک و مال جُھوٹی ہے کہانی
بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی
مگر دِل میں یہی تم نے ہے ٹھانی
خُدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی
ذرا سوچو یہی ہے زندگانی؟
خُدا نے اپنی رہ مُجھ کو بتا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

اور حبّ جاہ والوں سے خطاب بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

اے حُبِّ جاہ والو! یہ رہنے کی جا نہیں
اِس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جاکے اُن کے مقابر کو اِک نظر
سوچو کہ اب سلف ہیں تمھارے گئے کدھر

اِک دِن وہی مقام تمہارا مقام ہے
اِک دن یہ صُبح زِندگی کی تم پہ شام ہے
اِک دِن تمہارا لوگ جنازہ اُٹھائیں گے
پھر دفن کرکے گھر میں تاسّف سے آئیں گے
اے لوگو! عیشِ دُنیا کو ہرگز وفا نہیں
کیا تُم کوخوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں
سوچو کہ باپ دادے تمہارے کِدھر گئے
کِس نے بُلالیا وُہ سبھی کیوں گذر گئے
وُہ دن بھی ایک دِن تمہیں یارو نصیب ہے
خوش مت رہو کہ کُوچ کی نوبت قریب ہے
ڈھونڈو وُہ راہ جس سے دِل و سینہ پاک ہو
نفسِ دَنی خُدا کی اطاعت میں خاک ہو

ایک بہت پیار کلام جو حقیقت میں اس مضمون کی جان ہے اور حضرت اقدس کے واصل باللہ ہونے کا ثبوت ہے اس کو بھی سُن لیں۔

**تاج و تختِ ہند قیصر کو مُبارک ہو مدام**
**اُن کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہِ روزگار**
**مجھ کو کیا ملکوں سے میرا مُلک ہے سب سے جُدا**
**مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار**
**ہم تو بستے ہیں فلک پر اِس زمیں کو کیا کریں**
**آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نِقار**
**مُلک رُوحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر**
**گو بہت دُنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار**
**داغِ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عزّ و جاہ**

جس کا جی چاہے کرے اس داغ سے وُہ تن فگار

کام کیا عِزّت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض

گر وُہ ذلّت سے ہو راضی اُس پہ سَو عِزت نثار

ہم اُسی کے ہوگئے ہیں جو ہمارا ہوگیا

چھوڑ کر دُنیائے دُوں کو ہم نے پایا وُہ نِگار

دیکھتا ہوں اپنے دِل کو عرشِ ربّ العالمیں

قُرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مُجھ میں یار

اوراس مضمون میں ایک بہت پیارے انداز میں کی گئی نصیحت کو بھی سُن لیں۔ بہت ہی سادہ مؤثر اور دلفریب کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

اے دوستو پیارو! عقبیٰ کو مت بِسارو

کُچھ زادِ راہ لے لو، کُچھ کام میں گذارو

دُنیا ہے جائے فانی دِل سے اِسے اُتارو

یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

جی مت لگاؤ اس سے دِل کو چھڑاؤ اِس سے

رغبت ہٹاؤ اِس سے بس دُور جاؤ اِس سے

یارو! یہ اژدھا ہے جاں کو بچاؤ اس سے

یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

فارسی میں فرماتے ہیں:

عیش دُنیائے دُوں دمے چند ست     آخرش کار با خداوند ست

اس ذلیل دُنیا کا عیش چند روزہ ہے بالآخر خدا تعالےٰ سے ہی کام پڑتا ہے

ایں سرائے زوال و موت و فناست     ہرکہ بنشست اندریں برخاست

یہ دُنیا زوال مَوت اور فنا کی سرائے ہے جو بھی یہاں رہا وہ آخر رخصت ہوا

یک دمے رَو بسوئے گورستاں و از خموشانِ آں بہ پُرس نشاں
تھوڑی دیر کے لیے قبرستان میں جا اور وہاں کے مُردوں سے حال پوچھ
کہ مآلِ حیاتِ دُنیا چیست ہر کہ پیدا شد ست تا کے زیست
کہ دُنیا کی زندگی کا انجام کیا ہے۔ اور جو پیدا ہوا وہ کب تک جیا ہے
**ترک کُن کین و کبر و ناز و دلال تانہ کارت کشد بسُوئے ضلال**
کینہ۔ تکبّر۔ فخر اور ناز چھوڑ دے تاکہ تیرا خاتمہ گمراہی پر نہ ہو

## عیب جوئی و بدگمانی

بہت ہی خوبصورت اور مؤثر بیان ہے۔

فرماتے ہیں:

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دور جاتے ہیں
بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے
اک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے
اک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

اور مزید فرماتے ہیں۔ عجیب مؤثر کلام ہے:

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بدگمان سے
ڈرتے رہو عِقابِ خدائے جہان سے
شاید تمہاری آنکھ ہی کرجائے کچھ خطا
شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما
شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو!
شاید وہ آزمائشِ ربّ غفور ہو
پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک
خود سر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک

## مناجات۔دعا

مناجات کے عنوان میں سب سے اوّل تو وہ مناجات ہے جو ہمارے آقا سیّدی حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت منشی احمد جان صاحب کے ہاتھ خانۂ کعبہ کے سامنے پڑھ کر سنانے کی ہدایت کی تھی۔ گو وہ نظم میں نہیں مگر ایسی ہے کہ اس کا جواب جناب باری تعالیٰ نے نظم یعنی شعر میں دیا تھا اور اس کو محبت سے قبول کیا تھا۔

جیسا کہ الہام حضرت اقدس سے ظاہر ہے۔

دِلم مے بلرزد چو یاد آورم　　　مناجاتِ شوریدہ اندر حَرم

میرا دل کانپنے لگتا ہے جب میں یاد کرتا ہوں ایک عاشق کی مناجات کو جو اس نے حرم میں کی تھی

(تذکرہ صفحہ 341۔مطبوعہ 2004ء)

ہم اس الہام خداوندی کی برکت کو حاصل کرتے ہوئے اپنے مضمون کو شروع کرتے ہیں اور قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تفصیل تذکرہ صفحہ 341، 342 سے حاصل کریں۔

لغوی اعتبار سے مناجات کے معنے یہ ہیں کہ ایسی نظم جس میں خدا تعالیٰ کی تعریف کر کے دعا مانگی جائے۔اس لئے ہم نے اس مضمون کے عنوان کو ہی مناجات ودعا کے ساتھ منسلک کیا ہے تا کہ اس کے معنی کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

حضرت اقدس کی تعلیم وتربیت میں جس امر پر بے انتہا تاکید وتلقین کی گئی ہے وہ باری تعالیٰ کی جناب میں دعا کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی دعاوی کی صداقت کے بارے میں بھی فرمایا کہ دعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے تصدیق حاصل کرو۔

فرمایا:

عزیزاں مے دہم صدبار سوگند　　　بروئے حضرتِ داوار سوگند

اے دوستو میں تمہیں سینکڑوں قسمیں دیتا ہوں اور جنابِ الٰہی کی ذات کی قسمیں دیتا ہوں

کہ در کارم جواب از حق بجوئید　　　بہ محبوبِ دلِ ابرار سوگند

کہ میرے معاملہ میں خدا سے ہی جواب مانگو۔ میں تمہیں نیکوں کے دلوں کے محبوب کی قسم دیتا ہوں

آپ نے دعا کے آداب اور اس کی تاثیر اور نتائج کے مضمون میں جو تعلیم دی ہے وہ بنیادی طور پر قرآن کریم کے ذیل کے فرمودات کی تفسیر وتعبیر پر مشتمل ہے۔

اوّل فرمانِ خداوندی ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ (البقرۃ:187)

اوّل مقام پر حضرت اقدس اس فرمان کے تحت فرماتے ہیں کہ دعا کا قبول ہونا خدا کی ہستی پر دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں۔ میرا وجود نہایت اقرب طریق سے سمجھ آ سکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دُعا کرنے والا مجھے پُکارے تو میں اُس کی سُنتا ہوں اور اپنے الہام سے اُس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ میرا قادر ہونا بھی بپایۂ یقین پہنچتا ہے۔لیکن چاہیئے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خداترسی کی پیدا کریں کہ میں ان کی آواز سنوں۔اور نیز چاہیئے کہ وہ مجھ پر ایمان لاویں اور قبل اس کے جواُن کو معرفت تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں:

دعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رویا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے جب کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے غرض دعا بڑی دولت اور طاقت ہے۔اور قرآن شریف میں جابجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دعا کے ذریعہ اپنے مشکلات سے نجات پائی۔**انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔**پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی

ہوگی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاویگا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور فرمایا کہ دعا انسان کا خدا تعالیٰ سے رشتہ قائم کر دیتی ہے۔

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی یہ دعا ایسی شی ہے جو عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور دعا کی تاثیر کے بارے میں فرمایا۔

**دعا ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے اگر دعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو پھر اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور دعا کی اہمیت کے بارے میں فرمایا۔

**اسلام کی صداقت اور حقیقت دعا ہی کے نکتہ کے نیچے مخفی ہے کیونکہ اگر دعا نہیں تو نماز بے فائدہ، زکوۃ بے سود اور اسی طرح سب اعمال معاذ اللہ لغو ٹھہرتے ہیں۔**

(تفسیر حضرت اقدس)

اور فرمایا کہ دعا کرنا قرآن کریم نے فرض قرار دیا ہے اور اس کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

دُعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اِس کی فرضیت کے چار سبب ہیں(۱)ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اِس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مُرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲)دوسرے یہ کہ تا دُعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔(۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔(۴)چوتھے یہ کہ دعا کی قبولیت کا الہام اور رؤیا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اِسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیرآیت)

اور آخر پر سب سے اچھی دعا کی نشاندہی میں فرماتے ہیں:

سب سے عمدہ دُعا یہ ہے کہ خدا کی رضا مندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو۔ کیونکہ

گناہوں ہی سے دِل سخت ہوجاتا اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کردیتے ہیں۔ دور کردے۔ اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون میں دوسری آیت قرآنیہ میں فرمان ہے۔

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ (النمل:63)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خداوہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا سُنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے دعا کی قبولیّت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کرسکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی رُوحانیّت نہیں۔ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے اَدبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین وآسمان کی صفت پر غور کرنے سے سچّا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دعا کی قبولیّت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون میں تیسرا فرمانِ قرآن یہ ہے۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ (المؤمن:61)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں دعا کی تاثیر کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ”تمام انبیاءؑ اور اولیاءؒ نے جو معجزات اور کرامات دکھائیں وہ دراصل باری تعالیٰ کی جناب میں دعا ہی کے نتیجہ میں صادر ہوئیں اور ان سب انبیاء کے معجزات میں سب سے اوّل اعلیٰ اور روشن معجزہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ظاہر ہوا کہ خداتعالیٰ نے اپنی ایسی تجلّیٔ عظمیٰ دکھائی کہ جو پہلے کبھی نہیں دکھائی گئی تھی اور نہ ہی آئندہ دکھائی جائے گی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔“

ہمارے پیارے اور مطاع اور آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضور کا یہ فرمان آنحضرت کی نعت میں ایک شاہکار کلام ہے اس کی بھی ایسی شان ہے کہ ایسا کلام نہ پہلے ظہور میں آیا اور نہ بعد میں آئے گا۔

**اللھم صل علٰی محمد و علٰی عبدہ المسیح الموعود**

فرماتے ہیں:

یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوّتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالَمِ سفلی اور علوی میں تصرّف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ **وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پَیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کِسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کِسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔** اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ و غَمِّہٖ وَ حُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَ اَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ ۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسبابِ طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التّاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور آخر پر تاثیر اور قبولیت دعا کا ایک بے نظیر تیر بہ ہدف نسخہ بھی ہمارے پیارے مسیحؑ سے سُن لیں۔
فرماتے ہیں:

**قبولیّتِ دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔اوّل: اِنْ کنتم تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی۔**

**دوم: یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔**

**تیسرا: موہبتِ الٰہی۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یعنی اوّل اتبّاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم
دوم عشق رسول اور درود و سلام ہو
سوم خدا تعالیٰ کی عنایت

دعا کی اہمیت اور تاثیر کو قرآن کریم کے فرمودات اور حضرت اقدسؑ کی تفسیر کے مطابق بیان کرکے ہم اس دعا کو پیش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے اپنے اوّل فرمان میں تعلیم دی ہے جو تمام دعاؤں کی سرتاج اور سرخیل ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔

سب سے اوّل ہم اپنے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور ایک قدسی حدیث پیش کرتے ہیں۔

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلَاۃَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَ اِذَا قَالَ ﴿مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وقَالَ مَرَّۃً فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ فَاِذَا قَالَ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ قَالَ ھٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ﴾ قَال ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ.**

(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''کہ میں نے دعا کو اپنے اور اپنے غلام میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میرے غلام کو وہ دونگا جو اس نے مجھ سے مانگا''۔

اس لئے جب میرا غلام ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے غلام نے میری حمد کی اور جب میرا غلام ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم '' کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے غلام نے میری ثناء کی اور جب کہتا ہے ''مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن ''تو اللہ کہتا ہے میرے غلام نے میری مجد کی ہے (اور ایک بار فرمایا میرے غلام نے یہ کام میرے سپرد کر دیا ہے) اور جب وہ کہتا ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے غلام کے درمیان بات ہے اور میرے غلام کے لئے وہ ہے جو اُس نے مانگا اور جب وہ کہتا ہے ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صَرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّالِّیْن '' تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے غلام کا سوال ہے اور میرے غلام کے لئے وہی ہے جو اس نے سوال کیا ہے۔

اور یہ فرمان بھی تو ہے کہ بہترین دعا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' ہے۔

فرماتے ہیں:

**عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَفْضَلُ الذِّکْرِ: لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ**

(ترمذی کتاب الدعوات باب دعوۃ المسلم مستجابۃ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہترین ذکر کلمہ توحید ہے یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بہترین دعا الحمد للہ ہے۔

اپنے آقا اور مطاع کے اتباع اور آنحضرتؐ کے فرمان کی تفسیر میں حضرت اقدس بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے یوں سکھایا ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم**...... **الی الآخر** ۔یعنی دعا سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے روح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو۔ اس لیے فرمایا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ **رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا۔ **اَلرَّحْمَان** جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ **اَلرَّحِیْم**

پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن ہر بدلہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے پورا اور کامل موحد تب ہی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکّام کے سامنے جا کر ان کو سب کچھ تسلیم کر لینا یہ گناہ ہے۔ اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حاکم بنایا ہے۔ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ مگر ان کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیے اور وہ نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

نماز کا مغز اور روح بھی دعا ہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ جب ہم اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتے ہیں تو اس دُعا کے ذریعہ سے اُس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے اُترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مقام تک ہم نے خدا تعالیٰ کے فرمودات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائب کی راہنمائی کے تحت مناجات یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کے منصب کو بیان کیا ہے۔

ان فرمودات عالیہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ

اول۔ دعا کی قبولیت خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے

دوم۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

سوم۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی دعا جو خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے سورۃ الفاتحہ کی دعا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی دعا کی عظمت وشان کے بیان میں ہم نے فرموداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام پیش کئے ہیں مگر اس مضمون میں ایک بات کا ذکر (جو کہ ترتیب بیان کے اعتبار سے اس مقام پر ہی ہو سکتا تھا) کرنا ادبی اسلوب بیان اور تأثیر دعا کے اعتبار سے بہت ضروری ہے گو گذشتہ کے فرمودات مرسلین کرام میں دعا کی تأثیر اور اہمیت کے بیان میں اشارۃً اس کے اسلوب بیان کی اہمیت کا ذکر بھی شامل ہے مگر کیونکہ ہم

اس وقت مناجات کے ادبی شاہکار پیش کر رہے ہیں اس لیے سورۃ الفاتحہ کی دعا کی ادبی ترتیب کا قدرے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔

ادب پاروں میں جہاں ادبی مواد کی اہمیت ہوتی ہے وہاں پر اس اسلوب بیان کی بھی اسی قدر قدر و منزلت ہوتی ہے۔ادب ان دو عناصر کے حسین اختلاط اور ارتباط سے تخلیق پاتا ہے اگر مضمون یا مواد کو ادبی حسن و جمال سے آراستہ نہ کیا جائے تو وہ حُسنِ بیان کے زمرے میں نہیں آتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں مضمون کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے وہاں پر مناجات اور دعا کے اسلوب کا التزام بھی کیا ہے۔

مناجات کے اسلوب بیان کو گذشتہ میں پیش کردہ قدسی حدیث بھی واضح کر رہی ہے اور یہاں پر حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فرمان اس ترتیب بیان کی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

فرماتے ہیں:

**وَمِنَ الْمُمْكِنِ اَنْ يَّكُوْنَ تَسْمِيَةُ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بِاُمِّ الْكِتٰبِ نَظَرًا اِلٰى غَايَةِ التَّعْلِيْمِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ. فَاِنَّ سُلُوْكَ السَّالِكِيْنَ لَا يَتِمُّ اِلَّا بَعْدَ اَنْ يَّسْتَوْلِيَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ عِزَّةُ الرُّبُوْبِيَّةِ وَذِلَّةُ الْعُبُوْدِيَّةِ وَلَنْ تجِدَ مُرْشِدًا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ كَهٰذِهِ السُّوْرَةِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْاَحَدِيَّةِ اَلَا تَرٰى كَيْفَ اَظْهَرَ عِزَّةَ اللّٰهِ وَ عَظْمَتَهٗ بِقَوْلِهٖ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اِلٰى مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. ثُمَّ اَظْهَرَ ذِلَّةَ الْعَبْدِ وَ هَوَانَهٗ وَ ضُعْفَهٗ بِقَوْلِهٖ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ.**

اس سورۃ کا چوتھا نام امّ الکتاب رکھنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ امور روحانیہ کے بارے میں اس میں کامل تعلیم موجود ہے، کیونکہ سالکوں کا سلوک اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے دلوں پر ربوبیت کی عزت اور عبودیت کی ذلت غالب نہ آجائے۔ اس امر میں خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے نازل شدہ سورت فاتحہ جیسا رہنما اور کہیں نہیں پاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اُس نے کس طرح **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** سے لے کر **مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** تک کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی عزّت اور عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ پھر **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** کہہ کر بندہ کے عجز اور کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس سورۃ الفاتحہ)

یہ فرمان دراصل ادب میں مناجات کی صنف کے اسلوب اور ترتیب کو بیان کر رہا ہے یعنی یہ کہ مناجات کا دستور

بیان اللہ تعالیٰ نے ایسے قائم فرمایا ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ کی عظمت وشان کا بیان ہو اور پھر انسان کی عجز و کمزوری کا اظہار ہو اور آخر پر التجا اور مطلوب کو پیش کیا جائے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مناجات کا یہی اسلوب بیان ہے۔ اور آپ کی اِسی ادبی شان کو واضح اور روشن کرنے کے لیئے ہی ہم نے گذشتہ کی معروضات کو پیش کیا ہے۔

اوّل ہم اُردو زبان میں آپ حضرت کی شاہکار مناجات اور دعا کو پیش کرتے ہیں مشاہدہ کریں کہ کسقدر الٰہی اسلوبِ مناجات کی پاسداری ہے۔ اوّل باری تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے اور پھر اپنی عاجزی اور انکساری ہے اور آخر پر یہ التجا اور اظہار مطلب ہے۔ بہت ہی عظیم الشان اور بے مثال کلام ہے۔ صرف اپنی سلبی اولاد کے لیئے ہی نہیں بلکہ اپنی روحانی اولاد کے لیئے بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی جماعت نے اس کو حرزِ جاں بنا رکھا ہے اوّل حمد وثناء باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں۔

حمد وثنا اُسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اِک دل کا یارِ جانی
دِل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اسکی عظمت
لرزاں ہیں اہلِ قُربت کرّوبیوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شُکر نعمت
ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلفت کب چاہے اسکی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

دوسرے قدم پر اپنی عاجزی اور عبودیت کو بیان کرتے ہیں۔
فرمایا:

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دِلبر وہی ہمارا

اُس بن نہیں گذارا غیر اُس کے جُھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یارب ہے تیرا احساں مَیں تیرے دَر پہ قُرباں
تُونے دیا ہے ایماں تو ہر زماں نگہباں
تیرا کرم ہے ہر آں تو ہے رحیم و رحماں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

تیسرے مقام پر خدا کا شکر ہے۔

کیونکر ہو شُکر تیرا، تیرا ہے جو ہے میرا
تُونے ہر اِک کرم سے گھر بھر دیا ہے میرا
جب تیرا نُور آیا جاتا رہا اندھیرا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

تُونے یہ دِن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دِل دیکھ کر یہ اِحساں تیری ثنائیں گایا
صد شُکر ہے خُدایا صد شُکر ہے خُدایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اور آخر پر التجا ہے۔

اَے قادر و توانا! آفات سے بچانا
ہم تیرے دَر پہ آئے ہم نے ہے تجھ کو مانا
غیروں سے دِل غنی ہے جب سے ہے تُجھ کو جانا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

فِکروں میں دل حزیں ہے جاں درد سے قریں ہے
جو صبر کی تھی طاقت اب مُجھ میں وہ نہیں ہے
ہر غم سے دور رکھنا تُو ربِّ عالَمیں ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اقبال کو بڑھانا اب فضل لے کے آنا
ہر رنج سے بچانا دُکھ درد سے چھڑانا
خود میرے کام کرنا یا ربّ نہ آزمانا!
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اُردو زبان کی مناجات میں یہ دو بند بھی مشاہدہ کریں۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں عاجزی کو بھی دیکھیں اور دعا اور مناجات کی قبولیت پر یقین کا مشاہدہ بھی کریں۔ بہت پیارا اور دلنشین کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

ہوئے ہم تیرے اَے قادر توانا
ترے دَر کے ہوئے اور تجھکو جانا
ہمیں بس ہے تِری درگہ پہ آنا
مُصیبت سے ہمیں ہردم بچانا
کہ تیرا نام ہے غفّار و ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِی

تجھے دُنیا میں ہے کس نے پُکارا
کہ پھر خالی گیا قِسمت کا مارا
تو پھر ہے کس قدر اس کو سہارا
کہ جِس کا تُو ہی ہے سب سے پیارا
ہوا مَیں تیرے فضلوں کا مُنادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِی

دعا اور مناجات کی تلقین کا بھی مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

دُعا کرتے رہو ہر دَم پیارو
ہدایت کے لیے حق کو پُکارو
دُعا کرنا عجب نِعمت ہے پیارے
دُعا سے آ لگے کشتی کنارے

اگر اس نخل کو طالب لگائے
تو اِک دن ہو رہے برتھا نہ جائے
ہمارا کام تھا وعظ و منادی
سو ہم سب کر چکے واللّٰہ ھادی

فارسی زبان میں مشاہدہ کریں۔اوّل تقریباً پچاس اشعار خدا تعالیٰ کی عظمت وشان میں بیان کر کے اپنی محبت اور عبودیت کو بیان کرتے ہیں۔اور آخر پر اپنا طلب اور مدّعا اس طور سے بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی زبان میں ایسی درد بھری۔محبّ الٰہی سے لبریز دعا اور ایسی حُسنِ طلب دستیاب نہیں ہوگی۔میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرت کے اشعار میں مناجات کے آخری چند شعر مناجات میں آپ کا شاہکار اور حاصل کلام ہیں۔

اوّل حمد وثنا میں فرماتے ہیں:

ہردم از کاخِ عالم آوازیست — کہ یکش بانی و بِنا سازیست
یہ نظامِ عالم اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اس جہان کا کوئی بانی اور صانع ضرور ہے
نہ کس او را شریک و انبازیست — نے بکارش دخیل و ہمرازیست
کہ کوئی اُس کا شریک ہے نہ ساجھی۔نہ اُس کے کام میں کوئی دخیل ہے نہ کوئی اُس کا ہمراز ہے
ایں جہاں را عمارت اندازیست — و از جہاں برتر است و ممتازیست
وہ اس جہان کا بنانے والا ہے۔ مگر خود جہاں سے بالاتر اور ممتاز ہے
وحدہٗ لاشریک حیّ و قدیر — لم یزل لایزال فرد و بصیر
اکیلا لاشریک زندہ اور قادر ہے۔ ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ یگانہ اور باخبر ہے

اور پھر اظہار عبودیت اور محبت میں فرماتے ہیں:

ہست یادت کلیدِ ہر کارے — خاطرے بے تو خاطر آزارے
تیری یاد ہر مشکل کی کلید ہے۔ تیرے بغیر ہر خیال دل کا دکھ ہے۔
ہر کہ نالد بدرگہت بہ نیاز — بختِ گم کردہ را بیابد باز
جو تیرے حضور میں عاجزی سے روتا ہے وہ اپنی گم گشتہ قسمت کو دوبارہ پاتا ہے
لطفِ تو ترکِ طالباں نکند — کس بکارِ رہت زیاں نکند
تیری مہربانیاں طالبوں کو نھیں چھوڑتیں کوئی تیرے معاملے میں نقصان نہیں اٹھاتا

ہر کہ باذاتِ تُو سرے دارد　　پُشت بر روئے دیگرے دارد
ہرشخص صرف تجھ سے تعلق رکھتا ہے وہ دوسرے کی طرف پیٹھ پھیر لیتا ہے
زینکہ چوں کار بر تو بگذارد　　رو بہ اغیار از چہ رو آرد
کیونکہ جب وہ اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑ دیتا ہے تو پھر کیوں غیروں کی طرف توجہ کرے
ذاتِ پاکت بس ہست یار یکے　　دل یکے جاں یکے نگار یکے
تیری ذات پاک کا ہمارے لیے دوست ہونا کافی ہے۔دل بھی ایک ہے۔جان بھی ایک ہے۔
محبوب بھی ایک ہونا چاہئیے

اورآخر پرآپ کا عشق الٰہی اورمناجات میں شاہکاراور بے مثال کلام ہے۔دعااورمناجات کے مضمون میں ان اشعارکی جسقدربھی تعریف کی جائے وہ کم ہوگی۔اس کومناجات عابد بھی کہتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

**اے خداوندِ من گناہم بخش　　سوئے درگاہِ خویش راہم بخش**
اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے ۔ اپنی بارگاہ تک میری رسائی کر
**روشنی بخش در دل و جانم　　پاک کُن از گناہِ پنہانم**
میرے دل و جان میں روشنی کردے اور گناہ پوشیدہ سے مجھے پاک کردے
**دلستانی و دلربائی کن　　بہ نگاہِ گرہ کشائی کُن**
اپنے حُسن سے میرے دل کو چھین لے۔ ایک نظر سے میری مشکل کشائی کردے
**در دو عالم مرا عزیز توئی　　و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی**
دونوں جہانوں میں تو ہی میرا پیارا ہے۔اور جو چیز میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ تو ہی ہے

مناجات میں باری تعالیٰ کی محبت اوراس کے احسانات کا ذکر جزواعظم کے طور پر ہوتا ہے احسانات پر شکراور خدا کی محبت کا اظہار ہی تو دو ایسے عناصر ہیں جو خدا تعالیٰ کے رحم اور بخشش کو جذب کرتے ہیں۔

اس مضمون میں اردو زبان کے اشعار مشاہدہ کریں بہت دلفریب کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کِسطرح تیرا کروں اے ذُوالمنن شکر وسپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے بچایا مُجھ کو خود بن کر گواہ
کر دیا دشمن کو اِک حملہ سے مغلوب اور خوار
کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا
مُجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف وکرم ہے بار بار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر مجھکو دی ہے خلعتِ قُربِ و جوار
کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہُوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
**یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند**
***ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار***
دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے
پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے میرے حاجت برار
اَے مرے یارِ یگانہ اَے مری جاں کی پنَہ
بس ہے تو میرے لیے مُجھکو نہیں تُجھ بن بکار
میں تو مرکر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لُطف
پھر خُدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار
اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
مَیں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا مَیں مثلِ طفلِ شِیر خوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے بِن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار

**لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبُول**
**مَیں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار**

آخری شعر کی عاجزی اور انکساری کو دیکھیں کہ اپنے محبوبِ حقیقی کی عنایات پر ہزار جان سے فدا ہو رہے ہیں۔اور حیران ہیں کہ یہ کیسے ظہور میں آگئیں عاجزی ہو تو ایسی ہو اور اس پر احسان ہو تو ایسا ہو۔

فارسی زبان میں اسی انداز سے باری تعالیٰ کی محبت اور اس کے احسانات کا ذکر ہے۔

فرماتے ہیں:

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما　　　اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے خدا۔ اے ہمارے دکھوں کی دوا۔ اور اے ہماری گریہ و زاری کا علاج
اے تو مرہم بخشِ جانِ ریشِ ما　　　اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
تو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے۔اور تو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے
از کرم برداشتی ہر بارِ ما　　　و از تو ہر بار و برِ اشجارِ ما
تو نے اپنی مہربانی سے ہمارے سب بوجھ اٹھا لیے ہیں اور ہمارے درختوں پر میوہ اور پھل تیرے فضل سے ہے
حافظ و ستّاری از جود و کرم　　　بیکساں را یاری از لطفِ اتم
تو ہی مہربانی اور عنایت سے ہمارا محافظ اور پردہ پوش ہے اور کمال مہربانی سے بے کسوں کا ہمدرد ہے
بندۂ در ماندہ باشد دِلِ تپاں　　　ناگہاں درماں بر آری از میاں
جب بندہ مغموم اور درماندہ ہو جاتا ہے تو تُو وہیں سے اس کا علاج پیدا کر دیتا ہے
عاجزے را ظلمتے گیرد براہ　　　ناگہاں آری برو صد مہر و ماہ
جب کسی عاجز کو رستے میں اندھیرا گھیر لیتا ہے تو تُو یکدم اس کے لیے سینکڑوں سورج اور چاند پیدا کر دیتا ہے

**حُسن و خُلق و دلبری بر تو تمام　　　صُحبتے بعد از لِقائے تُو حرام**
حسن و اخلاق اور دلبری تجھ پر ختم ہیں تیری ملاقات کے بعد کسی سے تعلق رکھنا حرام ہے

اور عربی میں بھی ایسا ہی اندازِ بیان اور عجز و انکسار ہے۔

فرماتے ہیں:

**وَانت کریم الوجه مولٰی مُجامل　　　فلا تطرد الغلمان بعد التخیر**

تو کریم ومہربان ہے۔آقا اورحسن سلوک فرمانے والا ہے۔پس تو ان غلاموں کومنتخب فرمانے کے بعدنہ دھتکار

**وجئناک کالموتٰی فاحی امورنا　　　و نستغفرنک مستغیثین فاغفر**

ہم تیرے پاس مُردوں کی طرح آئے ہیں پس ہمارے معاملات کوزندگی بخش۔ہم تجھ بخشش مانگتے ہیں مدد کی درخواست کرتے ہوئے۔پس معاف فرما۔

**الٰی ای باب یا الٰهی تردنی　　　اتترکنی فی کف خصم مخسر**

کس دروازے کی طرف۔اے میرے معبود! تو مجھے دھکیلے گا؟ کیا تو مجھے نقصان رساں دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑ دے گا؟

**الٰهی فدتک النفس انت مقاصدی　　　تعالَ بفضل من لدنک و بشّر**

اے میرے معبود! میری جان تجھ پر فدا ہو۔تو ہی تو میرا مقصود ہے۔اپنے فضل کے ساتھ آ۔اور مجھے خوشخبری دے۔

**ا اعرضت عنی لا تکلم رحمة　　　و قد کنت من قبل المصائب مخبری**

کیا تو نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے(جو) تو شفقت کے ساتھ مجھ سے کلام نہیں فرماتا۔تو تو ان مصائب سے پہلے میرا مخبر تھا

**و کیف اظن زوال حبک طرفة　　　و یأطر قلبی حبک المتکثر**

اور میں تیری محبت کے زوال کا ایک لحظہ کے لئے بھی کیسے گمان کرسکتا ہوں۔جب کہ تیری بہت بڑی محبت میرے دل کو(تیری طرف) جھکارہی ہے

**وجدت السعادة کلها فی اطاعة　　　فوفّقْ لاخر من خلوص و یسر**

اے خدا! میں نے ساری کی ساری خوش بختی اطاعت میں پائی ہے۔پس دوسروں کوبھی خلوص کی توفیق دےاورآسانی پیدا کر

**اِلٰهی بِوجهک اَدْرِکِ العبد رحمةً　　　تعالَ الٰی عبدٍ ذلیلٍ مکفّر**

اے میرے خدا! اپنی ذات کے طفیل اس بندے کی رحم کے ساتھ دستگیری فرما اور(اپنے) کمزور اور عاجز بندے کی طرف جوتکفیر کیا گیا ہے،آجا

**و من قبل هٰذا کنت تسمع دعوتی　　　و قد کنت فی المضمار تُرسی و مأزری**

اوراس سے پہلے تو میری دعائیں سنتا رہاہےاورتو میدان میں میری ڈھال ہےاور پناہ بنارہا ہے

الٰھی اغثنی یا الٰھی امدنی و بشر بمقصودی حنانا و خبّر

اے میرے خدا! میری فریادرسی کر۔اے میرے خدا! میری مدد کراور مہربانی سے میرے مقصود کی بشارت دے اور آگاہ کر

انرنی بنورک یا ملاذی و ملجأی نعوذ بوجھک من ظلام مدعثر

مجھے اپنے نورو سے منوّر کردے۔اے میرے ملجأ و ماوٰی! ہم تیری ذات کی پناہ لیتے ہیں چھاجانے والی تاریکی سے

فارسی زبان میں ایک دل ہلا دینے والی اور خوف خدا کوانگیخت کرنے والی مناجات ہے۔اسلامی ادب میں اس کی مثال نہیں ملتی کیونکہ اس میں آپ حضرت نے اپنے صدق دعویٰ پر خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا ہے۔یہ ایک یک طرفہ مباہلہ ہے۔اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے کہ اگر میں تیری جناب سے اس منصب پر قائم نہیں کی گیا تو مجھ سے مؤاخذہ کراور بہت دل ہلا دینے والی دعا کی ہے کہ اس صورت میں۔فرماتے ہیں:

اے قدیر و خالقِ ارض و سما اے رحیم و مہربان و رہنما!

اے قادراور آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! اے رحیم۔مہربان اور رستہ دکھانے والے

اے کہ مے داری تُو بر دلہا نظر اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

اے وہ جو کہ دلوں پر نظر رکھتا ہے اے وہ کہ تجھ سے کوئی چیز بھی چھُپی ہوئی نہیں

گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر

اگرتو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بدذات ہوں

پارہ پارہ کُن منِ بدکار را شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را

تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے ان دشمنوں کے گروہ کو خوش کردے

بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر

ان کے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پُوری کر

آتش افشاں بر در و دیوارِ من! دشمنم باش و تبہ کن کارِ من

میرے در و دیوار پر آگ برسا میرا دشمن ہو جا اور میرا کاروبار تباہ کردے

اور اگر ایسا نہیں اور میں آپ کی طرف سے مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تیری بندگی اور اطاعت میں سرشار ہوں تو اس صورت میں۔

فرماتے ہیں:

ور مرا از بندگانت یافتی قبلۂ من آستانت یافتی
لیکن اگر تو نے مجھے اپنا فرمانبردار پایا ہے اور اپنی بارگاہ کو میرا قبلہ مقصود پایا ہے
در دلِ من آں محبت دیدۂ کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے جس کا بھید تو نے دنیا سے پوشیدہ رکھا ہے
بامن از روئے محبت کار کُن اندکے اِفشائے آں اسرار کُن!
تو محبت کی رُو سے مجھ سے پیش آ۔ اور اُن اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کردے
خود بروں آ از پئے اِبراءِ من اے تو کہف وملجأ و مأوائے من
تو آپ میری بریّت کے لیے باہر نکل۔ تو ہی میرا حصار ااور جائے پناہ ہے اور ٹھکانا ہے

اورفرماتے ہیں کہ ایسا کر کہ اس اندھی دنیا کی آنکھ کھول دے اور اے سخت گیر خدا اپنا زور دکھا

چشم بکشا ایں جہانِ کور را اے شدیدالبطش بنما زور را
اس اندھی دنیا کی آنکھیں کھول اور اے سخت گیر خدا تو اپنا زور دکھا

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ایسی مناجات کی مثال کسی کلام میں نہیں ہوگی کیونکہ اس کی تخلیق کے لیۓ ایک صادق مرسلِ خدا ہونا ضروری ہے جس کو اپنے صدق پر کامل یقین ہو۔ایک اور بات جو اس مناجات اور یکطرفہ مباہلہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی مناجات باری تعالیٰ کی جناب میں قبول ہوئی ہے اور یہ کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے مرسل تھے۔ کیونکہ آپ نے اللہ کی جناب میں اپنی مدد اور تائید کو اپنی صداقت سے مشروط کیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج آپ کی جماعت اور آپ کا پیغام اکناف میں پھیل چکا ہے اور آپ کے روحانی مقاصد میں برکت اور ترقی ہے اور آپ کے ماننے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اگر ہم اس خیال کو حضرت اقدس کے اشعار میں بیان کریں تو ہم کہیں گے کہ اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کا مسیح موعودؑ اور ان کی جماعت سے ایسی محبت اور عنایات کا سلوک آپ کے اشعار میں یوں بیان ہوا ہے۔

یہ میرے ربّ سے میرے لیۓ ایک گواہ ہے
یہ میرے صدقِ دعوٰی پر مہر اللہ ہے
میرے مسیح ہونے پہ یہ اِک دلیل ہے
میرے لیۓ یہ شاہد ربِّ جلیل ہے
پھر میرے بعد اوروں کی ہے انتظار کیا
توبہ کرو کہ جینے کا ہے اعتبار کیا

اور حضرت اقدس کے اپنے اشعار میں خدا تعالیٰ کے فضل واحساں کا ذکر بھی سُن لیں اور یہ کہ آپ حضرت

اِن احسانات کو اپنی صداقت کا نشان سمجھتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

پر وُہ جو مُجھکو کاذب و مکّار کہتے ہیں
اور مُفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں

اُن کے لیے تو بس ہے خُدا کا یہی نشاں
یعنی وہ فضل اُس کے جو مُجھ پر ہیں ہر زماں

**دیکھو! خُدا نے ایک جہاں کو جُھکا دیا!**
**گُم نام پاکے شُہرۂ عالَم بنا دیا!**

**جو کُچھ مری مُراد تھی سب کُچھ دِکھا دِیا**
**میں اِک غریب تھا مُجھے بے اِنتہا دِیا**

**دُنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی**
**جو اُس نے مُجھ کو اپنی عنایات سے نہ دی**

اسی انداز میں عربی اشعار میں یہ مناجات ہے اس کا حُسن وخوبی مشاہدہ کریں۔

**سئمنا تکالیف التّطاول من عدا　　تمادت لیالی الجور یا ربی انصر**

ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں۔ اور ظلم کی راتیں لمبی ہوگئیں۔ اے خدا! مدد کر

**و جئناک کالموتیٰ فاَحیِ اُمورنا　　نخر امامک کالمساکین فاغفر**

اور مُردوں کی طرح تیرے پاس آئے ہیں پس ہمارے کاموں کو زندہ کر۔ ہم تیرے آگے مسکینوں کی طرح گرتے ہیں پس ہمیں بخش دے

**الٰھی فدتک النفس انک جنتی　　وماان اری خلدا کمثلک یثمر**

اے خدا! میری جان تیرے پر قربان، تو میری بہشت ہے۔ اور میں نے کوئی ایسی بہشت نہیں دیکھی کہ تیرے جیسا پھل لاوے

**طُردنا لوجھک من مجالس قومنا　　فانت لنا حِبٌّ فرید و مؤثر**

اے میرے خدا! تیرے منہ کیلئے ہم اپنی قوم کی مجلسوں سے ردّ کر دیئے گئے۔ پس تُو ہمارا یگانہ دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا

الٰھی بوجھک ادرکِ العبد رحمۃ ولیس لنا باب سواک و معبر

اے میرے خدا! اپنے منہ کے صدقہ اپنے بندہ کی خبر لے۔ اور ہمارے لئے تیرے سوا نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی جائے گذر ہے

الٰی ای باب یا الٰھی تردنی و من جئتہ بالرفق یُزر و یصعر

اے میرے خدا! تُو کس دروازہ کی طرف مجھے ردّ کرے گا۔ اور میں جس کے پاس نرمی کے ساتھ جاؤں وہ بدگوئی کرتا اور منہ پھیر لیتا ہے

صبرنا علی جور الخلائق کلھم و لکن علٰی ھجر سطا لا نصبر

ہم نے تمام دنیا کا ظلم برداشت کرلیا۔ مگر تیری جُدائی کی ہمیں برداشت نہیں

تعال حبیبی انت روحی وراحتی و ان کانت قد اٰنست ذنبی فستر

آ میرے دوست! تُو میری راحت اور میرا آرام ہے۔ اور اگر تُو نے میرا کوئی گناہ دیکھا ہے تو معاف کر

بفضلک انا قد عصمنا من العدا و ان جمالک قاتلی فأت و انظر

تیرے فضل سے ہم دشمنوں سے بچائے گئے۔ مگر تیرے جمال نے ہمیں قتل کردیا۔ پس آ اور دیکھ

و فرج کروبی یا الٰھی و نجنی و مزق خصیمی یا نصیری و عفر

اور میرے غم! اے میرے خدا! دور فرما۔ اور دشمن میرے کو، اے میرے مددگار! پارہ پارہ کر اور خاک میں ملا

وجدناک رحمانا فما الھمّ بعدَہٗ رئیناک یاحبّی بعین تنور

ہم نے تجھے رحمان پایا۔ پس بعد اس کے کوئی غم نہ رہا۔ دیکھا ہم نے تجھ کو اُس آنکھ سے جو روشن کی جاتی ہے

انا المنذر العریان یا معشر الورٰی اذکرکم ایام ربّی فابصروا

اے لوگو! میں ایک کُھلا نذیر ہوں۔ خدا کے دن تمہیں یاد دلاتا ہوں۔

اور اس مضمون میں دینِ اسلام کی حمایت اور درد میں کی گئی مناجات کو دیکھ لیں۔

دِن چڑھا ہے دُشمنانِ دِیں کا ہم پہ رات ہے
اے مِرے سُورج نِکل باہر کہ مَیں ہوں بیقرار

اے مرے پیارے فِدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا
پھیر دے میری طرف اے ساربان جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
خاک میں ہوگا یہ سر گر تو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اسوقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطعِ نظر
تا نہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار

**میرے زخموں پر لگا مرہم کہ مَیں رنجور ہوں**
**میری فریادوں کو سُن مَیں ہوگیا زار و نزار**

**دیکھ سکتا ہی نہیں مَیں ضعفِ دینِ مُصطفٰے**
**مجھکو کر اے میرے سُلطاں کامیاب و کامگار**

کیا سُلائے گا مجھے تُو خاک میں قبل از مُراد
یہ تو تیرے پر نہیں اُمّید اے میرے حصار

**یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا**
**اِس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پُکار**

قوم میں فِسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار

ایک عالَم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اسطرف دریا کی دھار

اس مقام تک ہم نے آپ کی

۱) محبتِ الٰہی کی مناجات

۲) اللہ کے شکر واحسان کی مناجات

۳) اور آپ کے صدق دعویٰ کی مناجات پیش کی ہیں۔ اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آپ

حضرت نے اپنی دعاؤں اور مناجات کی قبولیت کا کیا منصب بیان کیا ہے۔

سب سے اوّل ہم آپ کے شاہکار اور بے مثال قصیدے کے آخری اشعار کو پیش کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ واصلین باری تعالیٰ کی شان اور مناقب کے بیان میں ہے۔آپ اپنی دعا کی تاثیر اور قبولیت کی شان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را　　　　کہ باچنیں دلِ من در پۓ جفا باشد

اُس سیاہ دل انسان کو نجات کیونکر مل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پر ظلم کرنے کے درپے ہو

**چو سیلِ دیدۂ ما ہیچ سیل وطوفاں نیست　　　　بترس زیں کہ چنیں سیل پیشِ پا باشد**

**ہماری آنکھ کے سیلاب کی طرح کا اور کوئی سیلاب نہیں اس بات سے ڈر کہ کہیں یہ سیلاب تیرے سامنے ہی نہ ہو**

**ز آہِ زمرۂ ابدال بایدت ترسید　　　　علی الخصوص اگر آہِ میرزا باشد**

**تجھے ابدالوں کی جماعت کی آہوں سے ڈرنا چاہئیے۔خصوصاً اگر مرزا (غلام احمد) کی آہ ہو**

اور اردو میں فرماتے ہیں:

مُجھ کو ہو کیوں ستاتے سَو افترا بناتے
بہتر تھا باز آتے دُور از بلا یہی ہے

**جِس کی دُعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر**
**ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے**

اچھا نہیں ستانا پاکوں کا دِل دُکھانا
گُستاخ ہوتے جانا اس کی جزا یہی ہے

اور عربی میں فرماتے ہیں:

اِلَیْکُمْ یَا اُولِی مَجْدٍ اِلَیْکُمْ　　　　وَ اِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا فَالْوَقْتُ لَاحٌ

باز آجاؤ اے بزرگو! باز آجاؤ۔اگر تم باز نہ آؤ تو وقت ملامت کرے گا

وَ لِیْ قَدْرٌ عَظِیْمٌ عِنْدَ رَبِّیْ　　　　وَ سُئْلِیْ لَا یُرَدُّ وَ لَا یُزَاحُ

اور میرے ربّ کے حضور میں میرا بڑا مرتبہ ہے اور میری دعا ردّ نہیں کی جاتی اور نہ ہی ٹالی جاتی ہے

وَ مِثْلِیْ حِیْنَ یَبْکِیْ فِیْ دُعَاءٍ　　　　فَیَسْعٰی نَحْوَهُ فَضْلٌ مُّتَاحٌ

اور میرے جیسا آدمی جب دعا میں روتا ہے تو اس کی طرف فضلِ مقدّر دوڑ کر آتا ہے

وَ کَادَتْ تَلْمَعَنْ اَنْوَارُ شَمْسِیْ　　فَیَتْبَعُھَا الْوَرٰی اِلَّا الْوَقَاحُ

اورقریب ہے کہ میرے سورج کے انوار چمکیں اور پھر سوائے بےشرم کے سارا جہان ان کے پیچھے چلے گا

وَ یَأْتِیْ یَوْمُ رَبِّیْ مِثْلَ بَرْقٍ　　فَلَا تَبْقَی الْکِلَابُ وَلَا النِّبَاحُ

اور میرے ربّ کا دن بجلی کی طرح آئے گا۔پس نہ کتے باقی رہیں گے نہ ہی ان کا بھونکنا

وَ لِیْ مِنْ لُطْفِ رَبِّیْ کُلَّ یَوْمٍ　　مَرَاتِبُ لِلْعِدَا فِیْھَا افْتِضَاحُ

اور میرے لئے اپنے ربّ کی مہربانی سے ہر روز ایسے مدارج ہیں کہ دشمنوں کے لئے ان میں رُسوائی ہی رُسوائی ہے

وَ نُوْرٌ کَامِلٌ کَالْبَدْرِ تَامٌّ　　وَ وَجْہٌ یَّسْتَنِیْرُ وَلَا یُلَاحُ

اور مجھے چودھویں کے چاند کی طرح کامل نور حاصل ہے اور ایسا چہرہ حاصل ہے جو چمکتا ہے اور متغیر نہیں کیا جاسکتا

اور عربی میں ایک دعائیہ قطعہ ہے۔ایسا کہ دل اس پر ہزار جان سے قربان ہوتو بھی اس کا حق ادا نہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اَمِتْنِیْ فِی الْمَحَبَّۃِ وَ الْوَدَادِ　　وَ کُنْ فِیْ ھٰذِہٖ لِیْ وَ الْمَعَادِ

مجھے اپنی محبت میں ہی وفات دے اور اس دنیا اورآخرت میں تُو میرا ہوجا۔

وَلَمْ یَبْقَ الْھُمُوْمُ لَنَا فَاِنَّا　　تَوَکَّلْنَا عَلٰی رَبِّ الْعِبَادِ

اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے ربّ العباد پر توکل کیاہے۔

☆

# حضرت اقدس کا روحانی منصب اور مقام

خیال تھا کہ حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ کی خدمت کو اس طور سے ترتیب دیا جائے کہ اس کتاب کا آخری موضوع مناجات اور دعا ہو مگر دوران خدمت گذاری یہ خلش دل میں رہی کہ ایک عنوان یہ بھی ہونا چاہئیے کہ آپ حضرت نے اپنے روحانی منصب کو کیسے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس محبت کے جذبے سے مجبور ہو کر ہم نے یہ عنوان باندھا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت اقدس کا تمام کلام اور اس کے تمام موضوعات چودھویں کے چاند کی طرح سے آپ کے روحانی منصب ہی کی ضوفشانی کر رہے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں آپ کے قربِ الٰہی ہی کو پیش کر رہے ہیں مگر یہ حقیقت ہر انسان کے شعور کی حدود تک ہی محدود ہوتی ہے یعنی یہ کہ جس قدر اس کے سمجھ آئی اُسی قدر اس کو قبول کر لیا اس لیئے اگر آپ حضرت کے اپنے کلام میں آپ کے روحانی منصب کو بیان کیا جائے تو وہ آپ کے روحانی منصب اور قرب الٰہی کی عظمت کی حقیقی ترجمانی ہو گی۔ مگر آپ کے بیان سے بڑھ کر جو کلام آپ کے روحانی منصب اور مقام کی ترجمانی کرنے کا حقدار ہے وہ بارگاہ الٰہی کا یہ فرمان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (الجمعة: 3،4)

حضرت اقدس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اِس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علومِ حکمیہ دینیہ جن سے تکمیلِ نفس ہو اور نفوسِ انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہنچیں بالکل گم ہو گئی تھی اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے یعنی خدا اور اس کی صراطِ مستقیم سے بہت دُور جا پڑے تھے تب ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول اُمّی بھیجا اور اس رسول نے اُن کے نفسوں کو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے اُن کو مملو کیا یعنی نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقینِ کامل تک پہنچایا اور خدا شناسی کے نُور سے ان کے دلوں کو روشن کیا اور پھر فرمایا کہ ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین سے دُور ہونگے تب خدا ان کو بھی صحابہؓ کے رنگ میں لائے گا یعنی جو کچھ صحابہؓ نے دیکھا وہ اُن کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ اُن کا صدق اور یقین بھی صحابہؓ کے

صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ یعنی اگر ایمان ثریّا پر یعنی آسمان پر بھی اُٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اُس کو واپس لائے گا۔ **یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہوگا۔ اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمان پر اُٹھایا جائے گا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔**

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دوسرے مقام پر اپنے دعویٰ مسیحیت اور مہدویّت کے بارے میں فرماتے ہیں:

اور آیت آخرین منهم میں بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ یہ جماعت مسیح موعود کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے مشابہ ہے ایسا ہی جو شخص اس جماعت کا امام ہے وہ بھی ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدیٔ موعود کی صفت فرمائی کہ وہ آپ سے مشابہ ہوگا اور دو مشابہتیں اُس کے وجود میں ہوں گی ایک مشابہت حضرت مسیح علیہ السلام سے جس کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے گا اور دوسری مشابہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی وجہ سے وہ مہدی کہلائے گا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ حضرت کو اِن پیشگوئیوں کا مصداق بنا دیا۔

فرماتے ہیں:

خدا کے کلام میں یہ امر قرار یافتہ تھا کہ دوسرا حصہ اِس اُمّت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی۔ اِسی لیے خدا تعالیٰ نے اِس جماعت کو دوسروں سے علیحدہ کر کے بیان کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی اُمت محمدیہ میں سے ایک اَور فرقہ بھی ہے جو بعد میں آخری زمانہ میں آنے والے ہیں اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ اس آیت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کی پشت پر مارا اور فرمایا لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اور میری نسبت پیشگوئی تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس

پیشگوئی کی تصدیق کے لیے وہی حدیث بطور وحی میرے پر نازل کی اور وحی کی رُو سے مجھ سے پہلے اس کا کوئی مصداق معیّن نہ تھا اور خدا کی وحی نے مجھے معیّن کر دیا۔ فالحمدللہ۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں کہ و آخرین منهم کے فرمان میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں اور یہ کہ بروزی رنگ میں آپ کا بار بار تشریف لانا کوئی عار نہیں۔

روحانی زندگی کے لحاظ سے ہم تمام نبیوں میں سے اعلیٰ درجے پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں اس زندگی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کا یہی مطلب ہے کہ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی فیض پایا ایسا ہی آخری زمانہ میں ہوگا کہ مسیح موعود اور اس کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے گی جیسا کہ اب ظہور میں آرہا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دُنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوّت کا اظہار بھی کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت آتی ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہم نے دانستہ طور پر آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کے تعلق میں خدا تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ حضرت کی وحی کے مطابق جو فرمودات ہیں ان کو قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کی یہی اساس ہے۔ دیگر تمام مناصب اِسی فرمانِ خداوندی اور حدیث رسول اکرمؐ کے ذیل میں اور تفصیل میں ہیں۔

ان تفصیلی مناقب میں سب سے اول تو ذیل کے دو الہامی اشعار ہیں کہ جن کے شاہانہ انداز اور حُسن وخوبی کو بیان کرنا مشکل ہے۔

چو دَور خسروی آغاز کردند — مسلماں را مسلماں باز کردند

جب ہمارا شاہی زمانہ شروع ہوا — تو مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا

مقامِ اُو مبیں از راہِ تحقیر بدَورانش رسولاں ناز کردند
اس کے درجہ کوتحقیر کی نظر سے نہ دیکھ کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے
(الہام حضرت اقدس)

مشاہدہ کریں کہ کلام الٰہی کی کیسی عظمت وشان ہے کہ دو اشعار میں آپ کا روحانی مقام اور اس کا موجب اور باعث بھی بیان کر دیا یعنی

''مسلماں را مسلماں باز کردند''

اور اس خدمت گذاری کے صلے میں آپ کا روحانی منصب اور مقام بھی عطا فرمایا

فرمایا

مقامِ اُو مبیں از راہِ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند

اس فرمانِ خداوندی کی روشنی میں اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت اقدس کا تمام کلام

''مسلماں را مسلماں باز کردند''

ہی کی غرض سے صادر ہوا ہے تو یقیناً درست ہوگا کیونکہ امت مسلمہ کی اصلاحِ احوال دو طور سے ہی ہو سکتی تھی اوّل اِن میں محبتِ الٰہی کو زندہ کر کے اور دوم ان کے عقائد اور نظریات کی اصلاح کر کے۔ اور یہی موضوعات آپ کے اشعار میں ہیں۔ یعنی حمد وثنا میں خدا تعالیٰ کا صحیح تصوّر بیان ہوا ہے نعت رسولؐ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور حقیقی منصب بیان ہوا ہے اور نعت قرآن میں تعلیم قرآن کی تعلیم کی عظمت بیان ہوئی ہے اور اِسی طور سے دیگر موضوعات اسلام کی تعلیم کا صحیح تصوّر پیش کرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس قطعہ کے دوسرے شعر

مقامِ اُو مبیں از راہِ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند
اس کے مقام کو کم تر نہ سمجھو۔ کیونکہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے

میں درحقیقت باری تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر وتعبیر بیان ہوئی ہے جیسا کہ الہام ہے۔

''جَرِیُّ اللّٰہ فی حُللِ الانبیاء''

جری اللہ نبیوں کے حلّوں میں (تذکرہ صفحہ 63 مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت اپنے اس منصب کو کس قدر خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**آدم نیز احمدِ مختار در برم جامۂ ہمہ ابرار**
میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار بھی میرے جسم پر تمام ابرار کے خلعت ہیں

**کارہائے کہ کرد بامن یار　　برتر آں دفتر است از اظہار**

وہ کام جو خدا نے میرے ساتھ کیے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے

**آنچہ داد است ہر نبی را جام　　داد آں جام را مرا بتمام**

جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے

اردو میں فرمایا:

غیر کیا جانے کہ دِلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وُہ ہمارا ہوگیا اُسکے ہوئے ہم جاں نِثار
مَیں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اِک شجر ہُوں جسکو داؤدی صفت کے پھَل لگے
مَیں ہوا داؤد اور جالُوت ہے میرا شکار
پر مسیحا بن کے مَیں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نامِ احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

مثیل انبیاء ہونا اور اُن کے عرفانِ باری تعالیٰ کا مکمل وارث ہونا ہی دراصل آپ کا منصب عالی ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ''جَرِی اللّٰہ فِی حُللِ الانبیاء'' اور ''بدورانش رسولاں ناز کردند'' میں بیان کیا ہے۔ یہاں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت اقدس نے تاکید سے بیان کیا ہے کہ یہ مناصب آپ کو آپ کے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور وراثت میں ملے ہیں۔

جیسے فرمایا ہے:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　من بعرفان نہ کمترم زِ کسے
اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں
وارثِ مصطفٰے شدم بہ یقیں　　شدہ رنگیں برنگِ یار حسیں
میں یقیناً مصطفٰے کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

اردو زبان میں فرماتے ہیں:

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نُور ملا نُور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مُدام
دِل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اس مقام پر ہم اس امر کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں کہ مخالفین حضرت اقدس نے آپ کے اس شعر پر ایک صدی سے واویلا کر رکھا ہے۔

کربلا است سَیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم
کربلا میری ہر آن کی سیرگاہ ہے۔ سینکڑوں حسین میری گریبان کے اندر ہیں

مگر اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ ''سَیر'' تصوف کی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تلاش میں مجاہدہ اور اُس کے قُرب کا مقام ہے دوسرے الفاظ میں آپ ''حضرت حسینؓ کے مجاہدۂ کربلا کو ایک روحانی مجاہدہ قرار دے رہے ہیں اور اپنے مجاہدات کو حضرت حسینؓ کے مجاہدات سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

اور اگر ''صد حسین است در گریبانم''

پر ناراضگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ حضرتؑ کو تمام انبیاء کے ''حُلّے'' پہنا دیئے ہیں اور اس اعزاز پر آپ فرماتے ہیں

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم
ہرنبی میرے آنے سے زندہ ہوگیا اور ہر رسول میرے پیراہن میں پوشیدہ ہے

مخالفین کو اس حقیقت کا ادراک مشکل ہوگیا ہے کہ جو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ گذشتہ کے تمام مرسلین اور واصلین باری تعالیٰ کی تصدیق کررہا ہوتا ہے۔ ان تمام گذارشات کے ساتھ اس حقیقت کو حضرت اقدس نے تاکیدًا بیان کیا ہے کہ یہ سب مناصب آپ کو آپ کے آقا اور مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور وراثت میں ملے ہیں۔

آپ اس اعزاز کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہم چنیں عشقم بروئے مصطفٰے دِل پَرَد چوں مُرغ سوئے مُصطفٰے
ایسا ہی عشق مجھے مصطفٰے کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفٰے کی طرف اُڑ کر جاتا ہے
تامرا دادند از حُسنش خبر شد دلم از عشقِ اُو زِیر و زَبر
جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے
منکہ مے بینم رُخِ آں دلبرے جاں فشانم گردہد دل دیگرے
میں اُس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی اُسے دل دے تو میں اُس کے مقابلہ پر جان نثار کردوں
ساقیٔ من ہست آں جاں پَرورے ہر زماں مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے
محوِ روئے اُو شد است ایں رُوئے من بوئے اُو آید زبام و کوئے من
میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہوگیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آرہی ہے
**بسکہ من در عشقِ اُو ہستم نہاں من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں**
از بسکہ میں اُس کے عشق میں غایب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں
**جانِ من از جانِ اُو یابد غذا از گریبانم عیاں شُد آں ذکا!**
میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے
**احمد اندر جانِ احمد شُد پدید اسم من گردید آں اسم وحید**
احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہوگیا اس لیے میرا وہی نام ہوگیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے

عربی زبان میں فرماتے ہیں:

وَاِنِّی وَرِثْتُ الْمَالَ مَالَ مُحَمَّدٍ فَمَا اَنَا اِلَّا آلُهُ الْمُتَخَيَّرُ
اور میں محمدؐ کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔ پس میں اس کی آل برگزیدہ ہوں جس کو ورثہ پہنچ گیا
وَ كَيْفَ وَرِثْتُ وَلَسْتُ مِنْ اَبْنَائِهِ فَفَكِّرْ وَ هَلْ فِیْ حِزْبِكُمْ مُّتَفَكِّرُ
اور میں کیونکر اس کا وارث بنایا گیا ہوں جب کہ میں اس کی اولاد میں سے نہیں ہوں پس اس جگہ فکر کر کیا تم میں کوئی بھی فکر کرنے والا نہیں؟
اَتَزْعَمُ اَنَّ رَسُوْلَنَا سَيِّدَ الْوَرٰى عَلٰى زَعْمِ شَانِئِهٖ تُوُفِّیَ اَبْتَرُ
کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اولاد ہونے کی حالت میں وفات پائی؟ جیسا کہ دشمن بدگو کا خیال ہے

فَلا وَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاءَ لِاَجْلِهٖ	لَہٗ مِثْلُنَا وُلْدٌ اِلٰی یَوْمِ یُحْشَرُ

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہوں گے

وَ اِنَّا وَرِثْنَا مِثْلَ وُلْدٍ مَتَاعَہٗ	فَاَیُّ ثُبُوْتٍ بَعْدَ ذٰلِکَ یُحْضَرُ

اور ہم نے اولاد کی طرح اس کی وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے، جو پیش کیا جائے؟

اور فرماتے ہیں۔

وَ لِدِیْنِهٖ فِیْ جَذْرِ قَلْبِیْ لَوْعَۃٌ	وَ اِنَّ بَیَانِیْ عَنْ جَنَانِیْ یُخْبِرُ

اور آپ کے دین کے لیے میرے دل کی گہرائیوں میں ایک تڑپ ہے اور یقیناً میرا بیان میرے دل کی حالت کی خبر دے رہا ہے

وَرِثْتُ عُلُوْمَ الْمُصْطَفٰی فَاَخَذْتُھَا	وَ کَیْفَ اَرُدُّ عَطَاءَ رَبِّیْ وَ اَفْجُرُ

میں مصطفٰے کے علوم کا وارث ہوا سو میں نے ان کو لے لیا اور میں اپنے ربّ کی عطا کو کیسے رد کروں اور گنہگار بنوں

وَ کَیْفَ وَ لِلْاِسْلَامِ قُمْتُ صَبَابَۃً	وَ اَبْکِیْ لَہٗ لَیْلًا نَّھَارًا وَّ اَضْجَرُ

اور یہ ہو کیسے سکتا ہے حالانکہ اسلام کی تائید کے لئے میں از راہ عشق کھڑا ہوں اور اسی کے لیے رات دن روتا ہوں اور کڑھتا ہوں

اور فرماتے ہیں کہ ہم نے خدا کو آپ کے نور کے ذریعہ سے پایا ہے۔

رَئَیْنَاہُ مِنْ نُّوْرِ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی	وَ لَوْلَاہُ مَا تُبْنَا وَ لَا نَتَقَرَّبُ

ہم نے اس (خدا) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ذریعہ پالیا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتا تو نہ ہم رجوع (الی اللہ) کرتے اور نہ ہم (خدا کے) مقرب بنتے

لَہٗ دَرَجَاتٌ فِی الْمَحَبَّۃ تَآمّۃً	لَہٗ لَمَعَاتٌ زَالَ مِنْھَا الْغَیْھَبُ

اس نبی کو محبتِ الٰہی میں کامل درجات حاصل ہیں۔ اس کو ایسی شعاعیں ملی ہیں جن کے ذریعہ تاریکی دور ہوگئی ہے

ذُکَاءٌ مُّنِیْرٌ قَدْ اَنَارَ قُلُوْبَنَا	وَ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ النُّشُوْرِ مُعَقِّبُ

وہ روشنی کرنے والا آفتاب ہے اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور اس کا قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی جانشین ہوتا رہے گا

وَ فِی اللَّیلِ بَعْدَ الشَّمْسِ قَمَرٌ مُّنَوَّرٌ　　　كَمَا فِی الزَّمَانِ نُشَاهِدَنْ وَ نُجَرِّبُ

اور رات کو سورج کے بعد روشن چاند ہوتا ہے جیسا کہ ہم زمانہ میں مشاہدہ کرتے اور تجربہ رکھتے ہیں

وَ لِلّٰـهِ اَلْطَافٌ عَلٰی مَنْ اَحَبَّهُ　　　فَوَابِلُهُ فِیْ كُلِّ قَرْنٍ یَّسْكُبُ

اور خدا کی اس شخص پر مہربانیاں ہیں جو آپ سے محبت کرے پس آپ کی موسلا دھار بارش ہر صدی میں برسا کرتی ہے

اور فرماتے ہیں کہ اللہ کی سنت ہے کہ سورج کے بعد چاند ستارے چمکتے ہیں۔

وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ شَمْسٌ مُّنِیْرَةٌ　　　وَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدْرٌ وَّ كَوْكَبُ

اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو روشنی دینے والے سورج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں کا چاند اور ستارے ہیں

جَرَتْ عَادَةُ اللّٰهِ الَّذِیْ هُوَ رَبُّنَا　　　یُرِیْ وَجْهَ نُوْرٍ بَعْدَ نُوْرٍ یَّذْهَبُ

اللہ تعالیٰ جو ہمارا ربّ ہے اس کی یہ عادت جاری ہے کہ وہ ایک نور کے جانے کے بعد دوسرے نور کا چہرہ دکھا دیتا ہے

كَذٰلِکَ فِی الدُّنْیَا نَرٰی قَانُوْنَهُ　　　نُجُوْمُ السَّمَاءِ تَبْدُوْ اِذَا الشَّمْسُ تَغْرُبُ

اسی طرح دنیا میں ہم اس کا قانون پاتے ہیں کہ جب سورج غروب ہوجاتا ہے تو آسمان کے ستارے ظاہر ہوجاتے ہیں

خَفِ اللّٰهَ یَا مَنْ بَارَزَ اللّٰهَ مِنْ هَوٰی　　　وَ اِنَّ الْفَتٰی عِنْدَ التَّجَاسُرِ یَرْهَبُ

اللہ سے ڈر۔ اے شخص! جس نے ہوائے نفسانی سے خدا کا مقابلہ کیا اور بے شک جواں مرد ایسی دیدہ دلیری دکھاتے ہوئے خوف کھاتا ہے

اس مقام تک ہم نے آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کے بیان میں

اوّل: حضرت اقدس کے الہامات ربّانی کو پیش کیا ہے

دوم: آپ کا مثیل انبیاء ہونا پیش کیا ہے۔

سوئم: آپ کا وارثِ رسول اکرم ہونا پیش کیا ہے

اب ہم بہت اختصار سے آپ کا عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کا منصب و مقام پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

اِمروز قومِ من نشناسد مقامِ من　　روزے بگریہ یاد کُند وقتِ خوشترم

آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی لیکن ایک دن آئیگا کہ وہ رورو کر میرے مبارک وقت کو یاد کرے گی

اے قومِ من بصبر نظر سُوئے غیب دار　　تا دستِ خود بہ عجز زِ بہر تو گسترم!

اے میری قوم صبر کیساتھ غیب کی طرف نظر رکھ تا کہ میں اپنے ہاتھ (خدا کی درگاہ میں) تیری خاطر عاجزی کے ساتھ پھیلاؤں

گر ہمچو خاک پیشِ تو قدرم بود چہ باک　　چوں خاک نے کہ از خس وخاشاک کمترم

اگر تیرے نزدیک میری قدر خاک کے برابر بھی نہیں تو کیا مضائقہ ہے خاک تو کیا میں کوڑے کرکٹ سے بھی زیادہ حقیر ہوں

لطف است وفضلِ اُو کہ نوازد وگرنہ من　　کرمم نہ آدمی صدف استم نہ گوہرم!

یہ اس کا فضل اور لطف ہے کہ وہ قدردانی کرتا ہے ورنہ میں تو ایک کیڑا ہوں نہ کہ آدمی۔ سیپی ہوں نہ کہ موتی

زانگونہ دستِ او دلم از غیر خودکشید　　گوئی گہے نبود دگر در تصوّرم

اس کے ہاتھ نے اس طرح میرے دل کو غیر کی طرف سے کھینچ لیا گویا اس کے سوا اور کوئی بھی میرے خواب وخیال میں نہ تھا

**بعد از خدا بعشقِ محمد مُخمّرم　　گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم**

خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں

**ہر تار و پودِ من بسراید بعشقِ اُو　　از خود تہی و ازغمِ آں دلستاں پُرم**

میرے ہر رگ وریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں

**من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم　　دستش محافظ است ز ہر بادِ صرصرم**

میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُس کا ہاتھ ہر بادِ صرصر سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

فرماتے ہیں۔ بہت ہی دلفریب اشعار ہیں

مجھے اس یار سے پیوندِ جاں ہے　　وُہی جنت وُہی دارالاماں ہے

بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے محبت کا تو اک دریا رواں ہے

یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی

**فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

اور فرماتے ہیں۔

ترے کوچہ میں کن راہوں سے آؤں وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں

مَیں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیائے مادی

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

عربی زبان میں فرماتے ہیں:

بِوَجْهِکَ مَااَنْسٰی عَطَایَاکَ بَعْدَهٗ وَ فِیْ کُلِّ نَادٍ نَبَاَ فَضْلِکَ اَذْکُرُ

تیری ذات کی قسم! اس کے بعد مَیں تیرے احسانات کو نہ بھولوں گا۔ اور ہر مجلس میں تیرے فضل کی عظیم الشان خبر کا ذکر کرتا رہوں گا

تُلَبِّیْکَ رُوْحِیْ دَائِمًا کُلَّ سَاعَةٍ وَ اِنَّکَ مَهْمَا تَحْشُرُ الْقَلْبَ یَحْضُرُ

میری روح ہمیشہ ہر گھڑی تجھے لبّیک کہتی ہے۔ اور بے شک تو جب بھی میرے دل کو بلاتا ہے وہ حاضر ہو جاتا ہے

وَ تَعْصِمُنِیْ فِیْ کُلِّ حَرْبٍ تَرَحُّمًا فِدًی لَّکَ رُوْحِیْ اَنْتَ دِرْعِیْ وَ مِغْفَرُ

اور تُو مجھے ازراہِ ترحّم ہر لڑائی میں بچا لیتا ہے۔ میری روح تجھ پر قربان جائے۔ تو ہی میری زرہ اور خَود ہے

یُنَوِّرُ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَجْهَ خَلَائِقٍ وَلٰکِنْ جَنَانِیْ مِنْ سَنَاکَ یُنَوَّرُ

سورج کی روشنی تو مخلوق کے چہرے کو منوّر کرتی ہے۔ لیکن میرا دل تیرے نور سے منوّر ہو جاتا ہے

گذشتہ کے عنوانات کے تحت حضرت اقدس کا منصب و مقام پیش کرنے کے بعد ہم چند ایک بہت ہی دلفریب نمونے پیش خدمت کرتے ہیں۔

فارسی زبان میں اپنے قربِ الٰہی کے بیان میں بے انتہا حسین اور دلربا اشعار ہیں۔

فرماتے ہیں:

ہرکہ در عَہدم زِ من ماند جُدا　　　　مے کُند بر نفسِ خود جَور و جَفا

جو میرے زمانہ میں مجھ سے جُدا رہتا ہے تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پُر زِ نورِ دِلستاں شد سینہ ام　　　　شد زِ دستے صیقلِ آئینہ ام

محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

**پیکرم شُد پیکرِ یارِ ازل　　　　کارِ من شُد کارِ دلدارِ ازل**

میرا وجود اُس یار ازلی کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا

**بسکہ جانم شُد نہاں در یارِ من　　　　بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من**

چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہوگئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

**نورِ حق داریم زیرِ چادرے　　　　از گریبانم برآمد دِلبرے**

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے۔

**احمدِ آخر زماں نامِ من است　　　　آخریں جامے ہمیں جامِ من است**

احمد آخرِ زماں' میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دُنیا کے لیے) آخری جام ہے۔

غزل کی صنف میں فرماتے ہیں:

الا اے دشمنِ ناداں و بے راہ　　　　بترس از تیغِ برّانِ محمد

اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہوجا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر

رہِ مولیٰ کہ گُم کردند مردم　　　　بجو در آل و اعوانِ محمد

خدا کے اس راستہ کو جسے لوگوں نے بھلا دیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور انصار میں ڈھونڈھ

**الا اے منکر از شانِ محمد　　　　ہم از نورِ نمایانِ محمد**

خبردار ہوجا! اے وہ شخص جو محمدؐ کی شان نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے

**کرامت گرچہ بے نام و نشان است　　　　بیا بنگر زِ غِلمانِ محمد**

اگرچہ کرامت اب مفقود ہے۔ مگر تو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے

اس نظم کی خوبی اور اسلوب زبان کو دیکھیں اور غلام احمد کی شان کا مشاہدہ کریں۔

زندگی بخش جامِ احمد ہے
کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقامِ احمد ہے
باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستاں کلامِ احمد ہے

**ابن مریم کے ذِکر کو چھوڑو**
**اس سے بہتر غلامِ احمد ہے**

آپ حضرت کی شان میں اس الہامی شعر کو ہمیشہ یاد رکھنا ضروری ہے۔

**برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے**
**جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے**

(تذکرہ صفحہ 583۔ مطبوعہ 2004ء)

دنیا سے بے رغبتی اور رجوع الی اللہ کو دیکھیں:

ابنِ مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار
مُلک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نئے دیار
تاج و تختِ ہند قیصر کو مُبارک ہو مدام
اُن کی شاہی میں مَیں پاتا ہوں رفاہِ روزگار
مجھکو کیا ملکوں سے میرا مُلک ہے سب سے جُدا
مجھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
ہم تو بستے ہیں فلک پر اِس زمیں کو کیا کریں
آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نِقار

اِن اشعار کی شان کو مشاہدہ کریں۔

صِدق سے میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حِصار
پُشتیٔ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں
نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

آپ کے عشق الٰہی کا منصب دیکھیں

**یارب مرا بہر قدمم استوار دار　　　واں روزِ خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم**

اے ربّ مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں

**درکوئے تو اگر سرِ عشّاق را زنند　　　اوّل کسے کہ لافِ تعشق زند منم!**

اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعوٰی کرے گا وہ میں ہوں گا

اور آخر پر باری تعالیٰ کی محبت اور اس سے قرب کو سمجھ لیں۔

مَن نہ وَاعظ کہ عاشقِ زَارم　　　آید از طورِ واعظاں عارم

میں ایک واعظ نہیں بلکہ عاشق زار ہوں اور واعظوں کے طریق سے مجھے عار ہے

**نزدِ بیگانگاں جنوں زدہ ام　　　نزدِ معشوق نیک ہشیارم**

خدا سے دور لوگوں کی نظر میں میں دیوانہ ہوں مگر معشوق کی نظر میں میں بہت ہوشیار ہوں

حضرت اقدس کا روحانی منصب اور مقام تو آپ کی نثر کے ہر فقرے اور نظم کے ہر شعر میں ثابت اور عیاں ہے ہم نے نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے چند نمونے پیش کئے ہیں جو اس مضمون کا حق تو ادا نہیں کر سکتے البتہ یہ اظہار ضرور کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے عاشقوں میں سے ہیں اور آپ کی ہر تجلّی اور ادائے محبوبی ہمیں جان و دل سے عزیز ہے۔

یہ شعر ایک بار اَور پیشِ خدمت ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

میں نے اپنا تمام سرمایہ تیری جناب میں پیش کر دیا ہے۔ کم و بیش کا حساب تو ہی جانتا ہے۔

☆

# انڈیکس آیاتِ قرآنیہ